معیاری ادب

انتخابِ سودا

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

عرفانی

معیاری ادب ۲۷

انتخابِ سودا

مرزا محمد رفیع سودا

تصحیح و ترتیب
رشید حسن خاں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

تقسیم کار

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی 110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنسس بلڈنگ، بمبئی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونی ورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ 202001

جون ۲۰۰۴ء　　تعداد 500　　قیمت -/90

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی میں طبع ہوئی

مجلسِ ادارت

حرفِ آغاز

پُرانی کتابیں کم یاب ہوتی جارہی ہیں۔ جو کتابیں ملتی ہیں، اُن میں سے بیش تر قابلِ اعتبار نہیں۔ عام طور سے اُن کی قیمتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور بہت سے لوگ جو اچھی کتابوں کو خریدنا چاہتے ہیں، قیمتوں کی زیادتی کی وجہ سے نہیں خرید پاتے۔

اِن امور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، مکتبہ جامعہ نے، حکومتِ جمّوں و کشمیر کے تعاون سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے جس کے تحت قدیم معیاری کتابیں، صحتِ متن اور حُسنِ طباعت کے ساتھ پیش کی جائیں گی۔ اِن کتابوں کا متن بہت اہتمام کے ساتھ تیار کیا جائے گا جو اُس کتاب کے معتبر ترین نسخے پر مبنی ہوگا۔ صحتِ متن کے ساتھ ساتھ صحتِ املا کا بھی بہ طورِ خاص لحاظ رکھا جائے گا۔ اور یہ ساری کتابیں آفسٹ پر نہایت خوب صورتی کے ساتھ چھاپی جائیں گی۔ اس کے باوجود اِن کتابوں کی قیمتیں کم سے کم ہوں گی اور اس کے لیے مکتبہ جامعہ حکومتِ جمّوں و کشمیر کا ممنون ہے جس کی مالی امداد نے اس بات کو ممکن بنایا۔

ہمیں امید ہے کہ حکومتِ جمّوں و کشمیر کی مالی امداد سے مرتّب کیا ہوا کتابوں کا یہ سلسلہ اُردو زبان و ادب کے فروغ میں اور اچھی کتابوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت میں بے حد معاون ثابت ہوگا۔

شاہد علی خاں
(جنرل منیجر)

فہرست

تعارف

(۱) قصائد (نعت، منقبت، مدح)

(۲) سماجیات

---

(۳) مضحکات (ہجو، طنز، مزاح)

تعارُف

مرزا سوداؔ صحیح معنی میں بڑے شاعر تھے ۔ اِس میں زمانے کی قید نہیں ۔ آج بھی اُن کی عظمت مُسلّم ہے ۔ اُن کی سی شاعرانہ ہمہ گیری ، اُن کے عہد ہی میں نہیں ، اُن کے بعد بھی ، اُس طرح کسی کو نصیب نہ ہو سکی ۔ مرزا کا زمانہ وہ ہے جب میرؔ صاحب نے غزل کو کارگہِ شیشہ گراں بنایا تھا ۔ اُس میں دردمندی کا گداز اور نرم بیانی کی نزاکتیں بھردی تھیں ۔ خواجہ میر دردؔ نے حیرت و حسرت اور تسکینِ ناتمام کی کیفیتوں سے اس کو معمور کر دیا تھا ۔ ان دو بڑے شاعروں کے اثر سے ، دردمندی کا لہجہ شاعری پر چھا کر رہ گیا تھا ۔ غزلوں کے علاوہ اور بہت کچھ بھی لکھا گیا تھا ، لکھا بھی جا رہا تھا ، لیکن شاعری ، غزل ہی سے عبارت تھی ۔ اور غزل ، دل کی دنیا کی صدائے بازگشت تھی ۔ اُس زمانے کے اکثر شاعر اسی کیفیت میں ڈوبے ہوئے تھے ۔ جذبے کی حرارت سے شعر پگھلتے ہوئے محسوس ہوتے تھے ۔ بیان کی سادگی اور لہجے کی گھلاوٹ کم و بیش قدرِ مشترک تھی ۔ گھلاوٹ کے ساتھ ایک طرح کا ارتعاش بھی ، جو جذبے کی حرارت سے پیدا ہوتا ہے ۔ شعر کی گہرائیوں میں دل کی گہرائیاں سما گئی تھیں ۔ اُس دور کے بعد پھر کسی دور کو یہ بات نصیب نہ ہو سکی کہ پورا دور سادگی اور تاثیر سے اس طرح سرشار ہو ۔

لیکن اس خوبی کے باوصف ، شاعری مجموعی طور سے سمٹتی جا رہی تھی ؛ دل کی دنیا کی وسعتیں اس میں آباد ہو رہی تھیں ، مگر باہر کی دنیا کی ، سنگلاخ بے کرانیاں ، اجنبی سرزمین کی طرح

بنی جا رہی تھیں۔ دیگر اصنافِ سخن کا رنگ جمتا ہی نہ تھا۔ ہر طرح کی نظمیں لکھی گئی تھیں، لکھی بھی جا رہی تھیں، لیکن غزل کے اُس خاص انداز کے سوا، ہر تصویر بے رنگ سی دکھائی دیتی تھی۔ صداقت سے معمور ہونے کے باوجود، شاعری، وسعت سے دور ہوتی ہوئی محسوس ہوتی تھی اُس زمانے میں سودا نے اُردو شاعری کو صلابت بخشی۔ اندازِ بیان میں توانائی کو سمویا۔ لہجے میں تلوار کی کاٹ پیدا کی۔ اسلوب کو بلند آہنگی سے روشناس کیا اور مجموعی طور پر شاعری کی زبان اور پیرایۂ بیان میں خارجی وسعت کا اضافہ کیا۔ دل کی دُنیا تو غزلوں میں آباد ہو چکی تھی، سودا نے طلسمِ باطن کی طرف توجہ کرنے سے زیادہ، لفظ و معنی کے ظاہری رشتوں پر توجہ صرف کی۔ شاعری کے دائرے کو اس طرح وسیع کیا کہ ہر اچھی بُری بات اس میں سما سکے اور کہیں سے اُتری ہوئی نہ معلوم ہو۔ دل کہ اک شہر تھا خیالوں کا، اُس کی تباہی کے بیان کے ساتھ ساتھ، گلی کوچوں کی ویرانیاں بھی تفصیل کے ساتھ بیان کی جا سکیں، اور ان کی بھی وہی اہمیت ہو۔ زبان کا قالب اس طرح بنایا سنوارا جس میں یہ سنگ لاخ حقائق صحیح طور سے صورت پذیر ہو سکیں۔ میر و درد نے زبان و اسلوب کے ایک رُخ کی تکمیل کی تھی۔ آج بھی دل کی باتیں کہنے کا، اور دل کی ویرانی کے مذکور کا، مثالی انداز وہی معلوم ہوتا ہے جس کو میر صاحب نے اُس زمانے میں اختیار کیا تھا۔ لیکن شہر کی ویرانی اور سماجی شکست ریخت، پُر زور تشبیب اور شان دار مدح، تیکھی مذمت اور کٹیلی ہجو، لطیف طنز اور قہقہہ در آغوش ظرافت، ان سب کے لیے الگ الگ پیرایۂ اظہار کی ضرورت تھی۔ ان میں سے بعض کے دُھندلے دُھندلے خاکے موجود تھے، اور بعض گویا ناتراشیدہ تھے۔ سودا نے ان دُھندلے خاکوں کو اِس طرح روشن کیا کہ واضح اور مکمل پیرایۂ بیان کے قالب بَن گئے۔ اُن کی بے مثال، بلکہ بے پناہ ذہانت اور قادر الکلامی نے بعض پیرایوں کی اس طرح صورت گری کی، جیسے بڑا صناع کسی نئے انداز کی تشکیل کرتا ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑا کام یہ انجام دیا کہ اِن سارے پیرایوں کی تکمیل اور فروغ کے لیے، زبان کی

اُس سطح کو بلند کیا، جس پر یہ نشو و نما پا سکیں۔ یہ عہد آفریں کام تھا، خاص طور سے اس لحاظ سے کہ سودا کا زمانہ زبان کے فروغ کا ابتدائی عہد تھا۔

غزل، اُردو شاعری کا قابلِ ذکر سرمایہ ہے۔ قابلِ ذکر ہی نہیں، قابلِ فخر بھی۔ لیکن سودا کا مزاج غزل کے اُس دردناک دھیمے پن سے میل کھانے والا نہیں تھا جس کو میر صاحب سے نسبت ہے۔ میر صاحب نے ایک جگہ کہا ہے:

غزل، میر یاں کوئی موزوں کرو　　　تامل کرو، دل جگر خوں کرو

تامل تو سودا کے یہاں تھا، لیکن دل جگر خون کرنے کا ان کو دماغ نہیں تھا، پھر اُس انداز کی غزل کیسے بن آتی۔ یہ صحیح ہے کہ میر و درد کے انداز کی غزل گوئی میں وہ کم رتبہ ہیں، لیکن یہ زیادتی ہو گی اگر ہم ان کو، ان کی خصوصیات سے قطع نظر کر کے، حریفِ میر کی حیثیت سے دیکھیں۔ دونوں کا مزاج مختلف تھا، اس لیے دونوں کے انداز کو بھی مختلف ہونا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ سودا نے اپنی شخصیت کی طرح غزل کو بھی ہم رنگ بنانا چاہا۔ اُن کی غزلوں میں مضامین تو وہی نظم ہوئے ہیں جو اس صنف میں بالعموم نظم کیے جاتے تھے، فرق لبِ اندازِ بیان کا ہے۔ سودا نے غزل کی زبان میں تب و تاب پیدا کی۔ اُس کے گہرے حزنیہ لہجے کو، نشاطیہ توانائی سے بھی آشنا کیا۔ یہ مزاج کی تبدیلی تھی۔ سودا سے اس تبدیلی کی نسبت اس لحاظ سے ہے کہ اُن کی قوتِ بیان نے، اس تبدیلی کو بھی غزل کا معیاری انداز بنا دیا۔ ورنہ اُس وقت تک معمولی سی رنگا رنگی کے باوجود غزل کا معیاری انداز وہی تھا جس کو میر صاحب نے فروغ بخشا تھا۔ غزل کا یہ نیا مزاج زیادہ وسیع تھا اور ہمہ گیری اس کی خصوصیت تھی۔ اس میں درد و داغ و سوز و ساز کے علاوہ، اور باتوں کو بھی سلیقے سے پیش کرنے کی گنجایش تھی۔ ورنہ کچھ یہ عالم ہو گیا تھا کہ کوئی بات ہو، وہ افسردگی سے ہم رنگ ہو کر معرضِ بیان میں نمودار ہوتی تھی۔ سودا نے غزل کے اسلوب کو، جو نرم، دھیما، مدّھم اور افسردہ سا تھا، روشن اور توانا بنایا۔ اس میں جھنکار اور کھنک کا اضافہ کیا۔ یہ مزاج بعد والوں کے بہت

کام آیا۔ خود اُن کے زمانے میں قائم اور بقا کے یہاں جو لہجے میں ایک ترنگ اور توانائی ہے وہ سودا کے اثرات کو بیان کرتی ہے۔

اُن کے زمانے ہی میں اس کے چرچے ہونے لگے تھے کہ سودا کا قصیدہ خوب ہے لیکن غزل میں وہ کم رُتبہ ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ میر صاحب کو نہیں پہنچتے۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے بھی اسی طرح کی باتیں لکھی ہیں۔ سودا کو خود بھی اس کا احساس تھا۔ انھوں نے اسی احساس کے تحت اندازِ میر کو سرسبز کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ استادی اور مشاقی کی برکت سے ان کی غزلوں کے بہت سے شعر رنگِ میر سے قریب بھی ہو گئے ہیں، لیکن اُن کا اپنا لہجہ چھپتا نہیں۔ بار بار ابھرتا ہے اور چھا جاتا ہے۔ رنگِ میر میں جو شعر ہیں، ان میں بھی لہجے کی فنادگی کم ہے، البتہ زورِ بیان کی لہریں دوڑتی ہوئی ضرور محسوس ہوتی ہیں۔ صداقتِ بیان اور سادگیِ جذبات تو اُس عہد کا مشترک سرمایہ تھا، سودا کے یہاں بھی اس کا ذخیرہ موجود ہے لیکن اصل چیز وہ پیرایۂ بیان ہے جو صداقتِ احساس اور صداقتِ تخیّل کو تابناک توانائی سے رنگین بنا دیتا ہے۔ یہی سودا کا اسلوب ہے اور یہی ان کا اضافہ ہے۔ سودا کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انھوں نے غزلوں میں طویل قطعے زیادہ تعداد میں شامل کیے۔ دو تین شعروں کے قطعہ بند حصّے تو اوروں کے یہاں بھی مل جاتے ہیں لیکن کم، سودا نے دو تین شعروں سے زیادہ طویل قطعات کو غزل کا جز بنایا اور اس سلیقے کے ساتھ کہ مُسلسل غزل والی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اتفاق یہ ہے کہ یہ قطعے عموماً دردناک مضامین پر مشتمل ہیں، اس طرح غزل کے مسلّمہ انداز و اسلوب میں رس بس گئے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود، سودا کے کمال کا شان دار مظاہرہ اُن کے قصیدوں اور ہجووں میں نظر آتا ہے۔ یہاں وہ معیار ساز بھی ہیں اور بے مثال بھی۔ اُن کے قصیدوں اور ہجووں نے اُردو میں ان اصناف کا معیار متعین کیا، آداب بنائے اور خود ہی درجۂ کمال پر پہنچایا۔ یہاں کوئی اُن کا حریف نہیں۔ غزل تو اُن سے پہلے بھی کچھ نہ کچھ تھی اور اُن کے زمانے میں تو بہت کچھ تھی۔ قصیدوں

کا اُن سے پہلے بس نام سا تھا، اُن کے زمانے میں بھی دوسروں کے یہاں بس نام ہی رہا، اور اُن کے بعد بھی صرف انھی کے قصیدے مثال و معیار میں پیش کیے گئے۔ مصحفی نے ان کو اس فن کا نقاشِ اول کہا ہے اور بجا طور پر کہا ہے، اس پر اتنا اضافہ کرنا چاہیے کہ یہ نقشِ اول ہی نقشِ آخر بن کر رہ گیا۔ انھوں نے قصیدوں میں اس زور شور اور دھوم دھام کو پیدا کیا، جس کو فارسی شاعری کا سرمایۂ فخر سمجھا جاتا ہے۔ اور ایسی ایسی ہجویں لکھیں جن میں کہیں نشتروں کی آب داری ہے اور کہیں تلوار کی کاٹ، جس کے زخم آج بھی دل کشا نظر آتے ہیں

کہا جاتا ہے کہ اُردو میں دو قصیدہ نگار پیدا ہوئے، ایک سوداؔ، دوسرے ذوقؔ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کے قصیدوں میں اندھیرے اجالے کا فرق ہے۔ سوداؔ کے یہاں معنی آفرینی کا لطف، نئے مضامین کا حُسن، تشبیہوں کی جدت، اور استعاروں کی ندرت کا جو عالم ہے، وہ اُس پیمانے پر ذوقؔ کے یہاں نہیں ملتا۔ کہیں کہیں چنگاریاں چمک جاتی ہیں اور کہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پرچھائیاں کانپ رہی ہیں۔ معنی آفرینی کے لیے جس قدر خلّاق اور برّاق ذہن درکار ہے، جس پروازِ خیال کی ضرورت ہے اور جیسی نکتہ آفریں طبیعت درکار ہے، اس سے ذوقؔ بڑی حد تک محروم تھے۔ وہ مختلف علوم کی اصطلاحوں کے انبار لگا سکتے ہیں (اور اس کے لیے نہ فکر کی ضرورت ہے نہ مشّاقی کی، محض علم کافی ہے) وہ مشکل ردیفوں کو سرسبز کر سکتے ہیں اور مشکل تر قافیوں کو اچھے پہلوؤں سے بٹھا سکتے ہیں (اور اس کے لیے صرف مشّاقی کی ضرورت ہے) لیکن معنی آفرینی دوسری چیز ہے۔ اس کے لیے قوتِ مشاہدہ، قوتِ آخذہ، پروازِ فکر اور معنی یاب طبیعت ضروری ہے۔ یہ سوداؔ کا حصّہ تھا۔

معنی آفرینی کے علاوہ، ایک بڑا فرق اسلوب کا بھی ہے۔ ذوقؔ کی شخصیت کی طرح اُن کا اسلوب بھی سادہ تھا۔ اُن کے متعلق اتنی بات سب جانتے ہیں کہ وہ محاوروں کو شعر میں خوب کھپایا کرتے تھے۔ محاورہ بندی اور روزمرّہ کا استعمال، اُن کے کلام کا عام جوہر ہے۔ فراقؔ نے اپنے ایک پُرمغز مقالے میں ذوقؔ کی اس صفت پر بہت زور دیا ہے۔ اسی کو اردو

سے تعبیر کیا ہے۔ محاورے اور روزمرہ پر توجہ مبذول رکھنے سے زبان و بیان پر سادگی کا اثر غالب رہتا ہے۔ جب کہ قصیدے کی مشکل یہ ہے کہ اس کو سادہ زبان راس نہیں آتی۔ اس سے اُس آہنگ پر بُرا اثر پڑتا ہے جس کو قصیدے کے لیے ضروری سمجھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذوقؔ کے قصیدوں میں اُس آہنگ کی گونج مدھم ہے، جو سوداؔ کے یہاں بنچم بن کر برستا ہے۔ ذوقؔ نے اس کمی کو ایک اور طرح پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ جگہ جگہ بھاری بھرکم، کبھی ثقیل اور کبھی نامانوس الفاظ نظم کرتے ہیں لیکن چوں کہ مجموعی طور پر ان کا اسلوب سادہ ہے، اس لیے ان الفاظ کا وجود، قصیدے کے آہنگ کو بلند کرنے کے بجائے، عدمِ توازن کی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ جب کہ سوداؔ کے یہاں آزادؔ کے الفاظ ہیں: کلام کا زور مضمون کی نزاکت سے ایسا دست و گریباں ہے جیسے آگ کے شعلے میں گرمی اور روشنی۔

ذوقؔ کے یہاں ایک خامی اور بھی ہے، جو اُن کی غزلوں اور قصیدوں، دونوں میں نمایاں ہے، اور وہ یہ کہ سُست بندشیں اُن کے کلام میں بہ کثرت پائی جاتی ہیں۔ بندش کی سُستی سے روانی اور آہنگ دونوں بے طرح مجروح ہوتے ہیں۔ سوداؔ کے یہاں تعقیدِ لفظی کی بڑی سے بڑی مثالیں مل جائیں گی، لیکن بندشوں کی چُستی، کلام کے زور کو سنبھالے رہتی ہے اور اس عیب کی بھی پردہ پوشی کرتی ہے۔

قصیدے کے سلسلے میں معنی آفریں طبیعت، زورِ بیان اور پروازِ فکر کے لحاظ سے اُردو میں انشاؔ اور غالبؔ کا نام سامنے آنا چاہیے۔ قصیدے کو جس انداز و اسلوب کی ضرورت ہے، جس طبیعت داری، نکتہ آفرینی اور جوش و خروش کا وہ متقاضی ہے، اس کے لحاظ سے یہ دونوں بہترین قصیدہ گو ہو سکتے تھے۔ لیکن انشاؔ کی مشکل وہی تھی جس کی طرف شیفتہؔ نے اشارہ کیا ہے کہ ہیچ صنفِ سخن را بطریقِ راسخہ شعرا نگفتہ۔ ان کی متلوّن مزاجی نے بات نہیں بننے دی لیکن ان کے قصیدوں کے ٹھاٹھ، آہنگ اور انداز سے کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور کیا جا سکتا ہے۔ غالبؔ کی ساری قوّتِ شاعری، فارسی قصیدہ گوئی کی نذر ہوئی۔ پھر بھی اُن کے

اُردو کے دو قصیدے ایسے ہیں، جو جدّتِ ادا، ندرتِ مضامین، لطفِ بیان اور چستیِ بندش کے لحاظ سے، ذوقؔ کے سارے سرمایے پر بھاری ہیں۔ ذوقؔ کے قصیدے، اس میں شک نہیں کہ (باستثنائے غالبؔ) اور شاعروں سے خوب تر اور بلند تر ہیں، دوسروں کو یہ بات بھی نصیب نہ ہو سکی، لیکن قصیدے کا جو معیار سوداؔ نے بنایا تھا، اس سے فروتر ہیں۔ اس میں مزاج کو بڑا دخل ہے۔ ذوقؔ کے حالات آزادؔ نے تفصیل سے لکھے ہیں، ان کو پڑھیے، تو اندازہ ہوگا کہ سادگی ان کے مزاج کا سب سے تابناک جوہر تھی۔ وہ آتش و آب و خاک و باد والی بات نہیں تھی، جو سوداؔ کا خاصہ تھا۔ قصیدے کے لیے ہنگامہ گرم کن طبیعت کی ضرورت ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اُستادی، مشاقی اور مطالعے کی برکت سے ذوقؔ کے قصیدوں کے بعض بعض ٹکڑے واقعۃً معرکے کے ہیں۔

شاید یہ کہا جائے کہ ذوقؔ کا ممدوح ہی کمزور تھا، مدح میں زور کہاں سے آتا۔ لیکن قصیدے کی خوبی میں ممدوح کی شوکت کو اتنا دخل نہیں ہوتا جتنا شاعر کی طبیعت کو۔ قصیدہ، ممدوح کی نہیں، شاعر کی نمایندگی کرتا ہے۔ مدح تو عرضِ جوہرِ طبیعت کی ایک تقریب ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بزرگانِ دین کی تعریف اور حمد و نعت میں بھی بہترین قصائد کہے گئے ہیں۔ یہ ممدوح تو کمزور نہیں ہوتے۔ حمد و نعت کے قصیدے کہنے سے کس نے منع کیا تھا۔ عقیدت کی روشنی تو ہمیشہ تابناک رہتی ہے۔ اس باب میں زورِ طبع کے جوہر دکھانے سے کس نے روکا تھا۔ ذوقؔ کے یہاں آخر حمد و نعت کے قصائد کیوں نہیں ملتے۔ ایک قصیدۂ منقبت میں انھوں نے کہا ہے، حضرت عاشق نہال چشتی کی شان میں۔ اُس کا حال یہ ہے کہ اُس کا شمار اُردو کے کم زور ترین قصائد میں کیا جانا چاہیے۔ وہ تو بہادر شاہ کی مدح میں کہے گئے قصیدوں سے بھی کم تر ہے۔ شروع سے آخر تک سُست بندشوں سے لب ریز ہے۔

اس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ذوقؔ کے یہاں اُس جذبے کی بھی کمی تھی جو عموماً اچھے قصیدہ نگاروں کے یہاں کارفرما رہا کرتا تھا اور جس کے اثر سے وہ منقبتی قصائد لکھا کرتے

تھے، جن میں مدحیہ قصائد جیسا بھی اور ان سے زیادہ بھی، زور و شور موج زن ہوا کرتا تھا۔ ذوق کے قصیدے مجبوری یا ضرورت کے نتیجے میں عالمِ وجود میں آئے ہیں۔ یہ بات نہیں تھی کہ اساتذہ کے معرکے کے قصائد پر قصائد کہے جائیں اور مقصد محض یہ ہو کہ زورِ طبع، زورِ کلام اور زورِ تخیّل کی جلوہ گری ہو۔ یہ بات سودا کے یہاں مکمل طور پر ملتی ہے۔ اسی کو مزاج کے فرق سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے

سودا کے بعد اُردو میں درجۂ اوّل کا کوئی قصیدہ نگار پیدا نہیں ہوا۔ مغل دربار تو نیم اُجڑ رہا تھا مگر لکھنؤ میں جہاں ایک نئی مملکت آراستہ ہو رہی تھی، وہاں بھی کوئی قابلِ ذکر قصیدہ نگار نہیں چمک سکا۔ اس سے خیال کیا جا سکتا ہے کہ قصیدے کے لیے کس قدر قوّتِ فکر اور قوّتِ بیان درکار ہے اور اس کا بھی بہ خوبی تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ سودا کے یہاں ان کا کیا عالم ہوگا۔

قصیدہ نگاری کو آج بہت سے لوگ نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ دورِ جاگیرداری کا پروردہ تو کہتے ہی ہیں لیکن اس بات کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ فنونِ لطیفہ کی ترقی اسی نظام کے زیرِ سایہ ہوئی ہے۔ ہر نظام اپنے عہد کا تقاضا ہوتا ہے، عہد کے بدلنے سے نظام بھی بدل جائے گا، لیکن اس تبدیلی سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس عہد کے اُن آثار کو، جو اُس عہد کے تقاضوں کا لازمی نتیجہ تھے، محض اس وجہ سے حقارت کے ساتھ یاد کیا جائے کہ یہ اُس دور میں پیدا ہوئے تھے یا پروان چڑھے تھے، جس کو آج ہم اچھا نہیں سمجھتے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی بدمذاقی اور کم نظری کو تاج محل کا حُسن تو دکھائی نہیں دیتا، یہ دکھائی دیتا ہے کہ اس کو شاہ جہاں نے بنوایا تھا، جو ایک بادشاہ تھا۔ ناقص علم، محدود نظر، پست ذوق اور سنسنی پسند طبیعت کا یہی خاصّہ ہوتا ہے۔ اس اندازِ فکر سے ایک بڑا نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم چیزوں کے حقیقی محاسن سے بے خبر رہ جاتے ہیں۔ قصیدے ہی کو لیجیے۔ اس پہلو کی طرف سے آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں کہ بادشاہوں

اور امیروں کی مدح کے علاوہ، اعلا درجے کے قصیدے حمد ونعت اور منقبت میں بھی لکھے گئے ہیں۔ ان میں بہت سے واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ کیا یہ قصیدے بھی جذبے کی صداقت سے خالی ہوں گے؟ ان کے لیے کون مجبور کرتا تھا؟ اور کیسے کیسے شان دار قصیدے حمد و نعت و منقبت میں کہے گئے ہیں کہ بادشاہوں کی تعریف کے کارنامے ان کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں۔ جذبہ و خلوص کا مظاہرہ آخر اور کیسے ہوتا ہے؟

جو قصیدے بادشاہوں یا امیروں کی ثنا و صفت میں کہے گئے ہیں، ان میں ثنا و صفت کے حصے کے علاوہ، ایک اہم حصہ تشبیب یا تمہید کا بھی ہوتا ہے، جس میں فکر کے حقیقی جوہر کھلتے ہیں اور معنی آفرینی کی قوت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ بیانیہ صلاحیت کی بھی پرکھ ہوتی ہے۔ یہاں استعاروں اور تشبیہوں کے طلسم کدے کا گویا در کھل جاتا ہے۔ سودا ہی کے قصیدوں کو دیکھیے، کتنے متنوع موضوعات ان کی تمہیدوں میں ہیں: بہار کا موسم، ابنائے زمانہ کی شکایت، شاعری کا غلط تفاخر، حرص کی مذمت، شاعری کا منصب، محض سراپا نگاری۔ غرض رنگارنگی کا آئینہ خانہ سجا ہوا ہے۔ ذرا غور تو کیجیے، ان مختلف موضوعات کے واسطے سے، شاعری کی زبان میں اور اس کے وسیلے سے عام زبان میں کس قدر اضافہ ہوا ہے۔ بے شمار اہم الفاظ، مختلف علوم و فنون کی ایسی اصطلاحیں جن سے عام حالات میں طالبِ علم کیا اچھے اچھے استاد بھی واقفیت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ بے مثال نئی سے نئی تشبیہیں، بیان کی عجیب عجیب جدتیں اور وسیع المعنی ترکیبیں، یہ سب ذخیرہ گراں قدر ذخیرہ ماضی میں قصیدوں ہی سے شاعری اور زبان کو ملا ہے۔ سودا کے قصیدوں میں شاہی دربار، دفاتر، منشی متصدی، وکیلِ مطلق، عرضی، سیاہا، دستخط، مہاجن، سپاہی، جاگیر، روزینہ، غرض بے شمار چیزوں کا بیان ملتا ہے۔ ان میں سے ہر لفظ، ہر اصطلاح اور ہر فرد سے اُس پورے نظام کی داستانیں وابستہ ہیں۔ ان لفظوں اور ان اشاروں کی مدد سے طالبِ علم اُس نظام تک پہنچ جاتا ہے۔ لفظوں کے ذخیرے کے ساتھ ساتھ پچھلے نظام کے خط و خال بھی خیال کی نگاہوں کے سامنے ابھرنے لگتے ہیں۔ گویا شاعری، تاریخ

کا بدل بن جاتی ہے۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ مدحیہ مضامین میں عموماً تکرار ہوتی ہے۔ ان میں مبالغے کا گہرا رنگ شامل ہوتا ہے۔ لیکن تمہید میں تکرار اور مبالغے کے بجائے، نیا پن اور حقیقت نگاری ہوتی ہے، واقعی ہو یا تخئیلی۔ یہاں شاعر جو کچھ کہتا ہے وہ اس کے اپنے ذہن و فکر کی قابلِ رشک تخلیق ہوتی ہے۔ اس کے اپنے خیالات اور احساسات ہوتے ہیں۔ یہاں شاعرانہ صداقت پوری طرح جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہاں جذبے اور فکر دونوں کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ مثلاً سودا کا وہ کافیہ قصیدہ جو نواب عمادالملک کی مدح میں ہے، اس کو دیکھیے۔ مدح تو خیر جیسی بھی ہے، لیکن تمہیدی حصّے میں ایک خیالی پیکر کی سراپا نگاری میں جس طرح دادِ شاعری دی گئی ہے، اُس کی اعلا پایگی سے کون انکار کرسکتا ہے۔ یہ جگمگاتی ہوئی تصویر لفظوں کے ذریعے سے کاغذ پر اُتر ہی نہیں سکتی تھی اگر شاعر کے ذہن و فکر کی سچّی کارفرمائی شامل نہ ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کے تخیّل نے اپنی پرواز کی ساری توانائی کو صرف کردیا ہے۔ یہ بات کیا جھوٹے ملمع اور رسمی نگارش میں پیدا ہوسکتی ہے؟ ایسی نگارش جس میں شاعر کے فکر و خیال کی حقیقی توانائیاں خون بن کر رواں دواں نظر آتی ہوں، کیا اُس کو معمولی، فرضی یا جھوٹی شاعری کہنے کی جرأت کی جاسکتی ہے؟

سودا نے ایک قصیدے کی تمہید میں (برجِ حمل میں بیٹھ کے خاور کا تاجدار) فوجی اصطلاحوں کا تلازمہ پیش کیا ہے۔ خاصی لمبی تمہید ہے۔ ذرا دل لگا کر اور نظر جما کر جو بھی اس کو پڑھے گا، اس کو اندازہ ہوگا کہ یہ بیانیہ شاعری کے ایک انداز کی دل کش تفسیر ہے۔ کتنی اصطلاحوں کا اس سے علم ہوتا ہے۔ کتنے لفظ سامنے آتے ہیں جو اپنے تلازموں کی نسبت سے نئے نئے مفاہیم کی وسعتوں کی جھلکیاں دکھا رہے ہیں۔ کیسی کیسی تشبیہیں ہیں۔ پوری تمہید، رزمیہ بیان کا مرقع معلوم ہوتی ہے اور خوبی یہ ہے کہ ان سب کا سلسلہ موسمِ بہار کے مختلف مظاہر سے جوڑا گیا ہے۔ اُردو شاعری اپنے آپ کو تفصیل نگاری کی وسعتوں سے روشناس ہوتا ہوا

محسوس کرتی ہے۔ زبان، لُغت اور اسلوب، ان سب پر اضافوں کی پرچھائیاں پڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ ذرا اُردو شاعری کے اُس دور کا تصوّر کیجیے جب زبان و شاعری دونوں نے شعور کی آنکھیں کھولی ہی تھیں۔ وسعتیں محدود تھیں اور سرمایہ اس سے بھی کم تھا۔ ایسے زمانے میں سوؔدا کے قصیدوں نے زبان اور شاعری کو رنگارنگی اور وسعت بخشی، اسلوب میں پہلوداری کی تشکیل کی اور بیان کی طاقت کے لیے نئے پر پرواز فراہم کیے۔ کیا یہ کارنامہ نہیں؟ وہ شاعری جس میں خلوص کی طاقت، جذبے کی شدت، فکر کی رفعت اور ذہانت کی جودت شامل نہ ہو کیا ایسا کارنامہ انجام دے سکتی ہے؟ اتنے طاقت ور اثرات کی تشکیل کر سکتی ہے؟ جھوٹی شاعری کی عمر، چنگاری کی چمک سے زیادہ نہیں ہوتی۔

سوؔدا کے قصیدے، قصیدہ پن کے معیار پر پورے اُترتے ہیں۔ مضامین کی جدّت، تشبیہوں کی طرفگی، بیان کا زور، آہنگ کا وقار، لہجے کی ہماہمی، عمدہ تمہیدیں، جن میں تفصیلات کے نگینے بکھرے ہوتے ہیں، گُریز کے اچھے اسالیب، مدح کا زور شور، یہ سب اجزا مل کر ایک پیکر اختیار کر لیتے ہیں اور بندش کی چستی کا تو وہ عالم ہے کہ بہ قولِ آزادؔ، جیسے ولایتی تمنچے کی چاہیں چڑھی ہوئی ہوں۔ ان کی باغ و بہار طبیعت مضامین کے نئے نئے گل کھلاتی ہے۔ اُن کی خلاق فکر، معنی آفرینی کے نئے نئے پہلو پیدا کرتی ہے، ان کی ذہانت، ان میں تہ داری کا حُسن سموتی ہے اور توانائی سے معمور لہجہ ان عناصر کو گویا بولتے ہوئے اشعار کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ یہ بات اُردو کے کسی دوسرے قصیدہ نگار کو اس جامعیّت کے ساتھ نصیب نہ ہو سکی۔

سوؔدا کے قصیدوں کی خوبی یہی نہیں کہ وہ اُردو میں فارسی قصیدوں کے اعلا معیار کی نمایندگی کرتے ہیں، ان کی اہمیت اس وجہ سے بہت زیادہ ہے کہ انھوں نے اُس دور میں جب کہ زبان کو نئے نئے مضامین، الفاظ اور تعبیرات کی رنگارنگی کی ضرورت تھی، زبان اُس دور سے گزر رہی تھی جس کو تشکیلی دور کی دوسری منزل کہنا چاہیے، اور جس میں ہر سطح پر کمی کا

احساس ہوتا ہے، اُس زمانے میں اپنے قصیدوں اور ہجویہ نظموں کے واسطے سے اس کمی کو دور کرنے کا بہت سا سرو سامان فراہم کردیا۔ شیخ چاند نے اپنی کتاب سوؔدا میں ایسے اضافوں کی خاصی تفصیل فراہم کردی ہے۔ آزاؔد نے آبِ حیات میں بھی کچھ ذکر کیا ہے، ان کو دیکھنا چاہیے۔ سوؔدا کے یہاں جو زور شور قصیدوں میں ہے، اس سے کہیں زیادہ کاٹ، ان کی سماجی شاعری میں ہے۔ سماجی شاعری سے میری مراد، اُس حصۂ کلام سے ہے جس میں دہلی کی سیاسی ابتری، نظامِ حکومت کی تباہی اور معاشی بدحالی کا بیان ہے۔ سوؔدا کی شخصیت میں طنز، مزاح، ظرافت اور تمسخر کی جو بے پناہ طاقتیں محفوظ تھیں ان سب کا بہ قدرِ ضرورت استعمال ان نظموں میں سلیقے اور توازن کے ساتھ ہوا ہے۔ یہاں ان کی دیدہ وری پوری وسعت کے ساتھ نمایاں ہے۔ اس کے علاوہ دل سوزی اور دردمندی کے جذبے کا بھی کمال نظر آتا ہے یہاں شاعر نے دل کی دھڑکنوں کو لفظوں میں بھر دیا ہے اور ویرانی و ابتری کے سانس لیتے ہوئے مجسّمے پیش کر دیے ہیں۔

نادر شاہ کے حملے اور قتلِ عام نے دہلی کو جس بُری طرح تباہ کیا تھا، اس نے یہاں کی معاشی اور تہذیبی زندگی کی بنیادیں تک ہلا دی تھیں۔ اس کے بعد ابدالی کے حملوں نے اس تباہی کو مکمل کر دیا۔ مغل حکومت، جو عالم گیر کے بعد ہی سے انتشار کا شکار ہونا شروع ہوگئی تھی، اب ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی اور وہ تہذیبی بساط بھی اجڑ گئی جس نے دہلی کو عالم کا انتخاب بنایا تھا۔ معاشی بدحالی نے اُمرا کے طبقے کے ساتھ ساتھ اہلِ حرفہ کو بھی تباہ حال کردیا لیکن سب سے بُرا حال سپاہیوں کے طبقے کا تھا، جن کا اب کوئی مصرف نہیں رہا تھا۔ کوئی آقا نہیں بچا تھا جو خبرگیری کرسکتا۔ آقا اور آقازادے خود ہی پریشاں احوال تھے۔ سوؔدا نے تباہی کے دُھویں کو پھیلتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا نظم ونسق کی ابتری، معاشی زبوں حالی، بے کاری اور تباہی کے بھیانک سایے دہلی کی فضا پر چھائے ہوئے دیکھے تھے۔ وہ گلی کوچے، جن کو میرؔ صاحب نے اوراقِ مصوّر کہا تھا (ماضی کے لحاظ سے)، اب تباہی و بربادی کے

آئینہ دار تھے۔

سودا نے جس طرح قصیدوں میں تخیل کے مرقع سجائے تھے، اُسی طرح ایسی نظموں میں حقیقت نگاری کی نقاشی کی۔ ویرانی و تباہی کو گویا زبان دے دی۔ دہلی کیا سے کیا ہوگئی تھی، بدنظمی کس حد تک بڑھ چکی تھی، معاشی بدحالی نے کیا حال کر دیا تھا، بڑے بڑے امرا کس قدر محتاج بن گئے تھے، عمّالِ حکومت کس قدر بے اثر ہو چکے تھے، بڑی بڑی عمارتوں پر بے کسی کیسی برستی تھی، اہلِ حرفہ کس طرح روزی روٹی کو ترستے تھے اور سپاہی، گداگر سے بدتر ہو چکا تھا کہ تلوار و سپر اُس کے پاس رہنے کے بجائے بنیے کے یہاں گروی رہتی تھی۔ ان سب حقائق کو اس طرح پیش کیا کہ تاریخ نگار کی نظر کام کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اُردو میں سماجی حقیقت نگاری اور بیانیہ شاعری کی بہترین قدیم مثالوں میں ان نظموں کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ ان نظموں سے اُردو شاعری میں سماجی حقیقت نگاری کا ایک نیا باب قائم ہوتا ہے اور اُردو شاعری کو، جو زلف اور رات کی کہانی میں زیادہ گرفتار تھی، دیدۂ بینا کی وسعتیں نصیب ہوتی ہیں۔ سودا سے پہلے بھی بعض نظمیں اس انداز کی کہی گئی تھیں، لیکن شاعری پر ان کا اثر کم سے کم پڑا تھا۔ سودا کے اس کلام نے، اُردو شاعری میں حقیقت بیانی کی مستقل روایت قائم کی۔ ابتدائی دور ہی میں، اُس کو حقیقت نگاری کی تلخ بیانی سے آشنا کیا اور اس طرح کہ وہ مستقل روایت کا درجہ حاصل کرے۔ یہ کام دوسرے شاعروں کی ایسی نظمیں انجام نہیں دے سکی تھیں۔ سودا نے اس انداز کی شاعری کا آغاز نہیں کیا ہے، لیکن انھوں نے اس انداز کو اُردو شاعری کی روایت کا طاقت ور حصہ ضرور بنایا ہے۔ اور اس کام کو دوسرے شاعر انجام نہیں دے سکے تھے۔

سودا نے ان نظموں میں سیاسی و معاشی ابتری کو اس وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ ایسی نظمیں تاریخی کہانیاں بن کر رہ گئی ہیں۔ ان کا طنزیہ اندازِ گفتگو اور ظریفانہ پیرایۂ گفتار ان نظموں میں زہریلا پن بھی پیدا کرتا ہے اور دل چسپی کے جوہر بھی بھر دیتا ہے۔ اس حصۂ کلام

میں شعریت، واقعہ نگاری، خطابت، طنز و مزاح، ظرافت اور دل سوزی کے جذبے نے زندگی بھر دی ہے۔ اُن کے مخمس شہر آشوب میں حسرت، بے کسی اور عبرت کا رنگ گہرا ہے۔ آج بھی اس کو پڑھتے وقت احساس مرتعش ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف 'بے نسقیِ شاہ جہاں آباد' کے عنوان سے جو مثنوی ہے، اور جس میں دہلی کے کوتوال کی مضحک تصویر پیش کی گئی ہے، اس کو پڑھ کر جہاں اُس زمانے کی بدنظمی کی تصویر سامنے آتی ہے، وہاں مذاحیہ اندازِ نگارش، اُس ابتری کے مضحکہ خیز پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح گھوڑے کی ہجو دراصل اس زمانے کی فوجی ابتری کی داستان ہے، جس میں تضحیک کا رنگ غالب ہے۔ لیکن اس تضحیک کے پردے میں عبرت ناک داستان چھپی ہوئی ہے۔ یہاں سودا کے تخیل نے عجیب عجیب مضحک پہلو تراشے ہیں اور خاکا اڑانے کے کامیاب تر نمونے نظر آتے ہیں۔ یہ نظمیں اس عہد کی عبرت ناک داستانیں بھی ہیں اور سودا کی ذہانت، قوتِ فکر، پروازِ تخیل، معنی آفرینی اور واقعہ نگاری کی صلاحیتوں کی بھی آئینہ دار ہیں۔

ہجویہ نظمیں، سودا کی خلاقانہ طبیعت اور شگفتگی سے معمور مزاج کی پوری طرح نمایندگی کرتی ہیں۔ فحش سے فحش ہجویں بھی ہیں اور ایسی ہجویں بھی ہیں جن پر طنز و مزاح کی لطافت کو رشک آنا چاہیے۔ مثال کے طور پر اُس قطعے کو دیکھیے جس کا پہلا مصرع ہے: ایک مشفق کے گھر گیا تھا میں۔ لطیف طنز اور لطیف مزاح کی بہترین مثالوں میں اسے رکھا جا سکتا ہے۔ ایک کاتب کا یہ کہنا: ہر ورق پر ہے میر کی اصلاح ؛ لوگ کہتے ہیں سہوِ کاتب ہے۔ ایک ہزار تازیانوں کے برابر ہے۔ یہی صورت فاخر مکین کی ہجووں کی ہے۔ مکین کی ہجووں میں طنز و تعریض، ادبیت کے ریشم میں ملفوف ہو کر جلوہ گر ہے۔ یہ واقعی تعجب کی بات ہے کہ اوروں کے برخلاف، مکین کی جتنی بھی ہجویں ملتی ہیں وہ سب فحاشی کیا، کھلی ڈلی ظرافت سے بھی محفوظ ہیں۔ البتہ طنز و مزاح کے تیز تر نشتروں سے بھی ہوئی ہیں۔

قصیدوں میں جو ذہانت معنی آفرینی کے نئے نئے پیکر تراشتی ہے، وہی ذہانت ہجووں میں ایسے ایسے مضحک پہلو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پیدا کرتی ہے کہ بے ساختہ ہنسی کے ساتھ واہ واہ اور سبحان اللہ

بھی کہنے کو جی چاہتا ہے۔ مومنؔ کے اس شعر کا مطلب سوداؔ کی ہجووں کو پڑھ کر سمجھ میں آیا،

شبِ ہجر میں کیا نزولِ بلا ہے زباں تھک گئی، مرحبا کہتے کہتے

وہ اپنی ہجووں کے نشتروں بلکہ خنجروں سے ایک سے ایک کاری زخم لگائے جاتے ہیں لیکن انداز ایسا ہے کہ آدمی واہ واہ کہنے پر مجبور ہے۔ ضاحکؔ کی پُرخوری اور ندرتؔ کشمیری کی کم سوادی کا جس جس طرح خاکا اُڑایا گیا ہے، یا ایک حکیم صاحب کی جس طرح خبر لی گئی ہے اور تمسخر کے جو قہقہہ آفریں رُخ ابھارے گئے ہیں، یہ سب قوّتِ متخیلہ کی کارفرمائی کے نہایت دل چسپ اور کامیاب مظاہرے ہیں۔

طنز و ظرافت کا بھی سوداؔ کی اوّلیات میں شمار کیا جانا چاہیے۔ آزادؔ کے الفاظ میں وہ قصیدے اور ہجو کی نسبت سے اُردو کے انوریؔ ہیں۔ ایسی بے اماں اور بے کراں ہجو یہ ظرافت اُردو زبان کی حد تک ان سے پہلے پردۂ عدم میں محوِ خواب تھی۔ اُردو زبان اور شاعری کو ہجو، ظرافت اور طنز کے بہت سے پیرایے اُنھی کے عطا کردہ ہیں۔ ان سے پہلے اُردو شاعری میں ان کا عمل دخل خال خال تھا۔ نسبتہً سادہ اور وسعت کے لحاظ سے محدود۔ سوداؔ نے ہجو کو ایک صنف کی باقاعدہ صورت بخشی۔

اُن کے ذخیرۂ ہجویات میں شخصی ہجووں کا سرمایہ زیادہ ہے۔ ہجو دراصل ہوتی ہی اشخاص کی ہے۔ ان میں سے بعض ہجووں میں مذہبی تعریض بہت نمایاں ہے۔ یہاں سوداؔ کے مزاج کی بے اعتدالی نے اپنا رنگ جمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی ہجووں میں دشنام کی تلخی تو ہوگی، ادبی لطافت نہیں ہوگی۔ مذہبی نسبت جب ذہن پر اپنا اثر ڈالتی ہے، اُس وقت باقی سب اثرات کمزور پڑ جاتے ہیں۔ شیعہ سُنّی قضیّہ دہلی میں بہت سے گُل کھلا چکا تھا۔ مغل حکومت کا آخری زمانہ، ایرانی و تورانی اُمرا کی کشاکش کا عہد تھا۔ شیعہ سُنّی مناقشے کے اثرات بہت سے ذہنوں پر حاوی تھے یا دلوں میں اُن کی یاد تازہ تھی۔ سوداؔ مذہباً شیعہ تھے اور مزاجاً جذباتیت سے سرشار، یہی وجہ ہے کہ جن ہجووں میں شیعہ سُنّی والی کوئی بات آگئی ہے، اُن میں

دشنام طرازی والی بات پیدا ہوگئی ہے۔ دشنام طرازی اُن کی بعض اور ہجووں میں بھی ہے، لیکن مذہبی نسبت سے سب وشتم اور گالی گلوچ ہر لحاظ سے تکلیف دہ اور ناقابلِ قبول ہوتی ہے۔ ایسی ہجو میں بے لطف نفریں طرازی کا مجموعہ ہیں، اور اسی لیے ناقابلِ التفات ہیں۔

کچھ ہجووں میں بعض حصّے ایسے ہیں جہاں متعلق فرد کے گھر والوں کو بھی گھسیٹ لیا گیا ہے اور نہایت درجہ فحاشی کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اجزا بھی ناقابلِ قبول ہیں۔ ان میں وہ اصل چیز مفقود ہے، یعنی شاعرانہ اندازِ بیان کی نُدرت، جس سے ہجو کو قبولِ عام کا آب ورنگ ملتا ہے۔ گالی سیدھے سبھاو دی جائے تو اس کو گھٹیا پن کہا جائے گا۔ اس میں وہ پہلو تراشی اصل چیز ہے جس سے شگفتگی اور ظرافت کی سات رنگی شعاعیں پھوٹتی ہیں۔ البتہ بعض حصّے ایسے بھی ہیں جہاں ذکر ہے متعلق فرد کے گھر کے کسی آدمی کا، مگر اندازِ بیان میں پھکڑپن کے بجائے، ادبیت کا لطف موجود ہے۔ ان اجزا کو خواہ ذاتی طور سے ہم پسند نہ کریں، لیکن قابلِ ذکر ہجووں کے دائرے سے ان کو خارج نہیں کیا جاسکتا۔

ان دو ناقابلِ قبول اجزا کو نکال دینے کے بعد، جو سرمایہ بچتا ہے، وہ اُردو میں ہجویہ شاعری کی اعلاترین مثالوں کا مجموعہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذہانت کی سرزمین نے اپنے خزانے اُگل دیے ہیں۔ قصیدوں کی طرح، ہجویہ شاعری میں بھی سودا معیار ساز کا درجہ رکھتے ہیں۔ اُن کا یہ سرمایہ فارسی کے ایسے ذخیروں سے کسی طرح کم رتبہ نہیں۔

غیر شخصی ہجووں میں راجا پربت سنگھ کے ہاتھی کی ہجو معرکے کی چیز ہے۔ لیکن اس کا اہم پہلو یہ ہے کہ اگرچہ بظاہر یہ غیر شخصی ہجو ہے، محض ہاتھی کی زبوں حالی کا بیان ہے، مگر غور سے دیکھا جائے تو اصل نشانہ ہاتھی کا مالک نظر آئے گا۔ یہ بیان کا نہایت عمدہ انداز ہے۔ اسی طرح بے نام ہجووں میں ایک بخیل کی ہجو بھی قابلِ ذکر ہے۔ یہ ممکن ہے کہ سودا کے ذہن میں کوئی خاص شخص ہو۔ ان دونوں ہجووں میں خیال آفرینی کی بہت عمدہ مثالیں موجود ہیں۔ وہ ذہانت یہاں معراج پر نظر آتی ہے، جس سے مضمون آفرینی کے نئے نئے گُل کھلا

کرتے ہیں۔

کچھ ہجویں سماجی اصلاح کے جذبے کی بھی عکاس نظر آتی ہیں۔ ان میں وہ ہجویں خاص طور سے شامل کی جا سکتی ہیں، جن میں بڑھاپے کی شادی کا مضحکہ اُڑایا گیا ہے۔ یا ایک حکیم صاحب کی ہجو، جو در اصل نیم حکیم ہیں، لیکن اپنے کو حاذق الملک سمجھتے ہیں۔ یا ایک قطعہ جس میں مذہبی لوگوں کی خوے نکتہ چینی، بدگوئی اور بہتان تراشی کی مذمت کی گئی ہے۔ جن ہجووں میں طنزیہ اندازِ بیان سے کام لیگیا ہے وہ ادبیت کے لحاظ سے بھی اعلا پایہ رکھتی ہیں۔ اس ذیل میں فاخر مکین کی ہجویں اور وہ قطعے، جن میں میرؔ صاحب کی طرف روے سخن ہے، خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ طنز اور مزاح کے عمدہ ترین عناصر ان میں آمیز نظر آتے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ آج ہماری شایستہ مزاجی، تند و تیز ہجوؤں کو پسند نہیں کرتی اور جہاں گالی کا عکس بھی پڑ جائے اُس کو تو بہر صورت ناقابلِ قبول قرار دیتی ہے۔ لیکن سوداؔ کے زمانے کے آداب ذرا مختلف تھے۔ پچھلے بزرگوں میں شرفا کا طبقہ، اعلا درجے کا مہذب سمجھا جاتا تھا۔ وہ گالی بھی دیتا تھا تو آواز بلندی پر سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ جن لوگوں نے دہلی کے بعض پرانے معروف شرفا اور شعرا کو دیکھا ہے، وہ گواہی دیں گے کہ یہ حضرات اس فن میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ ان لوگوں کو یہ انداز، بزرگوں کی وضع داری سے ورثے میں ملا تھا۔ اس کے فروغ میں کچھ اس بات کو بھی دخل تھا کہ دہلی میں ترکوں اور مغلوں کی کثرت تھی۔ اور ان کے مزاج کی ہنگامہ خیزی سے سب واقف ہیں۔ سوداؔ کے ایک شاگرد نے اپنے طویل رائیہ قصیدے میں، جو کلیاتِ سوداؔ کے مطبوعہ نسخے میں شامل ہے، یہ لکھا ہے کہ سوداؔ مغل تھے، اس لیے ان کی ہجو گوئی پر تعجب کیوں کیا جائے۔ غالبؔ بھی مغل تھے، قاطعِ بُرہان والے معرکے کی نثری تصانیف میں جگہ جگہ انھوں نے نثر میں ہجو لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور بعض جگہ تو سوداؔ کی بولی بولتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ محض پھکڑ اور کھلی دشنام طرازی بھی موجود ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظرافت اور ہجو نگاری کی صلاحیت بھی، میراثِ جم کی طرح اُن تک پہنچی تھی۔

سوداؔ بھی دہلی کے اسی اشرافیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے یہاں اگر یہ ذخیرہ ہے اور اس میں اعتدال سے زیادہ یا اعتدال سے باہر تیزی و تُندی بھی ہے، تو اس میں شکایت کی بات ہو تو ہو، تعجب کی بات نہیں۔ یہ بھی اس عہد اور اس طبقے کی میراث ہے۔ سوداؔ کے زمانے تک ساری تباہی کے باوجود عسکریت کے اثرات کچھ نہ کچھ ضرور موجود تھے۔ اور تہذیبی سطح پر انفعالیت کے مجہول اثرات بھی کارفرما نہیں تھے، اس لیے اُن کے یہاں اور ان کے معاصرین کے یہاں پُرشور ہجووں کے سرمایے پر، نہ پریشانی ہونا چاہیے نہ حیرت۔ یہی نہیں، اُس زمانے میں ایسی بے باک ہجووں کی بلند خوانی کچھ ایسی معیوب بات نہیں تھی۔ ایسی کئی روایتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ہجویں، سرِ محفل پڑھی گئیں یا فرمایش کر کے پڑھوائی گئیں۔

ایک بات یہ بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ پُرانے زمانے میں جس طرح ایسی ہجووں کا پڑھنا درسُننا کوئی ایسی معیوب بات نہ تھی، اسی طرح ان کو بلفظہٖ چھاپنا بھی بُرا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جعفر زٹلی کے مجموعۂ کلام، کلیاتِ سوداؔ کے مصطفائی اڈیشن اور کلامِ نظیرؔ کے پُرانے نسخوں میں سب عبارتیں اصل الفاظ کے ساتھ چھپی ہوئی مل جائیں گی۔ ایسی ہی اور کتابوں کے نام بھی پیش کیے جاسکتے ہیں۔ کلامِ سوداؔ کا جو نسخہ رچرڈ جانسن کے لیے تیار کرایا گیا تھا اور اس کو پیش کیا گیا تھا، اس میں بھی ایسے سارے مقامات پر اصل الفاظ کو برقرار رکھا گیا ہے۔ بیش تر مخطوطوں کی یہی صورت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آج اس کی تقلید نہیں کی جاسکتی، لیکن کہنا یہ ہے کہ کل جو کچھ ہوا اُس کو آسانی کے ساتھ بُرا بھی نہیں کہا جاسکتا۔ ہر زمانے کے اپنے آداب ہوتے ہیں۔ ماضی کی ہر چیز کو حال کے معیار پر کس کر دیکھنا اور پھر پسند و ناپسند کا فیصلہ کرنا نامناسب بات ضرور ہے۔ اس کو ماضی ہی کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ایسی نظموں کو پڑھ کر آج ہمارے شفاف اور نازک ذہنوں کو جس طرح ٹھیس لگتی ہے، کل یہ بات اس طرح نہیں تھی۔ اُن لوگوں کے صحت مند جسم، صحت مند ذہن اور ترکمانی مزاج، محض لفظوں سے کسی ارتعاش میں مبتلا نہیں ہوا کرتے تھے۔

میں نے کہیں پڑھا تھا کہ علامہ اقبال سے ایک بار بعض طلبہ نے عربی کے ایک دیوان کے متعلق کچھ اس طرح کی شکایت کی کہ اس میں فحش باتیں بھی ہیں، اس کو نصاب سے خارج ہو جانا چاہیے۔ اقبال نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں؟ معلوم ہوا کہ نہیں۔ اقبال نے کہا: جناب! آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ شرفائے عرب گالی کس طرح دیا کرتے تھے!!

زبان کی اصلاح اور ترقی میں سودا نے اہم حصہ لیا ہے۔ اُن کا زمانہ، زبان کے ارتقا کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اس کی وضاحت کی ضرورت ہے۔ بات یہ ہے کہ اُردو میں شاعری کا آغاز تو بہت پہلے سے ہو چکا تھا۔ شاعری میں ایہام گوئی کی تحریک نشوونما پا چکی تھی۔ اب اس کے اثرات ختم ہونے کا زمانہ تھا۔ سودا جس دور کے شاعر ہیں، اس سے پہلے فائز، آبرو، ناجی، مضمون وغیرہ کا دور، دورہ تھا۔ آخرالذکر تین شاعروں نے ایہام گوئی کو فروغ بخشا۔ شاہ حاتم درمیانی عہد کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کے آغاز کا سرا انھی بزرگوں سے رلا ہوا ہے۔ اور اختتام عہدِ سودا سے متعلق ہے۔ یہی صورت میرزا مظہر کی ہے۔ فائز، آبرو اور ناجی کے کلام کو پڑھ کر، سودا اور ان کے ہم عصروں کا کلام پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ نہایت مختصر مدت میں شاعرانہ زبان میں اصلاحِ زبان اور صفائیِ بیان کا عمل دخل بڑھ گیا۔ ان لوگوں میں زمانے کا اُتنا فرق نہیں ہے جتنا فرق اُن کے کلام میں نظر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ زبان میں توسیع کا عمل فروغ پاتا ہے۔ نئے نئے لفظ تراشے جاتے ہیں۔ معنی خیز ترکیبیں وضع کرنے اور استعمال کرنے کا رجحان بڑھتا ہے۔ ایہام کا خاتمہ ہوتا ہے۔ بیان کی صفائی کی طرف توجہ زیادہ کی جاتی ہے۔ فارسی شاعری کے انداز کو زیادہ خوب صورتی اور تہ داری کے ساتھ اُردو میں شامل کیا جاتا ہے مضامین کا لین دین بھی بڑھتا ہے۔ ہندی اور دکنی اثرات کم ہوتے ہیں، متروکات کا تصور پیدا ہوتا ہے کہ فلاں لفظ پرانا ہو گیا۔ یا غیر فصیح ہے۔ قواعدِ زبان کی پابندی کی طرف ذہن منتقل ہونے لگتا ہے۔ یہ سب باتیں ابتدائی سطح پر عمل میں آتی ہیں، لیکن ان سے اچانک زبان و بیان

کو ایسی وسعتیں نصیب ہو جاتی ہیں جو اس سے پہلے والے دور کو حاصل نہیں تھیں۔ مضامین اور طرزِ ادا میں بھی نئے نئے انداز شامل ہوتے ہیں۔ لفظوں کا خزانہ بڑھتا ہے اور شاعری زبان و بیان کے لحاظ سے اس شائستگی اور شستگی سے آراستہ ہونے لگتی ہے جو فارسی شاعری کا سرمایۂ فخر تھا، اور جس کے نہ ہونے سے شروع شروع میں اُردو زبان اور اُردو شاعری کم رتبہ معلوم ہوتی تھی۔ اس میں دادِ شعر دینا کچھ فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ زبان و بیان کی اس توسیع اور اصلاح کے عمل میں سوداؔ کی خدمات کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اُن کا شمار اُن لوگوں میں ہے جنھوں نے اُس تشکیلی دور میں زبان کے خزانے کو بڑھایا اور اپنی شاعری کی بے کرانی سے، بیان کے سرمایے کو مالا مال کیا۔ جیسا کہ لکھا جا چکا ہے شیخ چاند کی کتاب سوداؔ میں اور آبِ حیات میں ان اضافوں کی تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔ تشکیلی دور میں اصلاحات اور اضافوں کی بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔

سوداؔ کا نام محمد رفیع تھا۔ مرزا اُن کے نام کا جُزبن کر رہ گیا ہے۔ ولادت کا سنہ کسی تذکرے میں درج نہیں۔ قطعی طور سے متعین بھی نہیں ہو سکا ہے۔ مختلف حضرات نے ۱۱۰۸ھ سے ۱۱۲۸ھ (۱۷۱۵ — ۱۷۰۶ء) تک کئی سنوں کا تعین کیا ہے۔ لیکن یہ محض قیاسی تعین ہے۔ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ بارھویں صدی کے دوسرے یا تیسرے عشرے میں ان کی ولادت ہوئی۔ جن لوگوں نے اس سے پہلے کے سنین لکھے ہیں، وہ بہر صورت قابلِ قبول نہیں معلوم ہوتے۔ وفات کا سنہ البتہ متعین ہے۔ مرزا کا انتقال ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ء) میں ہوا ہے۔ یوں دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ سوداؔ کی شاعری کا ابتدائی زمانہ ہی وہ زمانہ ہے جب زبان میں تراش خراش کا عمل گویا شروع ہوا تھا۔ فارسی محاوروں کے ترجمے کثرت سے کیے جانے لگے تھے۔ نئے نئے لفظ بن رہے تھے۔ بے شمار اصطلاحی لفظ شاعری کا اور اس کے واسطے سے ادبی زبان کا جُزبن رہے تھے۔ تشبیہات و استعارات کے ذریعے سے مفرد لفظوں میں معنوی وسعتیں بڑھ رہی تھیں اور بلیغ ترکیبوں کے ذریعے سے، مرکب الفاظ کا وسیع الذیل دائرہ

بڑھ رہا تھا اور اُردو شاعری صحیح معنی میں مختلف اسالیبِ بیان سے روشناس ہو رہی تھی۔ اس شکست و ریخت، تشکیل و تعمیر اور اضافہ و اصلاح میں سودا کی خدمات بہت نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔

سودا نے اپنی عمر کے آخری بیس اکیس سال دہلی سے باہر گزارے۔ پہلے فرخ آباد اور پھر اودھ کے درباروں سے توسّل پیدا کیا۔ اودھ گئے تو ایسے کہ پھر نہ کر اُٹھے۔ دہلی کی ویرانی نے اچھے اچھوں کو غربت زدہ بنا دیا تھا۔ سودا کچھ میر درد تو تھے نہیں جن کو درویشی کی بخشی ہوئی عقیدت کے سرمایے سے باز یافت ہوتی رہتی۔ اور معاشی بدحالی سے دوسروں کی طرح دوچار نہ ہونا پڑتا۔ پھر تھے بھی پورے دنیادار۔ دہلی میں رہ کر کیا کھاتے اور کیا کرتے۔ دونوں جگہ ان کی قدر ہوئی۔ لیکن کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانے میں معاشی پریشاں حالی سے اکثر دوچار ہو جایا کرتے تھے۔ کئی قصیدوں میں اس کا عکس دکھائی دے جاتا ہے۔

سودا کے زمانے تک اودھ میں نئی تہذیب اور شاعری کی نئی روایت کا نقش درست نہیں ہو سکا تھا۔ اُس وقت تک حکومت سے لے کر زبان اور تہذیب تک، ہر چیز پر دہلی کی چھاپ تھی۔ نئی ادبی روایت کی تشکیل، اُن کے بعد ہوئی۔ لیکن ان کی شاعری میں خارجیت کا جو طاقت ور عنصر تھا، لہجے میں جو بلندی تھی اور غزلوں میں مشکل پسندی کے جو عناصر تھے، یہ سب اجزا دبستانِ لکھنؤ کی نئی ادبی روایتوں کے کام آئے۔ ناسخ نے جس شعری اسلوب کی تشکیل کی تھی اور جو دبستانِ لکھنؤ کا گویا سرکاری اسلوب قرار پایا، وہ مرکب تو کئی اجزا سے تھا، جو اُسی سرزمین کی پیداوار تھے، لیکن اس کے کچھ نقش و نگار ایسے بھی تھے جن کی تہ میں سودا کے اس انداز کی جھلک محفوظ تھی۔

انڈیا آفس لندن کے ذخیرۂ مخطوطات میں کلامِ سودا کا وہ نادر مخطوط محفوظ ہے، جس کی کتابت، سودا کی زندگی کے بالکل آخری زمانے میں ہوئی تھی۔ یہ بیش قیمت خطی نسخہ، سودا

کے ایک ممدوح رچرڈ جانسن کو نذر کیا گیا تھا، جو اودھ میں نائب رزیڈنٹ اور قائم مقام رزیڈنٹ رہ چکا ہے۔

یہ نسخہ کئی اعتبارات سے اہم ہے۔ ان میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ الحاقی کلام سے پاک ہے۔ جب کہ مطبوعہ نسخوں میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ دوسروں کا کلام بھی سودا کے نام سے ان میں شامل کر دیا گیا ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اغلاطِ کتابت کم ہیں۔ اس خوبی کی وجہ سے اس نسخے کی اہمیت یہ بھی ہے کہ اس کی مدد سے کلامِ سودا کے متن کی تصحیح بہ خوبی ممکن ہے۔ پیشِ نظر انتخاب کی بنیاد اسی نسخے کو بنایا گیا ہے۔

اس خطی نسخے کے شروع میں ایک تصویر ہے جس کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خود سودا کی تصویر ہے۔ اس پر صاحبِ تصویر کا نام یا اور کوئی ایسی عبارت موجود نہیں جس سے تعین کیا جا سکے۔ شیخ چاند نے اس امکان کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ یہ جانسن کی تصویر بھی ہو سکتی ہے۔ اُس زمانے کے بعض انگریز حکام، یہاں کے لباس اور انداز و اطوار کو بھی برت لیا کرتے تھے۔ اس تصویر کا عکس شیخ چاند کی کتاب سودا میں شامل ہے۔ بہ ہر حال، قیاس کے سوا کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔

نسخے کا آغاز ایک قصیدے سے ہوتا ہے جو رچرڈ جانسن کی مدح میں ہے۔ یہ قصیدہ کسی مطبوعہ نسخۂ کلیات میں شامل نہیں۔ لیکن ویسے شائع ہو چکا ہے۔ اس سے پہلے ایک صفحے کے حاشیے پر انگریزی میں ایک تحریر ہے، جس کا ترجمہ: "رچرڈ جانسن۔ تحفۂ مصنّف مرزا سودا" ہوگا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تحریر کس کے قلم کی ہے۔ مدحیہ قصیدے کے بعد ایک سادہ ورق پر یہ دو عبارتیں لکھی ہوئی ہیں:

۱: دیوان مرزا رفیع سودا گزرانیدۂ میر حسین صاحب در بلدۂ لکھنؤ داخل کتاب خانۂ سرکار شد۔

۲: دیوان سرکار نواب صاحب ممتاز الدولہ مفتخر الملک حسام جنگ مسٹر رچارڈ جانسن صاحب

بہادر رام اقبال۔

بہ ظاہر انگریزی عبارت اور اس پہلی عبارت میں تضاد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر حسین نے اس نسخے کو پیش کیا تھا۔ میر حسین اس زمانے کی معروف شخصیت ہیں۔ اودھ کے معاملات میں کئی جگہ ان کا نام آتا ہے۔ جانسن اور میر محمد حسین میں باہم اچھے روابط تھے۔ آغاز کتاب میں قصیدۂ مدحِ جانسن کا شمول اس بات کی تو قطعی دلیل ہے کہ یہ نسخہ جانسن کو نذر کرنے کے لیے خاص طور سے تیار کرایا گیا تھا۔ اور اس کی بھی شہادت اسی سے ملتی ہے کہ مصنف کا ایما شامل تھا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ یہ تحفۂ مصنف، میر حسین کے توسط سے پیش ہوا ہو۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ سودا، دربارِ اودھ سے وابستہ تھے۔ اور ان کے لیے شاید یہ مناسب نہ ہوتا کہ وہ خود نذر کرتے ــــ اس بات کی بھی شہادت موجود ہے کہ جانسن کو اردو شاعری سے دل چسپی تھی۔ مرزا علی لطف، صاحبِ تذکرۂ گلشنِ ہند نے، نواب محبت خاں محبت کے ترجمے میں لکھا ہے،

"قصہ سسی پنوں کا، فرمانے سے ممتاز الدولہ مسٹر جانسین بہادر کے انھوں نے نظم کیا ہے اور نام اس مثنوی کا اسرارِ محبت رکھا ہے۔" (ص ۲۲۰)

میر قمر الدین منت کے ترجمے میں، جانسن کے ساتھ میر محمد حسین کا بھی ذکر آگیا ہے اور اس طرح کہ میر موصوف کی اہمیت اور رسائی کا بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے:

"گیارہ سو اکانوے، ہجری میں، ویرانی شاہ جہاں آباد کے باعث، لکھنؤ میں ان کا آنا ہوا۔ اور میر محمد حسین فرنگی لقب کی یار فروشی کے سبب، مشتاق ان کا وہاں ایک زمانہ ہوا۔ بعد چندے مربی گری سے میر مذکور کی، ممتاز الدولہ مسٹر جانسین بہادر کی سرکار میں توسل انھوں نے حاصل کیا اور رفاقت میں صاحبِ مذکور کی، کلکتے آکر، عماد الدولہ گورنر مسٹر ہسٹین جلادت جنگ بہادر کی اعانت کے باعث، پیش گاہِ نظامت سے صوبۂ بنگ کی، خطاب ملک الشعرا کا پایا۔" (ص ۲۳۸)

میر محمد حسین کی اسی اہمیت اور جانسن کی ادب دوستی کے باعث، یہ بہ خوبی ممکن ہے کہ سودا

نے میرِ موصوف کے توسط سے دیوان پیش کرنے کی طرح ڈالی ہو۔ قصیدۂ مدحِ جانسن کے اس شعر سے، سودا کے خیالات کا ایک دھندلا سا عکس ضرور سامنے آجاتا ہے:

تیری وہ ذات، گو تو نہیں ہے شہرِ فرنگ　　　کرسی میں تیری پایۂ اورنگ کا ہے ڈھنگ

اِسی طرح اِس کا بھی امکان ہے کہ سودا کی شہرت کے پیشِ نظر، میرِ موصوف نے از خود یہ تحریک کی ہو کہ سودا، جانسن کی مدح میں قصیدہ کہیں اور اپنا کلام بھی پیش کریں اور اس طرح، میر محمد حسین نے، جانسن کو ممنون کرنا چاہا ہو۔ دربارِ حکومت کے خاص شاعر اور اپنے زمانے کے معروف ترین قصیدہ نگار کا ممدوح بننا، ایسی بات ضرور تھی جس میں دل کشی کی لذت پوشیدہ تھی۔ اور اُس زمانے کے اکثر اعلا حکام، اس لذت سے آشنا بھی تھے اور اس کے قدر دان بھی۔

بہ ہر صورت، وجہ کچھ بھی ہو، اُردو ادب پر جانسن کا یہ احسان ہے کہ اس کی بدولت کلامِ سودا کا اہم ترین نسخہ وجود میں آیا اور محفوظ رہا۔ ایسا نسخہ، جس کو پیشِ نظر رکھے بغیر، تصحیح و تدوین کا کام انجام دیا ہی نہیں جا سکتا۔ اب تک کے دریافت شدہ نسخوں میں صحتِ متن کی بنا پر یہ واحد مخطوطہ ہے جس کو تدوین کی بنیاد بنایا جانا چاہیے۔ اس نسخے کے آخر میں کوئی ترقیمہ موجود نہیں۔ لیکن زمانۂ کتابت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ اس میں ایسے متعدد قطعاتِ تاریخ موجود ہیں، جن سے سالِ واقعہ ۱۱۹۲ھ برآمد ہوتا ہے۔ دو قطعات کے آخری شعر یہ ہیں:

بہر دوستی ہمیگویم　　　آب این را بنوش آب بقاست

سرعدوی بہارش بریدم و گفتم　　　بگلشنِ تو الٰہی گزندِ دی نرسد

پہلا شعر جس قطعے کا ہے وہ ایک کنویں کی تاریخ کے طور پر کہا گیا ہے۔ اس میں تعمیہ ہے۔ دوسرا قطعہ مہاراجہ تکیت رائے کے باغ کا ہے، اس میں تخرجہ ہے۔ دونوں مادّوں سے ۱۱۹۲ برآمد ہوتا ہے۔ سودا کا انتقال ۱۱۹۵ھ میں ہوا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ظاہر ہے کہ اس نسخے کی کتابت کی تکمیل ۱۱۹۲ھ اور ۱۱۹۵ھ کے درمیانی زمانے میں ہوئی ہے۔

پورا مجموعہ پاکیزہ نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ خط پختہ اور روشن ہے۔ املا کی کچھ غلطیاں ضرور ہیں جیسے اکثیر (اکسیر) سدا (صدا) من وصلویٰ وغیرہ۔ بعض قصائد کی ترتیب ٹھیک نہیں اور بعض قصیدوں پر عنوانات بھی غلط ہیں۔ کتابت میں اہتمام سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن ایک بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ کتابت کے بعد، یہ مصنف کی نظر سے نہیں گزرا۔ ورنہ ان اغلاط کی تصحیح ضرور ہو جاتی۔ کسی بھی جگہ تصحیح نہ ہونے سے یہ قیاس کرنا بے جا نہ ہوگا کہ مصنف نے تکمیل کے بعد اس کو نہیں دیکھا۔

اس نسخے کو کلّیات کے نام سے تو یاد نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ کچھ کلام ایسا بھی ہے، جو اس میں شامل نہیں ہو سکا، لیکن یہ ضرور ہے کہ جو کلام اس نسخے میں ہے، وہ بالیقین سوؔدا کا ہے۔

اب تک کی معلومات کے مطابق کلّیاتِ سوؔدا کا قدیم ترین مطبوعہ نسخہ، مطبعِ مصطفائی دہلی کا چھپا ہوا ہے۔ اس کی تصحیح مومؔن کے شاگرد عبدالرحمٰن آہؔی نے کی تھی۔ سالِ تکمیلِ طباعت ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۶ء) ہے۔ اس اشاعت سے متعلق قاضی عبدالودود صاحب کا ایک مقالہ رسالۂ سویرا (لاہور) کے شمارہ ۲۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس گراں قدر مقالے میں قاضی صاحب نے اس کلّیات میں موجود الحاقی کلام کی بھی نشان دہی کی ہے۔ یہ اشاعت کم یاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ دہلی یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے اور وہی پیشِ نظر ہے۔ یہ نسخہ ناقص الآخر ہے۔ غالباً دو چار ورق کم ہوں گے۔ اختتامِ طباعت کی تاریخ، قاضی صاحب کے متذکرہ مقالے سے ماخوذ ہے۔

عبدالباری آسؔی مرحوم کی تصحیح و ترتیب کے ساتھ، کلّیاتِ سوؔدا دو جلدوں میں نولکشور پریس سے شائع ہوا تھا۔ اس پریس سے یہ اس سے پہلے بھی شائع ہو چکا تھا۔ آسؔی صاحب نے ترتیبِ کلام بدل دی ہے اور بعض دوسرے اختلافات بھی ہیں۔ یہ اشاعت بھی پیشِ نظر ہے نسخۂ مصطفائی میں الحاقی کلام کے علاوہ، اغلاط بہ کثرت ہیں۔ نسخۂ آسؔی میں غلطیاں تو اُس قدر نہیں لیکن الحاقی کلام بدستور موجود ہے۔

اس انتخاب کی بنیاد نسخۂ جانسن کو قرار دیا گیا ہے۔ صریحی اغلاطِ کتابت کے علاوہ، متن میں نسخۂ جانسن کی سختی کے ساتھ پابندی کی گئی ہے۔ قصائد کی ترتیب اور عنوانات کی واضح غلطیوں کو نسخۂ مصطفائی کی مدد سے درست کیا گیا ہے اور اغلاطِ کتابت کے سلسلے میں نسخۂ مصطفائی اور نسخۂ آسی دونوں سے مدد لی گئی ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن صاحب کا ممنون ہوں کہ موصوف نے نسخۂ جانسن کا عکس عنایت فرمایا۔ اس کے بغیر اس کتاب کی ترتیب و تصحیح ممکن نہیں تھی۔ اس انتخاب میں اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ سودا کا وہ کلام یک جا کر دیا جائے جو اُن کی شاعرانہ عظمت کی نمایندگی کرتا ہے اور جس کے انتساب میں بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا اور اس کے ساتھ ساتھ صحتِ متن کا اہتمام بھی کیا جائے۔ نسخۂ جانسن کی دست یابی نے ان مشکلوں کو آسان کر دیا۔

اس انتخاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ قصائد کا ہے اور یہ سودا کے کمال کی اصل کارگاہ ہے۔ قصائد کو مکمل صورت میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ بات دل چسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ کلام سودا میں صرف قصائد کا حصہ ایسا ہے جو الحاقی کلام سے محفوظ رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں غزلیں اور مثنویاں خاص طور سے الحاق کا شکار ہوئی ہیں۔ بعض اجزا ایسے بھی ہیں جن کے متعلق قطعیت کے ساتھ کوئی بات اُس وقت تک نہیں کہی جا سکتی جب تک کہ سارے اہم خطی نُسخوں کا جائزہ لے کر، کلیات کی تدوین نہ کی جائے۔ ایسے اجزا میں مرثیے بھی شامل ہیں۔ مطبوعہ کلیات کے نُسخوں میں (مصطفائی و نولکشوری) دیوانِ مراثی شامل ہے، لیکن نسخۂ جانسن میں ایک بھی مرثیہ موجود نہیں۔ جب کہ سودا کا مرثیہ گو ہونا مسلّم ہے۔ قاضی صاحب نے اپنے مقالے میں اس پر بھی کچھ گفتگو کی ہے۔

قصائد کی صورت یہ ہے کہ نسخۂ مصطفائی میں کل ۴۵ قصیدے ہیں۔ ان میں آخری قصیدہ "در تعریفِ مسجدِ نو" فارسی میں ہے۔ اُردو کلام میں اس کو شامل کرنا محض بے جا ہے۔ نسخۂ جانسن میں اس کو فارسی کلام ہی میں شامل کیا گیا ہے۔ نسخۂ آسی میں بھی اسے اُردو قصائد سے الگ

درج کیا گیا ہے۔ اِس طرح مصطفائی میں اُردو کے کُل ۴۴ قصیدے ہیں۔ ان ۴۴ قصیدوں میں سے صرف ایک ہجویہ قصیدہ: (ساجدا کیوں نہ وہ پرواز کرے تا بہ فلک) نسخۂ آسی میں موجود نہیں. باقی سب قصیدے اس میں موجود ہیں ـــــ نسخۂ جانسن میں کل ۳۹ قصیدے ہیں۔ نسخۂ مصطفائی کے درجِ ذیل چھے قصیدے، نسخۂ جانسن سے غیر حاضر ہیں:

۱: میں نے درِ سخن کو دیا سنگ رنگ ڈھنگ

۲: صباح عید ہے، دل ہے خوشی سے مالا مال

۳: صباح عید ہے اور یہ سخن ہے شہرۂ عام

۴: عزیز عقل کو سودا کی یہ تھی جدائی شاق

۵: جب کہے موردِ تحسین میں اکثر اشعار

۶: کروں چمن میں اگر جا کے میں غزل خوانی

نسخۂ جانسن کا ایک قصیدہ، جو رچرڈ جانسن کی مدح میں ہے، وہ نسخۂ مصطفائی اور نسخۂ آسی میں موجود نہیں۔ اِس طرح فارسی کے ایک قصیدے کو نکال دینے کے بعد کل قصیدوں کی تعداد ۴۵ ہوتی ہے۔ ان ۴۵ قصیدوں میں سے، اس انتخاب میں ۳۸ قصیدے شامل کیے گئے ہیں۔ یہ سات قصیدے جو شاملِ انتخاب نہیں کیے گئے ہیں، ان میں درجِ ذیل تین قصیدے تو وہ ہیں جو دراصل ہجویں ہیں۔ ہجویہ قصائد کہیے۔ لیکن ان میں مذہبی تعریض کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ ان کو ہجو کے بجائے سب و شتم کا مجموعہ کہنا چاہیے۔

۱: کروں چمن میں اگر جا کے میں غزل خوانی

۲: سُنا ہے میں یہ کسی نے بہ مدعائے فساد

۳: ساجدا کیوں نہ وہ پرواز کرے تا بہ فلک

پہلے قصیدے کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں حضرت شاہ ولی اللہ کی ہجو کی گئی ہے۔ باقی دونوں قصیدے مولوی ساجد کی ہجویں ہیں۔ لعن طعن کے سوا ان میں اور کچھ بھی نہیں۔ اس

بنا پر ان کو شاملِ انتخاب نہیں کیا گیا۔

درجِ ذیل تین نظمیں، جو درج تو ہیں قصائد کے ذیل میں لیکن اختصار کی بنا پر ان کو قطعات کہنا چاہیے۔ ان کو بھی اسی وجہ سے شاملِ انتخاب نہیں کیا گیا کہ حقیقتہً یہ قصیدے نہیں ہیں:

۱: احکام پر ترے نہ کرے کیونکے کام تیر

۲: کیا تجھ کو سجی مسندِ دیوانِ وزارت

۳: صباحِ عید ہے دل ہے خوشی سے مالامال

اول الذکر میں ۱۶ شعر ہیں۔ دوسرے میں ۱۰ اور تیسرے میں گیارہ شعر ہیں۔ مطلع موجود ہونے کے باوجود ان کو قطعے ہی کہا جائے گا۔ اس طرح کے متعدد مدحیہ قطعے، جانسن اور مصطفائی میں بذیلِ قطعات شامل ہیں اور ان میں مطلع بھی موجود ہیں۔ اشعار کی تعداد بھی یا اسی قدر یا اس سے کم و بیش ہے۔ ان چھے کے علاوہ، ایک اور قصیدہ جو شاملِ انتخاب نہیں کیا گیا ہے، اس کا مطلع یہ ہے:

عزیز عقل کو سودا کی تھی جُدائی شاق سو اُس کنے وہ پھر آیا ہے بس کہ تھا مشتاق

یہ قصیدہ نسخۂ جانسن میں موجود نہیں۔ مصطفائی اور آسی میں موجود ہے۔ لیکن ان دونوں میں اس کا متن اس قدر غلط ہے کہ موجودہ صورت میں اس کی تصحیح ممکن نہیں۔ ممکن ہے کہ بعض دوسرے خطی نسخوں کی مدد سے تصحیح کی صورت نکل سکے۔ نسخۂ جانسن کی اہمیت کا اندازہ اسی ایک مثال سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس انتخاب کی اشاعتِ ثانی کی نوبت اگر آئی اور اس وقت تک ایسے خطی نسخوں سے استفادے کی صورت پیدا ہو سکی، جن کی مدد سے اس کی تصحیح کی جا سکے، اس صورت میں اس کو شامل کر لیا جائے گا۔ اس کی کوشش ضرور کی جائے گی۔

ان سات قصیدوں یا قطعوں اور قصیدوں کو نکال دینے کے بعد کل ۲۸ قصیدے بچتے ہیں اور یہ سب اس انتخاب میں مکمل صورت میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ البتہ یہ دو قصیدے:

۱: اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جواں ہے

۲: ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار

اس انتخاب میں تو شامل ہیں لیکن ان کو حصۂ قصائد کے بجائے سماجی شاعری کے حصے میں رکھا گیا ہے۔

بعض قصیدوں کی یہ صورت ہے کہ نسخۂ مصطفائی میں (اور نسخۂ آسی میں بھی) ان میں بعض اشعار ایسے بھی ملتے ہیں جو نسخۂ جانسن میں موجود نہیں۔ جیسا کہ کہا جاچکا ہے، اب تک کی دریافت کے مطابق، الحاقی کلام کا تعلق قصائد سے بالکل نہیں پایا جاتا۔ ایک تو اس وجہ سے، اور دوسرے اس وجہ سے کہ یہ زائد اشعار بہ ظاہر بے ربط بھی نہیں معلوم ہوتے، ایسے اشعار کو متن میں شامل کرلیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض شعر نسخۂ جانسن میں موجود ہیں لیکن نسخۂ مصطفائی ان سے خالی ہے۔ یہ بھی شامل کرلیے گئے ہیں۔

جو قصیدے نسخۂ جانسن اور مصطفائی میں مشترک ہیں، اُن کا متن، نسخۂ جانسن کے مطابق ہے۔ اس میں وہ قصیدہ بھی شامل ہے جو صرف نسخۂ جانسن میں ہے۔ جو قصیدے نسخۂ جانسن میں موجود نہیں اُن کے متن کے لیے نسخۂ مصطفائی کو بنیاد بنایا گیا ہے اور مصطفائی کی اغلاط کی تصحیح کے لیے نسخۂ آسی سے مدد لی گئی ہے۔ یہ پہلے ہی کہا جاچکا ہے کہ نسخۂ مصطفائی کا متن بہت غلط ہے۔ ایسے قصیدے صرف تین ہیں: (۱) میں نے دُرِ سخن کو دیا سنگ رنگ ڈھنگ (۲) صباحِ عید ہے اور یہ سخن ہے شہرۂ عام (۳) جب کہے موردِ تحسین ہیں اکثر اشعار

دوسرا حصہ سماجی شاعری کا ہے۔ اس میں ایک تو قصیدۂ شہر آشوب ہے۔ ایک قصیدہ ہے: در ہجوِ اسپ مسمیٰ بہ تضحیکِ روزگار۔ ایک مثنوی ہے: در بی نسقی شاہ جہان آباد اور ایک مخمس شہر آشوب ہے۔ دونوں قصیدے اور ایک مثنوی ان کو تو مکمل صورت میں شامل کیا گیا ہے۔ البتہ مخمس شہر آشوب سے ایک بند نکال دیا گیا ہے۔ تینتیسویں[۳۳] بند کے بعد، اسی بند سے متعلق ایک اور بند ہے، جس میں مذہبی تعریض کا پہلو نکلتا ہے، اس بنا پر اسے شامل نہیں کیا گیا یہ بند مصطفائی میں موجود ہے لیکن نسخۂ جانسن میں موجود نہیں۔ مثنوی میں بہ ظاہر دہلی کے

کوتوال کی ہجو ہے۔ لیکن درحقیقت دہلی کی بدنظمی اور عمال حکومت کی بے اثری کی نہایت درجہ مضحکہ خیز تصویر پیش کی گئی ہے۔ مصطفائی میں اس کا عنوان ہے "در ہجو شیدی فولاد خاں کوتوالِ شاہ جہان آباد"۔ لیکن نسخۂ جانسن میں اس کا عنوان ہے: "در بی نسقی شاہ جہان آباد" اسی عنوان کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور موضوعِ مثنوی کے لحاظ سے یہی مناسب عنوان بھی ہے۔ دونوں نسخوں میں نام کا بھی فرق ہے۔ مصطفائی میں کوتوال کا نام شیدی فولاد ہے۔ متعلقہ شعر یہ ہے: کس طرح شہر کا نہ ہو یہ حال ؛ شیدی فولاد اب جو ہے کتوال۔ نسخۂ جانسن میں یہ شعر اس طرح ملتا ہے: کس طرح شہر کا نہ ہو یہ حال ؛ سیدی کافور ہووے جب کتوال۔

تیسرے حصے کا عنوان "مضحکات" رکھا گیا ہے۔ یہ ہجو، طنز اور مزاح پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں جو ہجویات شامل ہیں ان میں سے اکثر منتخب ہیں۔ ہجو نگاری میں سودا کا قلم چلتے چلتے بے قابو ہونے لگتا ہے اور کبھی کبھی وہ تکلف کے سارے پردے اُٹھا دیتے ہیں۔ انتخاب میں پہلی کوشش یہ کی گئی ہے کہ کم سے کم قطع و برید کی جائے۔ جو حصے آج نقل کیے ہی نہیں جا سکتے، صرف ان کو خارج کیا جائے۔ بعض ہجووں کی یہ صورت ہے کہ جوشِ بیان نے طوالت کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اس بے جا طولِ سخن کے سبب سے غیر ضروری اور ہلکے حصے بھی نظموں میں راہ پا گئے ہیں۔ ایسی نظموں میں سے ان زائد اجزا کو نکال دیا گیا ہے اور بس۔

اس حصے میں ایک قطعہ ہے، نسخۂ جانسن میں جس کا عنوان ہے: درعقدِ دوست داشتنِ سگ۔ مصرعِ اول: ایک عاقل نے یہ سودا سے کہا از سرِ پند۔ مصطفائی میں اس کا عنوان ہے: قطعہ بہ طورِ پند۔ اسی مفہوم کا ایک مخمس بھی ہے، جس کا پہلا مصرع ہے کہ شیخ زباں اپنی مرے خبث سے کوتاہ۔ یہ نسخۂ جانسن میں موجود نہیں، مصطفائی میں موجود ہے اور وہاں اس کا عنوان یہ ہے: "در جوابِ طعنِ میر تقی کہ فی الحقیقت میر شیخ بودہ است"۔ ان دونوں نظموں میں ایک ایسے شخص کو مخاطب کیا گیا ہے، جس نے سودا پر سگ دوستی کا اعتراض کیا تھا۔ یہ خیال

ظاہر کیا گیا ہے کہ ان دونوں نظموں کے مخاطب میرؔ صاحب ہیں۔ سوداؔ کو کُتّے پالنے کا شوق تھا، اس کی کئی شہادتیں موجود ہیں۔ کلیاتِ میرؔ میں ایک مثنوی ہے، جس میں میرؔ صاحب نے ایسے ہی ایک شخص کی ہجو کی ہے۔ ان امور کی بنا پر اس بات کو تسلیم کرنے میں بہ ظاہر کوئی بات مانع نہیں معلوم ہوتی کہ یہ دونوں نظمیں میرؔ صاحب ہی کے لیے کہی گئی ہیں۔ میرؔ صاحب کی سیادت پر اور لوگوں نے بھی شک ظاہر کیا ہے۔

اسی ذیل میں ایک قطعہ اور بھی آتا ہے، نسخۂ جانسن میں اس کا عنوان ہے: "در تعریض بہ میرؔ"۔ مصطفائی میں اس کا عنوان ہے: "قطعہ، ہجوِ میر محمد تقی"۔ طنز نگاری کی بہترین مثالوں میں اس قطعے کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ شیخ چاند نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ یہ قطعہ دراصل سیّد محمد تقی مرثیہ گو کی شان میں کہا گیا ہے، جن کے لیے سوداؔ نے مثنوی سبیلِ ہدایت لکھی تھی۔ لیکن نسخۂ جانسن میں عنوان جس طرح مرقوم ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب میرؔ صاحب ہیں۔ عنوان میں لفظِ میرؔ ظاہرا بہ طورِ تخلّص آیا ہے اور اس تخلّص سے لازماً میرؔ صاحب مُراد ہوں گے۔ تقی کا تخلّص میر نہیں تھا۔

مرزا فاخر مکینؔ، فارسی کے معروف شاعر اور استاد تھے۔ اُن سے معرکے کا مفصل حال شاگردِ سوداؔ کے طویل تصیدۂ رائیہ (شاملِ کلیاتِ سوداؔ) میں مرقوم ہے۔ آبِ حیات میں بھی وہیں سے منقول ہے، بعض اضافوں کے ساتھ۔ سوداؔ کا رسالہ عبرۃ الغافلین، انھی سے متعلق ہے۔ یہ رسالہ نسخۂ مصطفائی میں شامل ہے۔ نسخۂ جانسن میں موجود نہیں۔ سوداؔ نے مکینؔ کی کئی ہجویں کہی ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اپنی عادت کے خلاف فحاشی سے بالکل کام نہیں لیا ہے البتہ طنز و تعریض کی لطافت کار فرما ہے۔ اس ذیل میں تین نظمیں شامل کی گئی ہیں۔ ان میں ایک مثنوی ہے۔ مصرعِ اوّل: اک نقل اس پہ مجھ کو آئی یاد۔ مثنوی کے اشعار سے پہلے مختصر سی فارسی نثر بھی ہے۔ یہ نسخۂ جانسن یا کلیاتِ مطبوعہ میں موجود نہیں۔ قاضی عبدالودود صاحب نے کلیاتِ سودا کے ایک خطّی نسخے سے معاصر کے شمارہ ۱۳

میں اس کو شائع کیا تھا۔ یہ وہیں سے ماخوذ ہے۔ قاضی صاحب کا خیال ہے کہ مثنوی سے پہلے جو نثر ہے، وہ بھی ظاہراً سودا کی لکھی ہوئی ہے۔ باقی دو نظمیں؛ ایک قطعہ اور ایک مخمس، جن کے مصرع ہائے اوّل بالترتیب یہ ہیں: (۱) میں ایک فارسی داں سے کہا کہ اب مجھ کو، (۲) کاملِ فنِ سخن کہتے ہیں اس کو اکمل۔ یہ دونوں نسخۂ جانسن میں موجود ہیں۔ ان دونوں کے عنوانات میں کسی کا نام نہیں آیا ہے، لیکن قطعے کے ایک مصرع میں مکینؔ کا نام موجود ہے۔ اس قطعے میں بہت لطافت کے ساتھ مکینؔ کی فارسی گوئی پر تعریض کی گئی ہے، یہ کہا گیا ہے بندشِ اشعارِ فارسی، چند خاص افراد کے علاوہ، سب کا حصہ نہیں۔ یہ خیال رہے کہ مکینؔ فارسی کے شاعر تھے۔ متعدد قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ مخمس بھی مکینؔ ہی کی شان میں ہے۔ اس میں رعایتِ لفظی کی مذمت کی گئی ہے۔ رسالۂ عبرۃ الغافلین کی ایک عبارت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مکینؔ کو تناسبِ لفظی بہت پسند ہے۔

سوداؔ کے ایک رائیہ قصیدے [مستغنی ذاتی نہ ہوس کے ہوں تسخیر ٭ معدن ہے جہاں سونے کا، واں خاک ہے اکسیر۔] کی تمہید میں جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا تعلق بھی مکینؔ ہی سے ہے۔ مصرعِ ثانی میں لفظِ اکسیر اس طرح آیا ہے کہ ایہام کا لطف پیدا ہو گیا ہے۔ اکسیرؔ، مکینؔ کے استاد کا تخلص تھا۔ اس تمہید کو بھی ہجویاتِ مکینؔ کے ذیل میں شمار کرنا چاہیے۔ نزاعِ سوداؔ و مکینؔ کے لیے قاضی عبدالودود صاحب کا مضمون دیکھا جائے، جو معاصر حصۂ اوّل میں شامل ہے۔ صفحات ۷۶ تا ۸۲۔ ان ہجووں سے متعلق کچھ تفصیلات بھی وہاں مل جائیں گی۔ سوداؔ نے مکینؔ کی دو غزلوں کی تضمین بھی کی ہے۔ ان میں بھی متعدد اشعار سے ہجو کا پہلو نکلتا ہے۔ یہ تضمینیں کلیاتِ مطبوعہ میں موجود ہیں۔

کلیاتِ سوداؔ میں فدویؔ کی متعدد ہجویں ہیں۔ ان میں سے تین ہجووں کو منتخب کیا گیا ہے۔ فدویؔ کی ایک طویل ہجو جس کا پہلا شعر یہ ہے: یار و خدا ایک ہے، دوسرے برحق نبی ٭ صورتِ لوح و قلم جس کے لیے خلق کی۔ اس کے آخر میں شیداؔ کا تخلص موجود ہے اور ابتدا

ہی میں یہ شعر بھی ہے : حضرتِ سوداؔ تلک جو مرے استاد ہیں ، شعر پہ ان کے بھی اب ان کے یہ ایراد ہیں۔ لیکن میری رائے میں یہ سوداؔ ہی کی ہے اور شیداؔ کے نام سے کہی گئی ہے۔ نسخۂ جانسن میں یہ موجود ہے اور یہ شہادت کافی ہے۔ اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے ضاحکؔ کی ایک ہجو میں پہلے ہی مصرع میں سکندرؔ کا نام اس طرح آیا ہے جیسے یہ سکندرؔ کی تصنیف ہو۔ حالاں کہ یہ سوداؔ ہی کی تصنیف ہے۔ استاد کا شاگرد کے نام سے معترض کو جواب دینا کوئی نئی بات نہیں۔ غالبؔ نے تو پورا رسالہ سیاحؔ کے نام سے لکھ دیا تھا۔ اس ہجو یہ مثنوی میں ۱۴۱ شعر ہیں۔ محض طوالت کی بنا پر اس کو منتخب نہیں کیا جاسکا۔

ہجویاتِ فدویؔ میں سے دو ہجویں : شاعر ہوا ہے فدوی کیا شاعروں کا تلا۔ اور دوسری: فدویا بولے ہے، میں ہوں استاد۔ یہ دونوں ہجویں نسخۂ جانسن میں موجود نہیں ان کو نسخۂ مصطفائی سے نقل کیا گیا ہے۔ تیسری ہجو : جہاں میں کون بناتا ہے الو بیٹے کا۔ نسخۂ جانسن میں موجود ہے اور وہیں سے ماخوذ ہے

ضاحکؔ کی تینوں ہجویں نسخۂ جانسن میں موجود ہیں۔ اسی طرح نُدرتؔ کی ہجویں بھی نسخۂ جانسن میں موجود ہیں۔ نُدرتؔ کی ہجو میں جو رُباعی نقل کی گئی ہے، اس پر کوئی عنوان موجود نہیں، لیکن چوتھے مصرع میں ندرت کا لفظ بہ طورِ ایہام آیا ہے۔ اس کے علاوہ، چمنستانِ شعرا میں یہ رباعی "در ہجو ندرت" کے عنوان سے موجود ہے۔ حکیم غوثؔ کی ہجو بھی نسخۂ جانسن میں موجود ہے۔ ہجوِ فوقی بھی نسخۂ جانسن سے ماخوذ ہے۔ اس کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ دراصل سوداؔ کے شاگرد قائمؔ چاند پوری کی ہجو ہے۔ قائمؔ کے معذرت طلب ہونے پر، ایک فرضی نام ڈال دیا گیا۔ یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ ایک ہجو یہ رُباعی، باریک و طویل اتنا ہوا کس کے پوت۔ بغیرِ عنوان درج ہے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کس کی شان میں کہی گئی ہے۔ رباعی بہ ہر طور دل چسپ ہے۔

آخری ہجو، اک مسخرے یہ کہتے ہیں : کوا حلال ہے۔ یہ مخمس، نسخۂ جانسن اور مصطفائی دونوں میں موجود ہے، لیکن دونوں میں صرف "در ہزل" عنوان ہے۔ البتہ آبِ حیات میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

ذوق کے حال میں ایک جگہ حافظ احمد یار کا نام آگیا ہے، اس پر آزاد نے درجِ ذیل حاشیہ لکھا ہے:

"..... یہ عجب شگفتہ مزاج، خوش طبع، سخن فہم شخص تھے۔ باوجودے کہ استاد جوان تھے، وہ بڈھے تھے، مگر یاروں کی طرح ملتے تھے۔ حافظ مرحوم انھی مولوی صاحب کے داماد تھے، جنھوں نے حلتِ زاغ کا فتوا دیا تھا، اور سودا نے ان کی ہجو کہی تھی ترجیع بند مخمس میں ع اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے۔"

ایک اقتباس مثنوی سبیلِ ہدایت کا بھی اس انتخاب میں شامل کیا گیا ہے۔ سید محمد تقی ایک مرثیہ گو تھے۔ تذکرۂ میر حسن میں ان کا ترجمہ موجود ہے۔ ان کے ایک سلام اور ایک مرثیے پر سودا نے اعتراضات کیے ہیں۔ سلام پر اعتراضات مثنوی کی صورت میں ہیں اور مرثیے پر اعتراضات مربعات کی شکل میں کیے گئے ہیں۔ درمیان میں نثری حصہ بھی ہے۔ مثنوی کے صرف ابتدائی اشعار کو شامل کیا گیا ہے۔ بعد کے اشعار میں لطفِ سخن سے زیادہ یا اس کے بجائے اعتراضات کا عمل دخل ہے۔ مربعات کا بھی یہی حال ہے۔ پُرلطف حصہ صرف مثنوی کا ابتدائی حصہ ہے اسی کو شاملِ انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ مثنوی نسخۂ مصطفائی سے ماخوذ ہے، نسخۂ جانسن میں موجود نہیں۔ اس میں دیوانِ مراثی ہی نہیں ہے۔ سبیلِ ہدایت اور اس سے متعلق دوسرے اجزا دراصل دیوانِ مراثی کا ابتدائی جُز ہیں۔ اس کے بعد ہی سودا کے مرثیے شروع ہوجاتے ہیں۔ اس مثنوی سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تقی نے کچھ اس طرح کی باتیں کہی تھیں کہ سودا کو مرثیہ کہنا نہیں آتا۔ مرزا تو بہرحال مرزا تھے، انھوں نے بے حد سلیقے کے ساتھ خبر لی ہے۔ اس کو ہجو کی بجائے ادبی تعریضات میں شمار کرنا چاہیے۔

چوتھے حصے میں غزلیات کا انتخاب اور قطعات و رباعیات شامل ہیں۔ سودا کے کلام میں الحاقی کلام کا عمل دخل حصۂ غزلیات میں بہت ہے۔ اس لیے از روئے احتیاط صرف اُن غزلیات کا انتخاب کیا گیا ہے جو نسخۂ جانسن میں موجود ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نسخۂ جانسن میں جو غزلیں موجود نہیں وہ سب کی سب دوسروں کی ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں

کہ بہت سی غزلیں دوسروں کی ہیں۔ قاضی عبدالودود صاحب نے اپنے مقالے میں (جس کا ذکر آچکا ہے)، متفرقات کے علاوہ، ایسی ایک سو سات غزلوں کا حوالہ دیا ہے جو سودا کے مطبوعہ کلیات میں موجود ہیں، لیکن جو در اصل میر سوز کی ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اور غزلوں پر بھی شک کیا گیا ہے۔ بعض اشعار کا بھی یہی حال ہے۔ غزل گوئی میں سودا کے انداز اور رُتبے کو سمجھنے کے لیے نسخۂ جانسن میں موجود غزلیں ہی کافی ہیں۔ انتخاب میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ قابلِ ذکر اشعار کو ضرور منتخب کر لیا جائے۔

دوسرے شاعروں کی طرح، سودا کے کلام میں بھی بہت سی لفظی تبدیلیاں راہ پا چکی ہیں۔ اغلاط ان کے علاوہ ہیں۔ میں ذیل میں تین شعر محض مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ ان سے بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ لفظی تبدیلیاں کس طرح جگہ بنا لیا کرتی ہیں اور روایت کی تکرار سے اختلافات کس طرح نشو و نما پاتے ہیں۔ میں نے اس مقصد کے تحت نہایت معروف اشعار کا انتخاب کیا ہے۔ ضمنی طور پر اس سے نسخۂ جانسن کی اہمیت بھی واضح ہو جائے گی۔

۱: سودا کا ایک نہایت مشہور شعر نسخۂ آسی میں اس طرح درج ہے (اور اسی طرح مشہور بھی ہے):

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں

اس سے قدیم روایت، یعنی نسخۂ مصطفائی میں اس کی صورت یہ ہے:

ناوک ترے نے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپھے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں

اور ان دونوں سے قدیم روایت، نسخۂ جانسن میں یہ اس طرح ہے:

ناوک ترے نے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپھے ہے مرغ قبلہ نما اپنے خانے میں

اب لاکھ کہا جائے، مگر اکثر لوگوں کا ذوق، اس کو گوارا نہیں کرے گا کہ اُس بولتے ہوئے شعر کو، اِس قدیم نامانوس بندش اور غیر شاعرانہ لفظ کے ساتھ قبول کیا جائے۔ ذوق کی کرشمہ کاریوں

نے اس طرح کے بہت گُل کھلائے ہیں۔ اور اس کے سامنے ساری منطق بے کار ہو جاتی ہے۔

۱ : کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

یہ شعر نسخۂ آسی میں اسی طرح ہے اور زبانوں پر بھی یوں ہی رواں ہے۔ لیکن نسخۂ مصطفٰی اور نسخۂ جانسن دونوں میں مجھے کی جگہ، تجھے ہے:

کیفیتِ چشم اُس کی تجھے یاد ہے سودا!
ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

---

۲ : گُل پھینکے ہیں اوروں کی طرف، بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر اندازِ چمن، کچھ تو اِدھر بھی

معروف شعر ہے۔ نسخۂ آسی میں یوں ہی ہے لیکن نسخۂ جانسن میں، ہیں کی جگہ ہے ملتا ہے۔ اور یہ تبدیلی معنوی اہمیت رکھتی ہے۔

گُل پھینکے ہے عالم کی طرف، بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر اندازِ چمن، کچھ تو اِدھر بھی

اسی غزل کا ایک اور شعر نسخۂ آسی میں یوں ہے:

کیا ضد ہے مرے ساتھ خدا جانے وگرنہ
کافی ہے تسلی کو مرے ایک نظر بھی

نسخۂ جانسن میں:

کیا ضد ہے خدا جانیے مجھ ساتھ وگرنہ
کافی ہے تسلی کو مری ایک نظر بھی

سودا کے کلام کا اس قدر مفصل انتخاب، جو ایک نہایت معتبر خطّی نسخے پر مبنی ہو، غالباً پہلی بار پیش کیا جا رہا ہے۔ مختصر انتخابات تو کئی ایک شائع ہو چکے ہیں۔ صحتِ متن کا حتی المقدور اہتمام کیا گیا ہے، بشریّت کا البتہ اعتراف ہے۔ عام پڑھنے والوں کے علاوہ، یہ طلبہ کے استفادے کے کام بھی آئے گا۔ سودا کا کلام مختلف سطح کے نصابوں میں شامل ہے۔ آخر میں مفصل فرہنگ شامل کی گئی ہے۔ ضروری الفاظ پر اعراب بھی لگائے گئے ہیں اور اوقاف نگاری کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

محبِ مکرّم ڈاکٹر محمد حسن صاحب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ موصوف نے نسخۂ جانسن

کا عکس عنایت کیا۔ مخدومی مولانا امتیاز علی خاں عرشی (مدظلہ) نے میرے استفسارات کے جواب میں متعدد لفظوں کے معنی و مفاہیم تحریر فرمائے۔ مولانا میرے بزرگ ہیں، بزرگوں کا شکریہ ادا کرنا ایک طرح کی بدتہذیبی سمجھی جاتی تھی (معلوم نہیں اب کیا حال ہے) میری نیازمندی نے مولانا کے قدموں پر ہمیشہ سر جھکایا ہے اور اس اعتراف کو باعثِ افتخار سمجھتا ہوں۔ محترمی مولانا ضیاء احمد صاحب بدایونی (زاد مجدہ) نے بہت سے اشعار کے متن کے سلسلے میں رہ نمائی فرمائی۔ ضیا صاحب قبلہ کی اس نوازش کے بغیر، بہت سی مشکلیں آسان نہیں ہو سکتی تھیں۔ ہندی کے معروف اہلِ قلم اور رفیقِ شعبہ، شمشیر بہادر سنگھ صاحب نے میری خاطر ہندی لغات کی ورق گردانی کی اور بہت سی معلومات فراہم کیں۔ شمشیر صاحب شاعر تو اس زمانے کے ہیں لیکن اُن کا خلوص اور اُن کی وضع داری بالکل پُرانے زمانے کی سی ہے۔ جس کو کچھ دنوں بعد چراغ لے کر ڈھونڈھا جائے گا۔ اس کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ شعبۂ اُردو کے ایک پُرانے طالبِ علم انتظار مرزا صاحب (ایم۔اے) سے مجھے اس کام میں بہت مدد ملی ہے۔

مجھے توقع ہے کہ اس سلسلے کی دوسری کتابوں کی طرح، یہ کتاب بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے گی۔

رشید حسن خاں

شعبۂ اُردو۔ دہلی یونیورسٹی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نعتِ حضرت رسالت علیہ السّلام

ہوا جب کفر ثابت، ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زُنّارِ تسبیحِ سُلیمانی

ہُنر پیدا کر اوّل، ترک کیجو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغِ بے جوہر وگرنہ ننگِ عُریانی

فراہم زر کا کرنا، باعثِ اندوہِ دل ہووے
نہیں کچھ جمع سے غُنچے کو حاصل، جُز پریشانی

خوشامد کب کریں عالی طبیعت، اہلِ دولت کی
نہ جھاڑے آستینِ کہکشاں، شاہوں کی پیشانی

عروجِ دستِ ہمّت کو نہیں کچھ قدرِ بیش و کم
سدا خورشید کی جگ پر مُساوی ہے زر افشانی

کرے ہے کُلفتِ ایّام، ضائع قدر مَردوں کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلود، کم جاتی ہے پہچانی

اکیلا ہو کے رہ دُنیا میں، گر جینا بہت چاہے
ہوئی ہے فیضِ تنہائی سے عُمرِ خضر طولانی

اذیت وصل میں، دونی جُدائی سے ہے، عاشق کو
بہت رہتا ہے نالاں فصلِ گُل میں مُرغِ بُستانی

مؤثر جان اربابِ ہنر کو بے لباسی میں
کہ ہو جو تیغ، با جوہر، اُسے عزت ہے عُریانی
بہ رنگِ کوہ رہ خاموش، حرفِ ناسزا سن کر
کہ تا بدگو صدائے غیب سے کھینچے پشیمانی
نہیں غیر از ہوا کوئی ترقی بخش آتش کا
نفس جب تک ہے، داغِ دل سے فرصت کیونکے ہو پائی
یہ روشن ہے بہ رنگِ شمع، ربطِ باد و آتش سے
موافق گر نہ ہووے دوست، ہے وہ دشمنِ جانی
کرے ہے دہر زینت ظالموں پر، تیرہ روزی کو
کہ زیبِ ترکِ چشمِ یار، سُرمہ ہے صفاہانی
طلوعِ مہر ہو پامالِ حیرت آسماں اوپر
لکھوں بہرِ غزل گر اِس زمیں میں مطلعِ ثانی

مطلعِ ثانی

عجب ناداں ہیں وہ، جن کو ہے عُجبِ تاجِ سُلطانی
فلک، بالِ ہما کو، پل میں سونپے ہے مگس رانی
نہیں معلوم، اُن نے خاک میں کیا کیا مِلا دیکھا
کہ چشمِ نقشِ پا سے، تا عدم نکلی نہ حیرانی
ہماری آہ، تیرا دل نہ نرما دے، تو یا قسمت!
دگر نہ دیکھ آئینے کو، پتھر ہو گئے پانی

تری زلفوں سے اپنی روسیاہی کہ نہیں سکتا
کہ ہے جمعیّتِ خاطر مجھے اُن کی پریشانی
زمانے میں نہیں کھُلتا ہے کارِ بستہ، حیراں ہوں
گرہ غنچوں کی کھولے ہے صبا کیوں کر بہ آسانی
جنوں کے ہاتھ سے سرتا قدم کاہیدہ اِتنا ہوں
کہ اعضا، دیدۂ زنجیر کی کرتے ہیں مژگانی
نہ رکھّا جگ میں رسمِ دوستی، اندوہِ روزی نے
مگر زانو سے اب باقی رہا ہے ربطِ پیشانی
سیہ بختی میں، اے سوّدا! نہیں طولِ سخن لازم
نمط خامے کے، سر کٹوائے گی ایسی زباں دانی
سمجھ اے نا قباحت فہم! کب تک یہ بیاں ہوگا
ادائے چینِ پیشانیؔ و لُطفِ زُلفِ طُولانی
خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوباں کے
نہیں ہے اُن سے ہرگز فائدہ، غیر از پشیمانی
نظر رکھنے سے حاصل اُن کی چشم و زُلف کے اوپر
مگر بیمار ہووے صَعب، یا کھینچے پریشانی
نکال اِس کُفر کو دل سے، کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیفِ مُسلمانی
زِہے دینِ محمدؐ! پیروی میں اُس کی جو ہو دیں
رہے خاکِ قدم سے اُن کی، چشمِ عرش نورانی

ملک سجدہ نہ کرتے آدمِ خاکی کو، گر اُس کی
امانت دارِ نورِ احمدی ہوتی نہ پیشانی
اُسی کو آدم و حوا کی خلقت سے کیا پیدا
مُراد الفاظ سے معنی ہے تا آیاتِ قرآنی
خیالِ خُلق گر اُس کا شفیعِ کافراں ہووے
رکھیں بخشش کے سر منت یہودی اور نصرانی
زباں پر اُس کی گزرے حرف جس جا کہ شفاعت کا
کرے واں نازِ آمرزش پہ ہر یک فاسق و زانی
رکھا جب سے قدم مسند پہ، آ، اُن نے، شریعت کی
کرے ہے موجِ بحرِ معدلت تب سے یہ طغیانی
اگر نقصان پر خس کے، شرر کا ٹک ارادہ ہو
کرے کو آگ کے، وو ہیں کرے غرق، آن کر پانی
موافق گر نہ کرتا عدل اُس کا آب و آتش کو
تو کوئی سنگ سے بندھتی تھی شکلِ لعلِ رُمانی
یہ کیا انصاف ہے یارب! کہ طیر و وحش تک جگ میں
اِس امن و عیش سے اپنی بسر اوقات لے جاتی
پلے ہے آشیاں میں باز کے، بچہ کبوتر کا
شباں نے گرگ کو گلے کی سونپی ہے نگہ بانی
ہما آسا ہے پروازِ بلند اوجِ سعادت پر
کرے ہے مور، چڑھ کر سینۂ دد پر، سلیمانی

کھلے ہیں غنچۂ گل باغ میں، خاطرِ بلبل کی
جو اب اوراقِ جمعیّت کو ہوتی ہے پریشانی
جہاں انصاف سے ہر گاہ اب معمور ہے اتنا
تو اُس کے آگے ہوگی عدل کی کیا کچھ فراوانی
ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اُس وقت دُنیا میں
وگرنہ کرتے یہ آنکھیں جمال اُس کے سے نورانی
نہ ہونے سے جُدا سایے کے اُس قامت سے، پیدا ہے
قیامت ہوئے گا دل چسپ وہ محبوبِ سُبحانی
جسے یہ صورت و سیرت کرامت حق نے کی ہووے
بجا ہے کہیے ایسے کو اگر اب یوسفِ ثانی
معاذ اللہ! یہ کیا لفظ بے موقع ہوا سرزد
جو اُس کو پھر کہوں، تو ہووں مردودِ مُسلمانی
کدھر اب فہمِ ناقص لے گیا مجھ کو، نہ یہ سمجھا
کہ وہ مہرِ اُلوہیّت ہے، یہ ہے ماہِ کنعانی
جو صورت اُس کی ہے، لاریب، ہے وہ صورتِ ایزد
جو معنی اُس میں ہیں، بے شک وہ ہیں معنیِ ربّانی
حدیثِ مَن رَآنِی، دال ہے اِس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جن نے اُس کو، اُن نے دیکھی شکلِ یزدانی
غرض مشکل ہمیں ہوتی کہ پیدا کر کے ایسے کو
خدا اگر یہ نہ فرماتا: "نہیں کوئی مرا ثانی"
بس آگے مت چل اے سودا، میں دیکھا فہم کو تیرے
کر استغفار اب اس منہ سے، ویسے کی ثنا خوانی!

در نعت و منقبتِ حضرت علیؑ

چہرۂ مہر وَش ہے ایک، سنبلِ مُشک فام دو
حسنِ بُتاں کے دور میں، ہے سحر ایک، شام دو

میں وہ تُنک شراب اور ساقی کی چشمِ مست یہ
کیوں کے نہ بگڑے صحبت اب، بادہ کش ایک، جام دو

میرے ترے یہ ربط ہے، جیسے میانِ بحر و موج
واقعی میں تو ایک ہیں، گو کہ ہوئے بہ نام دو

خوں جو کیا ہے بے گنہ تو نے مرا دل و جگر
لینے ہیں تجھ سے حشر میں اپنے یہ انتقام دو

تجھ سے وفا و مہر کی دیدہ و دل کو ہے طلب
کرتے ہیں اُٹھ ہر ایک دن، مل کے خیالِ خام دو

ابروِ یار کا خیال دل میں رہے ہے روز و شب
کاش یہ تیغِ آب دار کر بھی چکے نیام دو

فکرِ معاد اب کریں یا کہ معاش کا تلاش
زندگی اپنی ایک دم، کیجے کیوں کے کام دو

پھینکے ہے منجنیقِ چرخ، تاک کے سنگِ تفرقہ
بیٹھ کر ایک دم کہیں ہو دیں جو ہم کلام دو

خُرد و بزرگِ دہر میں، نسبتِ جام و شیشہ جان
بادہ انھوں میں ایک ہے، گو کہ ہوئے یہ نام دو
دل کو میانِ خط و زلف، تیں جو رکھے، یہ عدل ہے!
ایک یہ مُرغِ ناتواں، جس کے لیے ہیں دام دو
کہتی ہے مجھ سے مغفرت، ہووے گی خوب یہ غزل
ہم رہِ نعت و منقبت، گر اسے انصرام دو
اپنی یہ عرض اُس سے ہے، کہ تو بھلا یہ کیوں کے ہو
ایک زمیں، سو سنگ لاخ، اس میں نبھیں گے کام دو!
دے ہے جواب مجھ کو یوں، ایک غزل تو کیا ہے یہ
ایسے کہے قصیدے تو صبح سے تا بہ شام، دو
مطلعِ نعت و منقبت کہہ تو چکا ہے میرے دوست
بس مجھے آکے مانگ لے، کر کے تو اب کلام دو

مطلعِ ثانی

مثلِ زبانِ خامہ، ہیں گرچہ نبی و امام، دو
معنی تو اُن میں ایک ہیں، گو کہ ہوئے یہ نام دو
ہونے نہ دے غروب ایک بہرِ نماز، مہر کو
ایک کرے اشارے سے قرصِ مہِ تمام، دو
جا کے انھوں کے رُتبے تک، ماندے ہوں یہ خیال و وہم
وقتِ مراجعت جو کوچ ایک کریں، مقام دو
اُن کے طوافِ روضہ کو پہنچے کبھو نہ جبرئیل
رکھ کے زمیں پہ ایک گام، تا نہ کرے سلام دو

موسیٰ و خضرؑ اور شیثؑ، در پہ اُنھوں کے وقتِ طوف
ایک بنے ہے چوب دار، کرتے ہیں اہتمام دو
سجدہ کرے ہیں مہر و مہ در پہ اُنھوں کے روز و شب
مُبرَّہن اس سے یوں ہوا، داعی ہیں یہ غلام دو
ہوتے حکیم کس سبب معتقدِ قیامِ دہر
دیتے نہ گر زمانے کو مل کے یہ انتظام، دو
وصفِ بُراق و دُل دُل اب کہہ تو کروں میں کیا بیاں
مشرق سے راہ تا بہ غرب، جن کے تئیں ہیں گام دو
فرضِ حق نہیں ہے یہ، ہوں دُو ہوا دا ایک بام
ورنہ پھریں وہ عرش پر، ایسے ہیں خوش خرام دو
بُرّش انھوں کی تیغ کی، مجھ سے بیاں نہ ہو سکے
خامے کی اب زباں ہوئی، لکھنے سے جس کا نام، دو
اُس کے خیال میں کوئی دیکھے جو مُفردات کو
اَحوَلوں کی طرح اُسے آوے نظر تمام، دو
یاد میں اُس کی گر عدو، دیکھے جو اپنے باپ کو
ماں سے کہے: تجھے حلال ایک ہے، اور حرام دو
بس میں اب آگے کیا کہوں، مجھ سے کہے ہے اُن کا ذکر
قطعِ کلام کرکے تم، مدح کو اختتام دو
چاہے تھی میری یوں طمع، طول دے اِس کلام کو
کہیے نبیؐ، علیؓ سے یوں، اِس کا صلہ تمام دو

ہے یہ اُمید یوں نبیؐ کہ دیں علیؑ سے اِس طرح
اوروں کو جام ایک ایک دیجیو، اِس کو جام دو
یہ بھی صلہ نہیں ہے کم، عرصۂ حشر میں اگر
یاد کریں جو مجھ سے کو، ایسے بہ احترام دو

در نعت و منقبتِ حضرت علیؑ

زخمی میں ترا اور گلستاں ہے برابر
ہر خرمنِ گُل، گنجِ شہیداں ہے برابر
کہتے ہیں جسے سرو، سو گلشن کی ہے وہ آہ
نرگس لبِ جُو، دیدۂ گریاں ہے برابر
فریادِ چمن بلبل و دیوارِ چمن میں
جو رخنہ ہے، سو چاکِ گریباں ہے برابر
ہے سینۂ تفسیدہ، ہر اک تختۂ گُل زار
جو غنچہ ہے، سو وہ دلِ سوزاں ہے برابر
سوزِ دلِ عُشّاق، تماشا جو ہو تجھ کو
یہ سینہ پُراز داغ و چراغاں ہے برابر
آنسو نہ پُنچھے تجھ سے کبھو میرے کہ تجھ پاس
لختِ دل و گل برگ بہ داماں، ہے برابر
دریا مری آنکھوں سے یہ بہتا ہے لہو کا
مژگاں سے مری، پنجۂ مرجاں ہے برابر
یکساں ہے وجود و عدم انساں کا ترے پاس
یاں سر بہ تنِ عاشق و بُہتاں ہے برابر
خوں ریزی میں، ترکوں سے تری چشم ہیں ہم سر
خنجر سے، اُنھوں کی صفِ مژگاں، ہے برابر
آنکھوں سے مروّت تری اور دل سے ترے رحم
قسمت ہے یہ اپنی کہ گریزاں ہے برابر
پردے میں جو ہے تیرا اجل، یار، سو اُس کے
تیری نگہِ دیدنِ پنہاں، ہے برابر
حیراں ہوں، ترے سامنے کس طرح میں ٹھہرا
جانے میں ترے آگے، دل و جاں ہے برابر

کیا درد کہوں تجھ سے میں اپنا، کہ ترے پاس — میرا سخن اور کذبِ رقیباں ہے برابر
سُنتا ہی نہیں بات مِری تو، جو سُنے بھی — وہ بات پھر اور طائرِ پرّاں ہے برابر
تو نے وہ کہا کیا کہ جسے میں نے نہ مانا — یاں حکمِ قضا اور ترا فرماں ہے برابر
دل داری تجھے کرنی کسو کی نہیں آتی — تو سب کے دل و جان کا خواہاں ہے برابر
ظالم! میں نواحی میں ترے گھر کے جو دیکھا — ہر سمت صفِ گورِ غریباں ہے برابر
یوں ہی ہے جو خاطر میں تری، میں بھی ہوں حاضر — یہ زندگی اور روح کا سوہاں ہے برابر
آزادمنش مجھ سے کا، اے یار شب و روز — دل، مُرغِ گرفتار کے، نالاں ہے برابر
لے شام سے اور صبح تلک، صبح سے تا شام — اشک آنکھوں سے میری، دُرِ غلطاں ہے برابر
رہتی ہے تبِ غم یہ سدا مجھ کو کہ میری — آہِ سحر و شمعِ شبستاں ہے برابر
اعضا مرے جس طرح سے جلتے ہیں، کہوں کیا — وہ سوزش و آتش بہ نیستاں، ہے برابر
عزّت کی کہوں اپنی، سو کا ہے کو کسی کی — عزّت، ترے در کے سگ و درباں ہے برابر
کیا درد کہے سامنے تیرے کوئی اپنا — یاں زخمِ دہان و لبِ خنداں ہے برابر
فریاد کروں کس سے کہ رُو داری کی تیری — کہنے کے لیے، گبر و مسلماں ہے برابر
نالش کروں اب واں کہ جہاں حق بہ طرف میں — مُور و ملخ و دیو و سلیماں ہے برابر
وہ ختمِ رسالت، نہیں جس کا کوئی ہمتا — اور ہے بھی جو کوئی، شہِ مرداں ہے برابر
ہے علمِ الٰہی سے وہ اُمّی لقب آگہ — واں عقلِ کُل اور طفلِ دبستاں ہے برابر
دونوں کا نہیں امر، کم از امرِ الٰہی — دونوں کی حدیث، آیۂ قرآں ہے برابر
یک قطرہ جو ہو، ابر سے رحمت کے اُنھوں کی — وہ نارِ سقر کے لیے طوفاں ہے برابر
ہے وزن مُساوی اُنھوں میں حلمِ خُدا کا — خالق کے وہ دو پلّۂ میزاں ہے برابر
اس حرف میں جو شبہہ رکھے، ہو کے مُسلماں — اُس شخص کا، الحاد سے ایماں ہے برابر
سودا! بہ دوئی بول مت آگے، کہ نبی سے — اِس مرتبہ وہ اشرفُ الانساں ہے برابر

جس طرح تجلّی کو خدا کی نہیں تکرار
حیدرؓ بھی محمدؐ سے بدمیناں ہے برابر

اے خامہ! چل اب جلد مدینے سے نجف کو
منظور سعادت ہے تو یاں واں ہے برابر

شاہا! درِ درگاہ کی تیرے جو ہے قندیل
کب جلوے سے اُس کے مہِ تاباں ہے برابر

جو خاک ہو وا در کی ترے، خاک کا اُس کی
جو ذرّہ ہے، سو مہرِ درخشاں ہے برابر

ناقہ ترے مشتاقِ زیارت کا، بہ رفتار
صرصر سے سحر کی بہ بیاباں ہے برابر

واں مرتبہ رکھتا ہے جرس، خضر کے دل کا
داؤد کے رُتبے سے حُدی خواں ہے برابر

جو صاحبِ تحقیق ہیں، اُن سے نہیں مخفی
چشم اُس کی میں تو ظاہر و پنہاں ہے برابر

پازہر کی اور زہر کی، شاہا! بہ نباتات
جوں پرورشِ موسمِ باراں ہے برابر

تیرا بھی، اِسی طرح سے، خلقت میں خدا کی
ہم دشمن و ہم دوست پہ احساں ہے برابر

لنگر جو ترے حلم کا ہووے نہ زمیں پر
پانی پہ زمیں، کشتی بہ طوفاں، ہے برابر

بیٹھے میں عدالت کے تری، گرگ سے تاثیر
گلّے کی نگہ بانی کو، چوپاں ہے برابر

ہر خاک کے ذرّے کی، صبا، عہد میں تیرے
گلشن میں ترشّح کی نگہ باں ہے برابر

شاہا! تو وہ عادل ہے کہ شمشیر سے تیری
دو حصّہ عدو ہو، تو بہ میزاں ہے برابر

جوں مہر، ترے رخشِ فلک سیر کے آگے
ہند و عربستان و صفاہاں ہے برابر

تو رازِ الٰہی ہے، کروں کیا تری تقریر
گو منہ میں زباں، ابرِ دُرافشاں ہے برابر

شایاں ہے ترے وصف کے، قرآں کی فصاحت
یاں اِس کے سوا، طوطی و سحباں ہے برابر

جس جا چمنِ وصف نے گل تیرے کیا ہے
سوسن کی زباں سے، یہ زباں، واں ہے برابر

سودا، بہ دعا ختم کرے ہے اسے شاہا!
تجھ مدح میں یہ نظم، بہ ہذیاں ہے برابر

یارب! یہ صدا گوش زد اپنے ہو کہ باہم
دل دوستوں کا خرّم و شاداں ہے برابر

کہتے پھریں دشمن، کہ تب غم سے ہمارا
آتش کدۂ سینۂ سوزاں ہے برابر

در منقبتِ حضرت علیؓ

بسانِ دانۂ روئیدہ، ایک بار گرہ
کھلے جو کام سے میرے، پڑے ہزار گرہ

مُعقّد اِتنی خاطر مری کہ جائے نفَس
کروں گا میں بہ دمِ واپسیں شمار گرہ

عجب نہیں، عوضِ اشک، چشم سے میری
چوئے بہ رنگِ سحابِ تگرگ بار، گرہ

نہ لٹ دھوئیں کی ہوں یارب، نہ زلفِ محبوباں
رکھے ہے کیوں مری خاطر کو روزگار گرہ

کھُلی نہ تجھ سے تمنّائے دل کی میری بات
رہی زمانے میں اک یہ بھی یادگار گرہ

فلک کو پہنچے سرِ گردباد مجھ دل کا
جو ساتھ آہ کی پیچش کے ہو غبار گرہ

طرح ہلال کے ہوتا ہے ناخُنِ تدبیر
گُشادِ کار ہمارے میں، بدر وار گرہ

گیا ہے چھوڑ کے یوں دل میں عُقدہ، غم تیرا
کہ بندِ یار میں دے جائے جیسے یار، گرہ

جہاں میں جو ہے گرہ، اُس کو پایداری ہے
نہیں، سو بستگیِ دل کی پایدار گرہ

کھلے نہ لب جرسِ دل کے نالہ کرنے کو
ہمارے اشک کے ہے قافلے میں بار گرہ

بہ رنگِ شیشۂ مے، وقتِ اشک ریزی کے
گلے سے پڑتی ہے دل تک مرے ہزار گرہ

سوائے ناخُنِ دستِ فنا، مرے دل سے
کھُلے نہ بحرِ جہاں میں حباب وار گرہ

علاج، قتل ہے، واشُد کا اب مری، کہ ندان
پہنچتی ہے بہ دمِ تیغ، اُستوار گرہ

کروڑ مرتبہ فصلِ بہار میں کھولی
صبا نے غنچوں کی، جا سوئے لالہ زار، گرہ

ہزار حیف کہ میرے دلِ برِشتہ کی
کھُلی نہ اے نفسِ سرد، ایک بار گرہ

غلط ہے، تو جو زمانے میں سمجھے یہ سودا!
کہ کارِ بستہ سے یاروں کے، کھولیں یار گرہ

بغیرِ ناخنِ شیرِ خدا، جہاں میں کوئی
کسی کے کام سے کھولے نہ زینہار گرہ

غضب گجے پنجے سے جس کے، بہ رنگِ دانۂ اشک
نہ آسمان کی ہو جائے تار تار گرہ

ثباتِ چرخ یہ اُس کی نہیب کے آگے
کہ جوں دُھویں کی نہیں رکھتی اعتبار گرہ

جو ضربِ گرز کی، پشتِ فلک پہ اُس کے آئے
تو کہکشاں وو ہیں ہو جائے شکلِ مار، گرہ

گر اُس کے عدل میں، خس، مُنہ پہ موج کے آجائے
تو ہو سمٹ کے وو ہیں بحرِ بے کنار گرہ

گُتھا ہے دل میں خیال اُس کے وصفِ گُل گوں کا
ہوئی ہے غنچے میں یاں بادِ نوبہار گرہ

ثنا میں اُس کی ہو لے کیونکے اب بندھے مضموں
ہوا کو دے نہ سکے کوئی زینہار گرہ

ہر ایک اپنے موالی کی، کیوں کے، خاطر سے
نہ کھولے روزِ نبرد، اُس کی ذوالفقار گرہ

رکھے ہے اُس کی بُرِش آگے، گو ہے چرخ یہ حکم
کہ جیسے پیشِ دمِ تیغِ آب دار، گرہ

کیا میں فرض، کہ اتنا ہے سرِ عدو کا ترے
کہ جس کے جوف میں گردوں سی آئیں چار گرہ

پر، اُس پہ تیر جو بیٹھے ترا، تو یوں پھوٹے
کہ جیسے ہوتی ہے منکے کے وار پار گرہ

وغا کے روز، سناں پر جو تو اُٹھا لیوے
عدو کے سینے سے بھالے کی کر دو سار گرہ

تو نیزہ باز، کبوتر کی طرح سے ہر دم
لگے وہ کرنے ہوا بیچ بار بار گرہ

زبس رواج ترے عہد میں ہے بخشش کا
بہ رنگِ آبلۂ دل، ہے ناگوار گرہ

گدائے در نے ترے، مہر کے تئیں زرِ سُرخ
دیا ہے، کھول کے دامن سے اِتنی بار گرہ

شہا! میں کیا کہوں، انگشتِ دست کی اُس کے
جنھوں کی گھس گئی، کرتے ہوئے شمار گرہ

کبھو نہ کُھل سکے، مرضی سوا تری، تقدیر
کسی کے کام سے کھولے اگر ہزار گرہ

خصوص میں، کہ مُعَقَّد ہے یہ مری خاطر
کہ ہر گرہ میں ہزاروں ہیں جوں انار گرہ

پس اب بتا کہ اِس اُلجھیڑے کی، سوا تیرے
کھُلاوے کس کنے جا کر یہ خاکسار گرہ

وہ تیری ذات ہے مشکل کُشا، جو کھولے ہے
جہاں کے کام سے، کیا لیل و کیا نہار، گرہ

امید مجھ کو بھی ہے تیرے حَول و قوّت سے
نہ کر سکے مری خاطر میں اب قرار گرہ

سپند، گرمیِ آتش سے جوں گُریزاں ہو
مرے بھی دل سے کرے اِس طرح فرار گرہ
کروں ہوں ختم دعائیہؔ پر سخن کہ ادب
زباں کو دے ہے خموشی سے شمع وار گرہ
مَوالیوں کے دلوں کو، شگفتگی کے ساتھ
ہمیشہ گُل کی طرح دیوے روزگار گرہ
برائے خاطرِ اعدا، زمانہ ہر یک آن
طلب کیا کرے غنچوں سے مُستعار گرہ

درمنقبتِ حضرت علیؑ

سنگ کو اِتنے لیے کرتا ہے پانی، آسماں
مُنہ پہ لاوے آرسی تا عیبِ روے مرد ماں
مُستعد اِتنا ہے یہ افعی گزندِ خلق پر
پیچ اِس کی چال کا دیکھو، تو ہے شکلِ دہاں
خوان پر اِس روسیہ کے مت سمجھ تاروں کو نُقل
چکھے ہیں تودے میں خاکستر کے، یہ چنگاریاں
ختم اِس پر ہو چکی بد عُلقی و بد خصلتی
پھر نہ آیا اِس کے گھر، اِس کا گیا جو میہماں
کام عالم کا، بسانِ جوے تصویر، اِس کے ہاتھ
بند رہتا ہے بہ معنی، گو بہ صورت ہو رواں
کھولتا ہرگز نہیں ہے کارِ بستہ سے گرہ
تا نہ باندھا چاہے مُحکم کر اُسے یہ بدگُماں

تنگیِ اوقات کرتا ہے نصیبِ حُسن ولطف
غنچۂ گُل اِس سبب سے رنگ و بو کا ہے مکاں
ناتواں کو دے توانائی اگر اِس کی مدد
خار ہو جاوے وہ ہیں زنجیرِ پاے رہ رواں
دیکھ ٹک احوال عنقا کا، کہ اِس ظالم کے ہاتھ
نام گر پیدا کرے کوئی، تو مٹتا ہے نشاں
درپےِ رنج و تعب رہتا ہے اہلِ درد کے
دُکھ دہندوں کی ہوا خواہی میں دے ہے اپنی جاں
پابرہنہ دربہ در مجھ کو پھراوے دھوپ میں
خار کے سر پر کرے دامانِ گُل کو سایباں
میل کھینچے دیدۂ بینا میں، یہ تاریک عقل
پُر کرے، کُحلُ الجواہر لے کے، چشمِ سُرمہ داں
ابرِ دریا بار کو برساوے دشتِ یاس پر
خُشک رکھے مزرعِ اُمّیدِ ہر پیر و جواں
ہنس کو موتی چُگاتا ہے سدا یہ بے تمیز
پوست کھینچے ہے ہُما کا، دے کے مُشتِ اُستخواں
رشتے کی خاطر، کرے سوراخ، گوہر کا جگر
بہرِ سُودِ ناکساں، اِس سے کساں کا ہے زیاں
گر اِسے منظور ہو تن کی کسی کے پرورش
فائدہ اُس کو نہیں کچھ، بلکہ ہے نقصانِ جاں

چشمِ مطلب ہووے روشن دیکھ کر قصّاب کی
فربہی سے بُز اگر ہو جاوے مثلِ پہلواں
دَور میں اِس روسیہ کے، اب بجز بخل و حسد
دوستی کا تو کہیں ہرگز نہیں نام و نشاں
نور مُنہ پر شمع کے دیکھے، تو جلتا ہے پتنگ
دشمنی معشوق و عاشق تک ہے اِتنی درمیاں
ہاتھ سے خِسّت کے اس کی جگ میں پیشِ خاص و عام
حالِ روشن دل، کرے یوں مطلعِ ثانی بیاں

مطلعِ دوم

ماہ کی خاطر مقرّر وقتِ شب ہے ایک ناں
پر جو یہ چاہے، سدا ساری وہ ہووے، سو کہاں
یک لبِ ناں کے لیے، حیران ہوتے شہر شہر
مثلِ ماہِ نَو پڑے پھرتے ہیں عالی ہمّتاں
کیا کروں اِس کی طبیعت کے تلوّن کو میں نقل
کیا کروں نیرنگیِ گردش کا اب اِس کی بیاں
آن میں اَوجِ حَسَب کو پہنچے مجہولُ النّسب
خاکِ ذلّت پر گرے پَل میں فُلاں ابنِ فُلاں
چتر ہوتا کاسۂ فقر اکثر آیا ہے نظر
بارہا تختے پہ دیکھا صاحبِ تختِ رواں

تا کُجا کہیے غرض اِس سفلۂ دُوں کا مزاج
اک دتیرے پر نہیں، گا ہے چُنیں گا ہے چُناں
پس جو ایسا ہو کوئی، اے دل، نہ کیجے اُس کا ذکر
آشنا کر اب غزل خوانی سے تو اپنی زباں

غزلؔ

گر شمیمِ زلف کا تیری، چمن میں ہو بیاں
نکہتِ گُل سے پریشاں ہو دماغِ بُلبلاں
طوطیِ تصویر اُس کے رُوبرُو کرتی ہے نُطق
محو جو دیدار کا تیرے ہوا، آئینہ ساں
مشربِ عُشّاق پر تنہا نہیں ہے دست بُرد
ناز نے تیرے کیا پامال زُہدِ زاہداں
عشوہ کرتا ہے جو کچھ تیرا جہاں کے سر یہ اب
چاہیے، ہو تربیت اُس سے جفائے آسماں
جس سے پوچھوں ہوں، تو کیوں نالاں ہے، سو کہتا ہے یہ
ہاتھ سے اِن کافروں کے، نام ہے جن کا بُتاں
دلِ مرا دُکھیا رہا ہے کاسۂ چینی کی طرح
مُو برابر ٹھیس لگتی ہے، تو کرتا ہوں فغاں
نازِ معشوقاں جو دیکھو، جورِ گردوں سے زیاد
ہے عجب احوال دُنیا میں، کوئی جاوے کہاں

مُنھ کرد جیدھر کو، تو ہوتی ہے آفت رُد بہ رُد
جس طرف جاوٴ، تو ہے در پے بلائے ناگہاں
اب کہیں عالم میں، اے سودا، نظر آتا نہیں
جُز پناہ اُس آستاں کے، موضعِ امن و اماں
جس کا پائے قدر ایسا ہے کہ دیکھے ہیں جسے
تھام کر دستار اپنی، عرش کے باشندگاں
کُرسی اُس گھر کی جو کچھ رکھے ہے قدر و منزلت
دیدہٴ تحقیق میں، یہ عرش کا پایہ کہاں
سطح پر اُس کی، ملک پھرتے ہیں با ذوقِ تمام
صحن میں کرتا ہے روح القدس مُجراجل کے واں
اُس کی قندیل و چراغ آگے، یہ خورشید و فلک
جوں چراغِ مضطرب، یک قمقمے کے درمیاں
شعلہٴ کہِ طُور سے کیا کم ہے اُس روضے کی شمع
دونوں آپس میں ہیں گویا خِلقتِ یک دُودماں
عالَمِ لاہُوت ہو اُس کی نگہ کا سیرگاہ
دیویں جس اَعمیٰ کو گر داُس کی اگر یک سُرمہ داں
ہے عنایات و کرم کا مَبدءٴ عالم میں وہ قصر
دستِ فیضِ جاری، اُس کی سَقف کا ہے ناوداں
مُلتجی اُس در پہ ہر یک صبح محتاج و غنی
مُلتمس ہر شام درباں سے، گدا و خسرواں

کیا بتاؤں، ہے جو کچھ اُس کے رِکتا بے کو شرف
جس کو سمجھے وہم ، رشک سرنوشتِ مُرسلاں
کھولے یک ناخن سے وہ، کارِ دو عالم کی گرہ
معجزہ، محراب سے اُس در کی ہوتا ہے عیاں
ایک دن پوچھا مرے دل نے یہ پیرِ عقل سے
کس نکیں سے یہ شرف رکھتا ہے کہ تو، وہ مکاں
یہ کہا سُن کر، معاذاللہ ! اے ناداں، خموش!
کیوں کٹایا چاہتا ہے خلق سے میری زباں
مطلق اِس معنی سے آگاہی نہیں میرے تئیں
مجھ پر اس تحقیق کا مت رکھ یقیں بلکہ گماں
واقفِ اَسرار اُس کا کون، چھُٹ اسرارِ حق
راز کا اُس کے، نہیں جُز رازِ حق کے، رازداں
لیکن اِتنا تجھ سے کہتا ہوں، اگر ہے تجھ کو ہوش
سُن کے یہ، کرلے اِسی سے اپنی تو خاطر نشاں
کعبے کو بُت خانے سے ہرگز نہ کرتا کوئی فرق
گر نہ ہوتا اُس کا واں پائے تولّد درمیاں
یہ سخن نکلا زباں سے جوں ہی پیرِ عقل کی
سُنتے ہی اِس حرف کے، دل نے کہا اُس سے کہ ہاں
بس یدُ اللہ، بے شک و لاریب، بازوے نبی
قوتِ ہر یک ضعیف و طاقتِ ہر ناتواں

گوہرِ بحرِ حقیقت ، لعلِ کانِ معرفت
نورِ مہرِ لامکاں ، چشم و چراغِ قدسیاں
اُس کی شمعِ رائے سے ، روشن ہو جس جا گہ چراغ
عقلِ کُل گرد اُس کے بال افشاں پھرے پروانہ ساں
اُس کی چشمِ فہم کے آگے ، سدا اپنے تئیں
ہے دو عالم میں جو کچھ مخفی ، سو رکھتا ہے عیاں
گر حقیقت کے چلے پردے کی سمت اُس کی نگاہ
نکلے ہے اُدھر سے استقبال کو رازِ نہاں
بار جب کرتے ہیں بخشش اُس کی سائل کے لیے
اِس قدر ہوتا ہے تب طُولِ قطارِ بختیاں
قصد جانے کا کیا چاہے اگر اُس طول کے
اِس سرے سے اُس سرے تک پیکِ وہم ناتواں
اِس قدر ماندہ ہو ، پہنچے اُس کے گر عشرِ عشیر
تا ابد چاہے کہ اُدھر سے پھرے ، طاقت کہاں
لاجِپکی ہووے عمل میں وہ جو منہیات ، خلق
حکم اُس کا ، بازگشت اُس کی یہ گر ہووے رواں
کان کے پردے تلک پہنچی ہوئی صوتِ غنا
پھر کے اُدھر سے ، چلے سوئے دہانِ مُطرباں
کھینچ کر اپنی شرائیں سے ، شرابِ خوردہ کو
دانۂ انگور کے شیشے میں کر دیں مے کشاں

اُس کے حفظِ عدل میں، ہے کس توانا کی مجال
دیکھ سکتا ہو حقارت سے جو سوے ناتواں
بند و بست ایسا ہے عالم میں کہ تارِ عنکبوت
کرگدن کے واسطے رکھتا ہے حکمِ ریسماں
اِس قدر رکھتی ہے صَولت، اُس کی شمشیرِ دوسر
گر صفِ اعدا میں جا کر کیجیے اُس کا بیاں
ڈال دیں روئیں تن، اُس ہنگام میداں میں سپر
مُو سے باریک اپنی گردن کو بتا دیں سرکشاں
کب ہو جلّادِ فلک میں اُس گھڑی یارائے نطق
ہونٹھ لاگے چاٹنے، لکنت کرے مُنہ میں زباں
اُنگلیاں اُڑ جادیں، دم پر اُس کے، دستِ وہم کی
آب داری اُس کی گر کیجے تیا ساگ امتحاں
کس میں یہ قدرت جو کوئی مُنہ پر اُس کے آسکے
آشنا ہووے گر اُس کے عکس سے آبِ رواں
دھار پانی کی وہیں لیتی زمیں کے قطرے کو
کاٹ کر، اُدھر ہو نکلے، پردۂ تُنہ آسماں
صورِ اسرافیل سے کچھ کم نہیں اُس کا نیام
نکلے وہ اُس میں سے تو شورِ قیامت ہو عیاں
جتنی ہے جمعیّتِ افلاک، ہووے منتشر
تاب کیا؟ باہم رہیں اجزائے ارضی تو اماں

کیا بتاؤں، جس قدر اُس کی بُرِش میں ہے صفا
کیا کروں میں زورِ بازوِ اپنے مولا کا بیاں
روزِ میداں سامنے آوے گر اُس تن کا عدو
کوئی نہ گر دوں سا جس کے سر کا ہووے اُستخواں
جب کمر سے کھینچ کر، مارے وہ اُس کے فرق پر
موے سر سے ناخنِ پا تک نہ ٹھہرے درمیاں
ہے غرض جوہر تو یہ اُس کا، جو کچھ تم نے سُنا
شکل و نام اُس کا بتاؤں کیا تمھیں اے دوستاں
ہے وہ انگشتِ قضائے مُبرمِ اعدا کے لیے
ذوالفقار اُس کے تئیں کہتے ہیں لیکن مردماں
اُس کے توسن کا جو پوچھا خامے سے وصفِ جمال
پڑھ کے یہ مطلع، کہا، معذور ہوں اے مہرباں

مطلعِ چہارم

حسن و لطف آشفتگی کا جس کے کانوں کا بیاں
باغ میں سوسن نہیں کر سکتی با چندیں زباں
دیں خراج آنکھوں کو جس کی، چشمِ خوبانِ عرب
باج دیویں یال و دُم کو، زلفِ جعدِ مہ وشاں
اُس کے تشبیہے کو سمجھ کر قہقہہ، کہتی ہے خلق
کیا یہ چرتا ہے بہ جائے کاہ، کشتِ زعفراں!

خوش کمر اتنا کہ جوں پیوستہ ابرو میں ہو خال
جائے زیں ہے یہ گریبان و کفل کے درمیاں
خوش بدن از بس کہ ہے، جوں اخترِ چرخِ کبود
جِلد کے نیچے سے ہر قطرہ لہو کا ہے عیاں
نقشِ سُم جس دشت پر ہو اُس کی جست و خیز کا
دیں غزالانِ حرم تک، نعل بندی آ کے واں
گرم ہووے وہ پری پیکر، تو اس کا حُسن و لُطف
دیکھے سُو جانے، سنے سے کس کے ہو خاطر نشاں
ہر گُلِ رنگِ حنا پر یوں عرق دے ہے بہار
لالہ زار اوپر ہو شبنم جس طرح گوہر فشاں
ہے چَلا دے میں یہ اُس گُل گوں کی دم داری کا لطف
جوں پَوَن بہنے سے، لہراتا ہو سروِ بوستاں
جب قدم رکھتا ہے وہ محبوب، تب ہر گام پر
صدقے کرتے ہیں خرامِ ناز اپنا دل براں
ٹک اُچک جاوے عناں اِس میں جو قاشِ زین سے
اِس طرح اُڑ جائے، جوں چہرے سے رنگِ عاشقاں
گر صفِ اعدا پہ سیدھا ہو، تو جوں تیرِ تفنگ
ڈانٹیے اُس کو، تو پہنچے پیشِ آوازِ دہاں
پر غلط ہے یہ، کوئی اُس کو ڈَپٹا دے کس جگہ
صفحۂ روئے زمیں کا اس قدر عرصہ کہاں

ہو اگر یہ شرق میں اور سامنے ہو اس کے غرب
تک اسے راکب کہے اُس وقت اِتنا ہی کہ ہاں!
پہنچنے پا دے ہوائے ہاں، نہ مُنہ سے تا بہ لب
پہنچے ہے یہ بادِ پیما، یاں سے واں اور واں سے یاں
پس جو ایسا ہو، تو کر سکتا ہے کوئی اُس کا وصف
جُز درود، اُس کی ثنا میں کیا کہے میری زباں
سُن چکا سودا! زباں سے میری، اس مرکب کے وصف!
اُس کے راکب کی ثنا و مدح اور تیرا دہاں!
ہے کروڑوں کوس شعر و شاعری سے اُس کی مدح
دیکھیو، کرتا ہو یاں زورِ طبیعت امتحاں!!
مرتبہ ہے جس جگہ اُس کا، خیالِ عقلِ کُل
پہنچنے کا قصد واں رکھے، تو ڈھونڈے نردباں
وہ جنابِ عالی ایسا ہے کہ جس کی مدح میں
ہو سکے آدم کی خلقت سے کوئی رَطبُ اللّساں!
اِنّما کی آیہ نازل ہونے سے پیدا ہے یہ
مدح میں اُس کی ہے خلّاقِ زمین و آسماں
یہ سخن سُن کر، کہا میں نے کہ یاں تک اے قلم!
دُور عقل و ہوش سے میرے تئیں مت کر گُماں
ہے یہ تیرا ہی خیال ایدھر کہ میں کرتا ہوں مدح
مور سے، ہیہات! کب وصفِ سُلیماں ہو بیاں

ہے غرض اِس نظم سے اتنی ہی، کچھ تا کیجیے
عرض اپنے حال کی نزدِ شہِ ہر دو جہاں
یا وَلیَ اللہ! ہے مجھ پر تیقّن گرچہ یہ
ہے وہ کیا مخفی جہاں میں، جو نہیں تجھ پر عیاں
لیکن از بس جَورِ گردوں نے کیا ہے مجھ کو تنگ
مضطرب ہو کر، میں اپنا حال کرتا ہوں بیاں
آفتِ نَو گر بہم پہنچے کسی کے واسطے
بھیجتا ہے اُس کو، یہ مجھ پر، برائے امتحاں
خانۂ چشمِ خلائق سے اُٹھا کر خواب کو
ہیں جہاں طالع مرے، دیتا ہے اُس گھر میں مکاں
ہر کسی کے بھیجے ہے اَوجِ سعادت کے لیے
مُژدِ دینے کہ ہُما کو، میرے مُشتِ استخواں
گلشنِ اُمّید سے لے کر نسیمِ صُبح دم
دے چراغِ بخت کو میرے ہمیشہ ارمغاں
گوش زد میرے نہ کی ان نے کبھی آوازِ خوش
جب سے میں نے آ کے دیکھا ہے جہاں کا گلستاں
بانگِ چُغدِ دشت کر دیتا ہے، اس کا انقلاب
سَمع تک پہنچے اگر میرے نوائے بُلبُلاں
کب تلک بے امتیازی کیجیے اِس ملعوں کی ذکر
تا کُجا اِس کے جفا و جور سے کیجے بیاں

ڈالتا ہوں جس طرف بُنیاد اپنے گھر کی میں
اُس طرف کرتا ہے یہ سَیلِ خرابی کو رواں
گرچہ ہوں بے خانماں اُس کی عداوت سے، ولے
خوش ہوں میں، نے رنجِ دربستن، نہ فکرِ پاسباں
پر مجھے ہے دغدغہ اِتنا کہ یہ ظالم کہیں
سرزمینِ ہند کو سونپے نہ میرے استخواں
اے شہِ دُنیا و دیں! تجھ سے ہے میرا اک سوال
مطلعِ پنجم سے ہے اِس نظم میں جس کا بیاں

مطلعِ پنجم

تجھ ہِمَم سے نفع کو پہنچے زمین و آسماں
مہر و مہ، لیں سیم و زر اور لعل و گوہر، بحر و کاں
کچھ عنایات و کرم سے اپنے مجھ کو بھی دِلا
لیکن اِس دادو ستد کی شرط ہے یہ درمیاں
خواہشِ دل کے موافق اپنی، جو چاہوں سو لوں
ورنہ جو ہمت ہے تیری، کیا کروں اُس کا بیاں
مانگے جو زیرے کا دانہ، پاوے وہ کرماں کا مُلک
چاہے جو طوطی کا پَر، اُس کو ملے ہندوستاں
ایسی بخشش کے کہیں عُہدے سے بر آتا ہوں میں
تیری ہمت کے موافق لوں، تو میں رکھوں کہاں

ہاں مگر یوں ہو کہ تیرا پنجۂ معجز طراز
ایک مٹھی بیچ کر دیوے مجھے دونوں جہاں
اور بعد از مرگ ہو، یا شاہِ دیں! مُشتِ عبیر
واسطے جیب و کفن کے، تیری خاکِ آستاں
پر مرا مطلب تو یہ کچھ ہے کہ تیرے در سوا
سر فرو لاؤں نہ میں پیشِ درِ نوّاب و خاں
اِس سوا اور کیا تمنّا ہے، کروں میں جس کو عرض
چیز کیا ہے مایۂ دُنیا بہ پیشِ عاقلاں
کر تو سودا، اب قصیدے کو دعائیہ پہ ختم
گو خطاب اِس کو دیا ہے تو نے "بحرِ بے کراں"
تا کہ ہیئت کو زمانے کی ہے، یا مولا، قرار
مُنجمد جب تک ہیں اجزائے زمین و آسماں
دوستوں کو تیرے نِت اَوجِ سعادت ہو نصیب
خاکِ ذلّت سے رہیں یکساں، ہمیشہ دشمناں

در منقبتِ حضرت علیؑ

یار و مہتاب و گُل و شمع ، بہم چاروں ایک
مَیں ، کتاں ، بُلبل و پروانہ ، یہ ہم چاروں ایک
ہے مجھے ابر وہَوا ، شیشہ و جام اب ، کہ ہوئے
گریہ و نالہ ، دل و دیدۂ نم ، چاروں ایک
یار ہی کُلبۂ احزاں میں نہ ہووے ، تو ہمیں
خلوت و شمع و دل و داغِ الم ، چاروں ایک
آہ ، کس کس سے بچے دل کہ ہوئے ہیں تیرے
غمزہ و ناز و ادا ، عشوہ ، صنم ! چاروں ایک
بادِ تُند و شرر ، برق و خس و خار ، اے یار
خُو تری خلق ہوئی ، ہو کے بہم چاروں ایک
یار ! اُس کو ، ہے جسے تجھ سے رضا و تسلیم
لُطف و اشفاق ترا جور و ستم ، چاروں ایک
جس کے تو پاس نہ ہووے ، تو اُسے عالَم میں
مجلس و شادی و تنہائی و غم ، چاروں ایک
سبزہ و ابر و ہَوا ، گُل ، نہ سدا ہوں یک جا
ساقیا ! جام ، کہ ہیں یہ کوئی دم ، چاروں ایک

ان کے نزدیک، جو ہیں خاک نشینِ درِ یار
مسندورُوے زمیں، تخت و کُلَم، چاروں ایک
زاہد و پیرِ مُغاں، برہمن و شیخ، اے یار
دل میں رکھتے ہیں ترے ہاتھ سے غم، چاروں ایک
کر دیا پل میں کرشمے نے تری آنکھوں کے
مسجد و مے کدہ و دیر و حرم، چاروں ایک
خرد و ہوش و دل و دین، کرے ہیں پیدا!
دیکھ کر یار تجھے، صورتِ رم چاروں ایک
کاغذ و خامہ و تحریر و مُرکّب، سوؔدا!
ہو کے، کہتے ہیں بہ یک اہلِ کرم، چاروں ایک
شاہِ مرداں! تری خِلقت جو نہ ہوتی منظور
ہوتے عُنصر نہ کبھو مل کے بہم چاروں ایک
دشمن و دوست، بد و نیک، زمانے کے بیچ
حکم رکھتے ہیں ترے پیشِ کرم، چاروں ایک
ماہِ نو، پشتِ فلک، قوسِ قُزَح، تیرِ شہاب
بارِ احساں سے ترے، رکھتے ہیں خم چاروں ایک
خلق سمجھے ہے کہ ہیں نزد تری بخشش کے
اشرفی، روپیا اور دام و درم، چاروں ایک
یہ غلط فہمی ہی ہے، ورنہ تری ہمت پاس
دُرِّ مکنون و خزَف، قطرہ و یَم، چاروں ایک

طبعِ انساں میں، ترے عدل سے، رکھتے ہیں اثر
حنظل وآبِ بقا، شربت وسم، چاروں ایک
ستم وظلم وتعدّی وجفا، نام سے
ہو کے آپس میں، گئے سوے عدم چاروں ایک
آفت وقہر وبلا وغضب، آفاق کے بیچ
ہو کے پوجے ہیں، تری تیغ کا دم، چاروں ایک
درپے عدل ہے اتنی، جو لگے وہ دُو پر
ناپے اُن کو، تو نہ بیش و نہ کم، چاروں ایک
حکم رکھتے ہیں بہ میدانِ سخن تیرے پاس
نیزہ و تیرِ قضا، سیف و قلم، چاروں ایک
شیر و پیل و بُز و روباہ، ترے آگے سے
بھاگ جانے میں ہیں، دُم کرکے عَلَم، چاروں ایک
رنگِ عُشاق وہوا، برق، زمانے کے بیچ
تیرے توسن کا، ہوئے مِل کے، قدم چاروں ایک
وہم واندیشہ، خیال اور وہ معشوق نژاد
رکھتے ہیں قطعِ مسافت میں یہ دم چاروں ایک
انوری، سعدی وخاقانی و مدّاح ترا
رتبۂ شعر وسخن میں ہیں بہم چاروں ایک
ایک ڈنکا ہے اب اقلیمِ سخن میں ان کا
رکھتے ہیں زیرِ فلک، طبل وعلم چاروں ایک

سخن و نطق و زباں اور فصاحت اِن کی
سُن کے سحباں کہے نے (بے ؟) لا و نعم، چاروں ایک
عیب بیں ہو کے جو دیکھے کوئی اِن کے اشعار
آنکھیں اُس شخص کی اور گوشِ اَصم، چاروں ایک
جوہری ہوئے جو بازارِ سخن کا، سو کہے
قدر و قیمت میں ہیں باہم یہ رقم چاروں ایک
شیشے موتی سے نہیں کام کسو کے ان کو
ہو کے، اِس بات پہ کھاتے ہیں قسم، چاروں ایک
ہجو گر اِن کی ہو منظور کسی شاعر کو
کر جُدا ایک کو اِن سے، کہے، ہم چاروں ایک
کر دُعا یہؔ پہ سودا تو سخن ختم کہ ہیں
اثر و وقت و زباں، دست، بہم چاروں ایک
یا الہٰی! طرب و جشن و نشاط و ممدوح
رہیں آفاق میں تا حشر کے دم چاروں ایک

در منقبتِ امیر المومنین (حضرت علیؑ)

اُٹھ گیا بہمن و دَے کا چمنستاں سے عمل
تیغِ اُردی نے کیا مُلکِ خزاں مُستاصَل
سجدۂ شُکر میں ہے شاخِ ثمر دار ہر ایک
دیکھ کر باغِ جہاں میں کرمِ عزَّ وَ جلّ

قوّتِ نامیہ لیتی ہے نباتات کا عَرض
ڈال سے پات تلک، پھول سے لے کر تا پھل
واسطے خِلعتِ نَوروز کے، ہر باغ کے بیچ
آبجُو، قطع لگی کرنے روش پر مُخمل
بخشتی ہے گُلِ نَورُستہ کی رنگ آمیزی
پوششِ چھینٹِ قلم کار، بہ ہر دشت و جَبل
عکسِ گُل بُن یہ زمیں پر ہے، کہ جس کے آگے
کارِ نقّاشیِ مانی ہے دُوُم، وہ اوّل
تارِ بارش میں پروتے ہیں گہرہائے تگرگ
ہار پہنانے کو اشجار کے، ہر سو بادل
بارسے، آبِ رواں، عکسِ ہجومِ گُل کے
لوٹے ہے سبزے پر، ازبس کہ ہُوا ہے بے کل
شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہنچی ہے
شمع ساں، گرمیِ نظّارہ سے، جاتی ہے پگھل
جوشِ روئیدگیِ خاک سے کچھ دُور نہیں
شاخ میں گاوِ زمیں کی بھی جو پھوٹے کونپل
دمِ عیسیٰ سے فزوں، فیضِ ہوا ہے یاں تک
دِین میں، قسمِ جمادات سے شاید ہو خلل
فکر رہتی ہے مجھے یہ کہ زباں سے اپنی
کہیں دعوائے خدائی نہ کریں لات و ہُبَل

حدِ ایّام کے پیش، از مددِ نامیہ سے
بچّۂ مُرغِ چمن، تُخم سے آتا ہے نکل
سبز ہوتا ہے فصیحی کے سخن پر ہر بار
جو زباں سے سخن اب طوطی کی آتا ہے نکل
دستِ گُل خوردہ و شاخِ گلِ گُل زار، بہم
بہ جہاں نشو و نما کرنے میں ہیں ضربِ مثل
غنچے پر کچھ نہیں موقوف، عجب فصل ہے یہ
گُل بہم پہنچے ہے، عُقدہ ہو کسی طرح کا حل
آوے ہے اب کے نظر لاکھ طرح کا وہ گُل
اُن گلوں چھُٹ، جو نگہ کے ہیں سدا مُستعمل
یاسمن رنگ جو رکھتی ہے خزاں سے مانا
چاہتی ہے بہ سماجت، کرے سبزے سے بدل
چشمِ نرگس کی بصارت کے زبس ہے درپے
غنچۂ لالہ نے سُرمے سے بھری ہے مکحل
اِس قدر محوِ تماشا ہے کہ نرگس کی طرح
چشمِ سیّار، گلستاں میں جھپکتی نہیں پل
آبجو، گردِ چمن، لمعۂ خورشید سے ہے
خطِّ گُل زار کے صفحے پہ، طِلائی جدول
سایۂ برگ ہے اِس لطف سے ہر یک گُل پر
ساغرِ لعل میں جوں کیجے زمرّد کو حل

سنگ نے رتبۂ آئینہ کیا ہے پیدا
تیغِ کہسار ہوئی بس کہ ہوا سے صیقل
برگ برگِ چمن ایسی ہی صفا رکھتا ہے
گل کو دیکھو، تو نگہ جا رہے سُنبل پہ پھسل
لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم
پانو رکھتی ہے صبا، صحن میں گلشن کے سنبھل
اتنی ہے کثرتِ لغزش بہ زمینِ ہر باغ
جو ثمر شاخ سے اُترا، سو گرا سر کے بھل
فیضِ تاثیرِ ہوا ہے یہ کہ اب حنظل سے
شہد ٹپکے، جو لگے نشترِ زنبورِ عسل
دانہ جس شور زمیں پر نہ پھلا دہقاں سے
سبز داں دانہ، شبنم سے ہوا ہے جنگل
کِشت کرنے میں، ہر اک تخم سے، از فیضِ ہوا
گرتے گرتے بہ زمیں، برگ و بر آتا ہے نکل
سبز فام اِن دنوں آتا ہے نظر ہر گل رُو
خواہ ہو شیخ پسر، خواہ وہ فرزندِ مُغل
جوہری کو، چمنستانِ جہاں میں اِس فصل
آ گیا لعل و زمرد کے پرکھنے میں خلل
تا کجا شرح کروں میں، کہ بہ قولِ عُرفیؔ
"آخگر از لطفِ ہوا، سبز شود در منقل"

نسبت اِس فصل کو، پر، کیا ہے سخن سے میرے
ہے فضا اِس کی تو دو چار ہی دن میں فیصل
اور میرا سخن، آفاق ہیں، تا یوم قیام
رہے گا سبز بہ ہر مجمع دہریک دنگل
تا ابد طرزِ سخن کی ہے مرے رنگینی
جلوۂ رنگِ چمن، جائے گا ایک آن میں ڈھل
نام تلخی نہیں مجھ نُطق میں، جزُ شیرینی
یک طرف نار، گلستاں میں ہے، یک سو حَنظل
ہیں بَرو مند سخن وَر مرے ہر مصرع سے
مصرعِ سَرو سے پایا ہے کسی نے بھی پھل؟
ہو جہاں کے شُعَرا کا، مرے آگے سرسبز
نہ قصیدہ، نہ مُخمّس، نہ رُباعی، نہ غزل
ہے مجھے فیضِ سخن اُس کی ہی مدّاحی کا
ذات پر جس کی مُبرہن کُنہِ عَزَّ وَ جَل
مِہر سے جس کی، مُنوّر رہے دل جوں خورشید
رُو، سیہ، کینے سے جس کے، رہے مانندِ زُحل
بُغض جس کا، کرے جوں مُور، سُلیماں کو ضعیف
مُور کو، حُب سے ملے جس کی، یَلوں کا سا بل
جائے وصلت بہ نبی، جس کو نہ دی غیر از عرش
فرشِ گل زارِ زمیں، حق نے سمجھ مُستعمل

شیرِ یزداں، شہِ مرداں، علیِ عالی قدر
وَصیِ ختمِ رُسُل، اور امام اوّل
خاک نعلین کی جس کے، مددِ طالع سے
پہنچے اُس شخص کو، جو شخص ہوا عمائے ازل
وہ نظر آئے اُسے، دہر کی بینائی سے
رہ گیا اور رہے گا جو ابد تک اوجھل
مدحِ غائب سے کھُلے اُس کے نہ مدّاح کا دل
رُو بہ رُو مطلعِ ثانی سے یہ ہو عقدہ حل

مطلعِ دوم

دید تیرا بہ دوئی حق سے، نگہ کا ہے خلل
ایک شے، دو نظر آتی ہے، بہ چشمِ اَحْوَل
تیری قدرت بہ جہاں، قدرتِ خالق کے لیے
خلق کے وہمِ غلط کار میں ٹھہری ہے مثَل
مرضیِ حق، تری مرضی سے ہے جوں جوہرِ فرد
اِس یقیں میں، نہ گُماں کر سکے زنہار خلل
علم تیرا نہیں کچھ علمِ خُدا سے باہر
ہے عمل بھی وہی تیرا، جو خُدا کا ہے عمل
رائے تیری کے موافق جو نہ لکھّے نُسخہ
کرے تاثیر نہ عیسےٰ کا مُداوا بہ کسَل
سر کے پیکان نہ قبضے سے کماں کے سرِ مُو
ہو اشارہ جو ترا تیرِ قضا کو کہ نہ چل

ٹک تری مرضی سے باہر جو کرے کار، جہاں
ہاتھ سے کام زمانے کے وہ ہیں جائے بچل
معنیِ علّتِ غائی جو نہ ہو تو اِن کا
خانۂ ہر دو جہاں، پھر ہوں دو بیتِ مُہمل
سایے میں دستِ کرم کے ترے، ہر صُبح و مَسا
دولتِ ہر دو جہاں سے ہو غنی، عبدِ اَقل
دین و دُنیا کی ہے اشیا سے کہیں وہ اعلا
ہو وے جو شَے تری اشیا میں سبھوں سے اَسفل
جو گدا ہے بہ جہاں تیرے گدائے در کا
اُس کے در کا وہ گدا، کہیے جسے اہلِ دَوَل
ایسی بخشش نہ ہوئی تجھ سے کہ جس کی بہ شُمار
حدِ تعداد ہے جتنی نہ ہوئی ہو فیصل
وصف تجھ تیغِ دوسر کا میں کروں کیا شہِ دیں!
دِل مُحبّوں کے جو میداں میں کرے ہے صیقل
اُس کے قبضے پہ جو ہو دستِ مبارک تیرا
نہ رہیں دینِ محمدؐ کے سوا اور مِلَل
کھینچ اُسے، گر تو عدو پر کرے میداں میں نہیب
استقامت کا زمانے کی، قدم جائے نکل
عَرض میں سے دو طرف ہو کے لگے بہنے طُول
پڑے دریا میں، جو وہ تفرِقہ پرداز، اُگل

جمع کب رہ سکیں اعدا کے حواسِ خمسہ
دیکھ کر اُس کو عَلَم ہاتھ میں تیرے یک پل
توأم اَجزا جو مَوالید کے ہیں یک دیگر
مُنجمد رہنے میں اُن کے وہیں آجائے خلل
نرم اور سخت مُساوی ہے، کسو پر آوے
خواہ بر روے قَرَ خواہ وہ بر پُشتِ جَبَل
اُس کو آسیب نہیں صورتِ شمشیرِ قضا
نہ جَھڑے وہ، نہ مُڑے وہ، نہ پڑے اُس میں بل
زیرِ راں ہے جو ترے رخشِ فلک سَیر، شہا!
ہے وہ محبوب، جسے کہیے نہایت اَچپَل
شکل کیا اُس کی بتاؤں کہ جسے شوخی سے
دا ٹرے پیچ تصوّر کے نہیں پڑتی ہے کل
اُس کی سر چوٹی کا میں حُسن کہوں کیا، جس کے
زُلفِ معشوق کا، دیکھے سے، نکل جاوے بل
یَرغہ وگام سے باہر ہے کچھ اُس کی رفتار
ہے چھلاوے کی طرح چال میں اُس کی چھل بل
یَلہ وہ ہاتھ سے شاطر کے اگر ہو جاوے
پڑ سکے پیچھے نہ اُس کے کوئی، جز اُس کے کَفَل
جَست وخیز اُس کی بیاں کیجیے گر پیشِ حکیم
اعتقاداتِ حکیمانہ میں آجائے خلل

قاشش سے زین کی، ذرّہ جو اُچک جائے عناں
مارے، جوں روے زمیں، پُشتِ فلک کو وہ کھندل
میخ سے نعل کی اُس کے، میں اگر دوں تشبیہ
کرے دوّرے کو تمام اپنے بہ یک آن زُحل
اُس کی جلدی کا تو کیا ذکر ہے، سبحان اللہ!
نسبت اُس کی، فرس ایسا، کہ جسے کہیے اجل
توسنِ وہم کو دوڑائیے ساتھ اُس کے، تو ہو
بازگشت اُس کی تمام، اس کے بہ گامِ اوّل
خانۂ زین کب اُس کا ہے کم از بیتُ اللہ
تجھ سے معنی کی نشَست اُس میں ہو جب روزِ ازل
ہیبتِ عدل یہ تیری ہے کہ ہر دشت میں شیر
واسطے دردِ سر آہو کے، گھِسے ہے صندل
سامنے بُز کے یہ کیا دخل کہ نکلے آواز
گُرگ کے پوست کو منڈھوا کے بجائیں جو دُہل
مَوردِ سنگ ہو شیشہ، تو غضب سے کردے
کوہ کو ہر دو کفِ دست میں مَل کر، خَردَل
مَعدِلَت کیش تری ذات ہے ایسی، شاہا!
آنچ سے آگ کی ٹک خَس میں جو آجاوے بَل
کُرۂ نار، تجھ آتش سے غضب کی جل کر
چشمِ لُولیِ فلک کے لیے ہووے کاجل

مرغِ زرّینِ فلک، عہد میں تیرے شاید
بوجہ کردانہ، گیا ہے کسی اختر کو نگل
تار تار اُس کے جو یہ بال و پر آتے ہیں نظر
بازِ قدرت نے ترے، پنجے سے ڈالا ہے مسل
ذکر آذکار ترے حفظ کا گر آ جاوے
کسی محفل میں بہ تقریب، زباں پر یک پَل
شعلۂ شمع کی گرمی سے، یقیں ہے دل پر
شب سے تا صبحِ قیامت، نہ سکے موم پگھل
امر سے نہی کے تیری، بہ جہاں، یا شہِ دیں!
کام پہنچا ہے مَنا ہی کا بھی یاں تک بہ ذَلَل
کہ حیا سے بہ چمن غنچہ سرا پنا، کیا دخل
نسبتِ شکلِ صُراحی سے، اٹھا دے یک پل
جب سے گل بولتے، بُلبُل نے رقماری کو سُنا
عشقِ گُل تب سے دھویا کرتی ہے دل سے مَل مَل
جوش میں آئے یہ کیا معنی، بہ خُم، لائے شراب
چشمے سے، مَیں یہ ڈرتا ہوں، نہ سکے آب اُبل
رقص بے دخل کچھ اب روئے زمیں پر ہی نہیں
بیچھے لُولیِ فلک کے بھی نہ باجے مَندل
کیونکے آوازِ مُغنّی ہو گلے سے باہر
شرم سے، ساز کے پردوں میں رَغنا ہے اوجھل

امرِ حق سے جو ملائک نے یہ چاہا، سو نہیں
حلم کا بار ترے، کوہ و فلک کو بہ ازل
عرض دونوں نے کیا یوں بہ جنابِ اقدس
بوجھ اِس میں ہے بہت، ہم ہیں گرفتارِ کَسَل
آخرش تجھ کو ہی پایا مُتحمّل اُس کا
جب یہ دیکھا کہ کسی سے نہیں سکتا ہے سنبھل
دشتِ ارژن میں جو سلماں کو ملی تجھ سے نجات
کچھ ترے وصف سے نسبت نہیں رکھتا یہ عمل
گر اِسے کر کے بیاں، سمجھوں ثنا کی میں نے
خلق سمجھے گی، دماغ اِس کا ہوا ہے مُختل
جنبۂ سا جو کوئی در کا اسد اللہ کے ہے
کلّۂ شیر کو، ندبہ کی نہ سمجھے پشکل
محرمِ کُنہ جو تیرا ہو، کرے تیری مدح
سو تو جُز علمِ خدا، علم ہے سب کا مُہمل
وصف تیرے کی ہے شایان زباں تیری ہی
سمجھے تو آپ کو، یا تجھ کو خُداوندِ اَجل
مدح اپنی نہ سمجھ، یہ جو کہا میں، اِس سے
رُتبہ تجھ ہجو کا اعلا ہے، سخن یہ اَسفل
عرضِ احوال ہے اپنا ہی مجھے اِس سے غرض
تا بہ آخر جو یہ موزوں مَیں کیا از اوّل

سو تو وہ کیا ہے، رہا ہووے جو تجھ سے مخفی
نہیں رازِ دو جہاں تیری نظر کے اوجھل
سب کا احوال ترے پیشِ ضمیرِ روشن
ایک سے دونوں ہیں، کیا ماضی و کیا مستقبل
پر کروں کیا میں کہ ہے آٹھ پہر دل میرا
گردشِ چرخ سے، جو شیشۂ ساعت بے کل
نہ تو روزانہ مجھے اِس سے خورِش کا آرام
نہ مری چشم میں خواب اِس سے شبانہ، یک پل
کہی جاتی نہیں وہ مجھ سے، جو اِس ظالم نے
جس طرح کی مرے اوقات میں ڈال ہلچل
لابٹھایا مجھے، گھر بار چھڑا، لشکر میں
پالِ بے چوب تلے اپنے، بغیر از پرتَل
اِس ستم گار سے جب زور مرا کچھ نہ چلا
تب میں ناچار کہی شکوے میں اِس کے، یہ غزل

غزل

داد کو کس کی فلک پہنچے، کہ از روزِ ازل
صبح جو نکلے ہے خورشید، تو ہے کر مشعل
سامنے اِس کے، اُٹھے دستِ تظلّم اُس کا
جوہرِ عقل میں جس شخص کے آجائے خلل
خود یہ ظالم ہے، تظلّم پہ کرے کس کے نظر
دانہ فریاد کرو، آسیا ڈالے ہے دَل

راست کیشوں سے کجی اتنی ہے اِس ملعوں کو
کہ دیا سرو کو اِن نے نہ کبھو پھول، نہ پھل
سات یہ فتنے ہیں، کہتے ہیں جسے ہفت فلک
ایک سے ایک بڑا، ایک کے اک زیرِ بغل
میں یہ دیکھا نہ، کہ از نخلِ حیاتِ انساں
برے آوے عمل اِس کا کبھو اُمّید و اَمَل
ہے کہیں مہر و کہیں کیں جو اِسے عالَم سے
علم اس کا ہے عجب عُقدۂ مَالَا یُنحَل
اِس ستم گر کے تلوّن سے، بہ عالم ہرگز
شادی و غم میں نہ دیکھا مَیں تفاوُت یک پل
سینہ کوٹے ہے، نکلتے ہی وہ دروازے پر
گر کسی گھر میں کوئی جا کے بجاتا ہے ڈُہل
حلقہ مارے یہ وہ اَفعی ہے مُحیطِ عالَم
زہر کا جس کے نہیں ہے کوئی پا زہر، بدل
فی الحقیقت ہیں یہ سب آبلے، اختر نہ سمجھ
اِس کے اندام پہ، مہتاب سے لے تا بہ زُحل
زہر اپنے کو، جو ہیبت سے تری یا حیدر!
آپ پیتا ہے، گیا ہے بدن اِس کا سب پھل
کرکے دریافت اِس اَحوال کو، اب یا مولا!
تجھ سے یوں عرض کرے ہے یہ ترا عَبدِ اَقَل

یہ نہ کر مجھ پہ گوارا کہ گزند اِس کے سے
ہند کی خاک میں اَجزاے بدن جادیں گل
جلد پہنچا بہ زمینِ نجف اِس عاصی کو
کہ اِسے عمرِ ابد ہے وہ، جو واں آئے اجل
یاں مَعاش اپنی نہ سمجھوں ہوں، نہ میں اپنی مَعاد
اَخذ و جَر میں ہوں بد و نیک سے با مکر و دَغل
تجُھ سے جز راستی کیا عرض کیا جاتا ہے
علم میرا ہے یہ علم، اور عمل ہے یہ عمل
مجھ کو کچھ عُذر نہیں اِس میں، ترا ہوں میں غلام
بہُل و تعذیر سے تیری، نہیں سکتا میں نکل
مُدّعا اِتنی عرائض کا مری، ہے یہ عرض
سرِ فرد ہو نہ مرا یاں بہ درِ اہلِ دُوَل
میری قسمت کے موافق تو مُعیّن کر دے
اپنی سرکار سے واں، مَا یَتَحَلّل کا بدل
ہاتھ پھیلائیے جا زیرِ فلک کس کے حُضور
دستِ ہمّت نظر آتا ہے جہاں کا بہ بغل
لیکن اِس امر میں ہے حق بہ طرف خَلقت کے
کر کے جب دیدۂ قسمت سے بھوں کے ادجھل
جوہرِ جود و کرم تھا سو بہ روزِ تقسیم
لکھ گیا ہوئے ترے نام ہی مُنشیِّ ازل

طاقتِ طولِ سخن آگے بھی ٹک سودا کو بخش،
اے قوّتِ بازوے نبیِّ مُرسل
چاہتا ہے کرے آخر دہ دُعائیّہ پر
نظم تجھ مدح کی، بہتر ز کلام اوّل
تا ملے خِلعتِ نَو روز بہ بُستانِ جہاں
پاوے تاثیرِ اعظم، شرف از بُرجِ حمل
برگ پیدا کرے تا باغ میں ہر ایک نہال
پھوٹے تا نامیہ سے، شاخِ شجر میں کونپل
خوشہ، روئیدگیِ خاک سے تا پہنچے بہم
مُور میں، تا کششِ دانہ کا خرمن سے، ہوبل
تا کرے سبزہ، بہ رُخسارِ گُل اندام نمو
تا پڑے سُنبلِ پیچیدۂ محبوب میں بل
تا رہے داغ، دلِ سوختۂ عاشق کو
پھولتا لالۂ خودرُو رہے جب تک بہ جَبَل
بحر میں قطرۂ نیساں سے ہو جب تک گوہر
کڑکے تا وقتِ ترشّح کے، ہَوا میں بادل
لبِ معشوق کو تا شہرہ دیں شاعر بہ شِفا
چشمِ نرگس کے تئیں تا کریں نسبت بہ کسَل
بوے گُل، مست کرے باغ میں تا بُلبُل کو
تا کرے بادِ سحر، عقدے کو غُنچے کے حل

موج ہو آب کی، تا سرو کے پا میں زنجیر
جب تلک طوق، رہے گردنِ قمری کا محل
تالبِ جُو پہ کرے خیمے کو اِستاد، حباب
تا بچھاوے بہ روِش، سبزہ، فرشِ مخمل
شاخ کے ہاتھ میں ہو تا بہ چمن ساغرِ گل
گُل کے جب تک رہے غنچے کی صُراحی بہ بغل
تا بہ مَے خانہ پییں بادۂ گل گُوں مَے خوار
ساتھ مُطرب کے بجے تا دَف و نَے، چنگ و دُہل
پھرے تا باغ میں ہر ایک بہ روِش پر سرخوش
راہ چلتے میں قدم مست کا تا جائے پھسل
مَہ کے پَرتَو سے ہو تا چاک گریبانِ کتاں
گُلِ خورشید سے تا عشق رکھے دانۂ ظَل
قدر ہو عُود کی تا مجمَر و آتش سے فزوں
لطفِ بُو، تا رہے عالَم میں بہ چوبِ صندل
تا مُسمّا رہے یہ نظم بہ "بابُ الجنّت"
جب تلک اِس سے بر آوے مری اُمّید و اَمَل
نخلِ اُمّید سے، تیرے، ہوں بَرومند مُحِب
ہو محبّت نہ تری جن کو، نہ پاویں وہ پھل

قصیدہ در منقبتِ سیّد الشُّہدا حضرت امام حسینؑ

سوائے خاک، نہ کھینچوں گا مِنّتِ دستار
کہ سَر نوِشت لکھی ہے مری بہ خطِّ غُبار
چمن زمانے کا شبنم سے بھی رہے محروم
اگر نہ روئے مرے روزگار پر شبِ تار
کروں ہوں تیز میں دندانِ اِشتہا ہر صُبح
زمانہ سنگِ ملامت سے توڑتا ہے نہار
عجب نہیں ہے کہ جاتی رہی ہو دُنیا سے
زبس خوشی نے مرے دل سے اب کیا ہے فرار
شراب: خونِ جگر ہے مجھے، گزک: لبِ خویش
صدائے نالۂ دل ہے مجھے: ترانۂ یار
رہی نہ شیشۂ صحبت کے بیچ کیفیّت
نِت اُٹھ کے، سنگ لے، اِس سر کا توڑتا ہوں خُمار
زمانہ، دل کو مرے اور عہدِ یار کو، اب
شکست سے نہیں دیتا ہے ایک آن قرار
زبس کہ دل ہے مُکدّر مرا زمانے سے
بجائے اشک، میں آنکھوں سے پونچھتا ہوں غُبار

کہاں تلک وہ کرے روزگار کا شکوہ
کہ جس کے بخت کی سوگند کھائے ہے اِدبار
دلا! اِس اپنے غمِ دل کو نِت غنیمت جان
بدل خوشی سے تو اِس دَور میں نہ کر زنہار
کسو سے یاں غمِ دل یوں نہ لے گیا دوراں
کہ شادیِ مرگ کیا ہو نہ اُس کو آخرکار
جو گوشِ ہوش تو رکھتا ہے، تو برابر ہے
صدائے نغمۂ داؤد و نالۂ دلِ زار
تو سادہ لوحی سے اے دل، جہان ہے کج فہم
کرے ہے راستی اپنی سے ہر زماں گفتار
میں حرفِ حق کو سُنا ہے زبانِ منصور
کہ راست گو کو زمانے میں کھینچتے ہیں دار
عجب نہیں کہ ہے ابلیس اِس سبب مخفی
کہ ہو جیے گا عبث مردمِ جہاں سے دوچار
شبِ گذشتہ، نپٹ درد سے میں تھا بے تاب
گزر کیا چمنِ فکر کی طرف ناچار
سُنی میں ایک غزل بلبلِ طبیعت سے
کہ دل کے لخت گرے چشم سے ہزار ہزار

غزل

نہ پوچھ مجھ سے، کدھر ہے خزاں، کہاں ہے بہار
کہ بلبلِ قفسی کو، ہے گُل سے کیا سروکار

عجب نہیں ہے کہ بادِ سَمُوم ہو جاوے
نسیم گر کرے یک دم مرے چمن سے گزار
نہیں ہے شادیِ بے غم، چمن میں دُنیا کے
کہ چاک کر کے گریباں، ہنسے ہے گل، اے یار
کہاں بہار، کہاں ساقی، اور کہاں ہے شراب
کہاں مُغنّی و مُطرِب، کدھر ہے ناخن و تار
فلک کے ہاتھ سے اتنی بھی وا رہی نہ رہی
کہ خوب روئیے دل کھول کر، پُکار پُکار
شکستگی سے مرے دل کی، یوں ہوا معلوم
فلک نے گوشۂ خاطر کو بھی کیا مسمار
پڑا پھرے ہے اِسی فکر میں سدا ظالم
کسو طرح بھی کسی دل کو دیجیے آزار
رکھے ہے مجھ سے خصوصاً عداوتِ قلبی
خیالِ خام کو یوں دے کے اپنے دل میں قرار
کہ خاک کر کے اسے ہند میں، بناؤں گا
چراغِ بُت کدہ و خشتِ خانۂ خمّار
کدھر خیال کو اب لے گیا ہے یہ بے مغز
زبس پھرا ہے سر اس کا، ہوا ہے کج رفتار
دکھائیے گا اِسے، مردیوں کرے ہیں عزم
مشیّتِ اَزلی بھی ہوئی جو ہم سے برآر

تو روسیاہ کر اِس ہند کا کوئی دن میں
اُسی دِیار کی گلیوں کا ہو جیے گا غُبار
جہاں کی خاک کو ہے یہ شرف، عجب کیا ہے
کہ فخرِ عرش ہے، گر ہووے اُس کے قُرب وجَوار
جہاں کی مرگ کو کہتا ہے خضر، عُمرِ ابد
خُدا نصیب کرے مجھ کو زندگی یک بار
جو کچھ کہ مجھ سے سُنا، صِدق سے تو باوَر کر
محمدؐی سے فرنگی ہو، جو کرے انکار
خُدا نہ خواستہ گر آسماں کی گردش سے
قضا طبیب ہوئی ہو، مسیح ہو بیمار
فلک سے اُس کو ملائک لے آکے واں، ہو دیں
جب اُس دِیار کے جاروب کش سے مِنّت دار
اگر وہ خاک دے اُس کو شِفا کی نیّت سے
قضا، قضا ہی کرے، ٹک اگر کرے تکرار
زمیں وہ، نور سے اِس مرتبہ ہے مالامال
کہ جس کی رات کے آگے، نہیں ہے دن کو وَقار
اِسی ہی غم سے جہاں میں ظہور کرتی ہے صُبح
ہمیشہ پنجۂ خورشید اپنے جَیب پہ مار
ہَوا کے وصف میں اُس جا کی، گر لکھوں میں غزل
مرا سخن رہے سرسبز تا بہ روزِ شُمار

غزل دودم

زبس ہَوا نے طراوت کو واں کیا ہے نثار
شرار، سنگ میں، ہیں رشکِ دانہ ہائے انار
صبا گزر کرے اُس جا سے گر یمن کی طرف
نہ ہو سوائے زمرّد، عقیق واں زنہار
جو نخلِ خشک کی تصویر کھینچے واں نقّاش
ہر ایک شاخ دو ہیں سبز ہو کے لاوے بار
عجب نہیں ہے کہ ہوں اُس ہوا سے دانے سبز
اگر زمیں پہ گرے لوٹ سُبحۂ زوّار
غرض میں کیا کہوں یارو، چمن میں قدرت کے
عجب ہے لُطف کی اُس قِطعۂ زمیں پہ بہار
بقیں ہے دل کو، اگر ساکنانِ جنّت سے
جو کوئی سیر کرے اُس دِیار کا گُل زار
زبس تماشے سے، آنکھوں کو واں نہ ہو سیری
پلک کو موندنا، نرگس کی طرح ہو دشوار
اُنھوں کی نظروں میں ہو گی بہشت کی کیا قدر
جنھیں ہے مَسکن و ماوا کے واسطے وہ دِیار
بہشت عرض کریں یہ جنابِ اقدس میں
عجب نہیں کہ اِسی شرم سے، بہ روزِ شُمار
جو کربلا کے ہیں ساکِن، اُنھوں کو ہو یہ امر
سوائے عرش نہ کیجے کسی طرف کو گزار

تری تو ذات پہ روشن ہے جُزو و کُل کا حال
بھلا ہے، پردے ہی میں رکھیے جنتوں کا وقار
غرض کہ، دیکھ کے اُس جا کے مرتبے کے تئیں
لگا زمین سے کرنے فلک یہ استفسار
خبر دے اس کی مجھے اے زمیں، کہ تجھ میں سے
ہوا ہے کس لیے اِس خاک کو یہ عزّ و وَقار
دیا جواب زمیں نے کہ اے فلک، ہیہات!
نہ دیجو مجھ سے تناسُب تو اُس کو دیگر بار
نہیں ہے خاک وہ، ہے آبروے آبِ حیات
نہیں وہ خاک، ہے کُحلُ الجواہرُ الابصار
اگر نہ چشمِ کواکب کو پہنچے اُس میں سے
نہ کر سکے شبِ تاریک بیچ تو رفتار
مجھے ہے نسبت اب اُس خاک سے کہاں، جس میں
ابو تُراب کے فرزند نے کیا ہو قرار
امامِ مشرق و مغرب، شہِ زمین و زَمَن
رموز دانِ خُدا، دُرِّ دُرجۂ اَسرار
زہے امامِ زماں! خاکِ در سوا جس کی
قَبول ہو نہ کبھو سجدۂ نماز گزار
اگر نہ ہو قلمِ صُنع ہاتھ میں اُس کے
تو لَوحِ دفترِ قدرت میں فرد ہو بے کار

ہندِستانِ قضا، اپنے ہندسوں سے اگر
سوائے مشورت اُس کی، جسے لکھیں یک بار
عجب نہیں ہے کہ نکلے نہ تا دمِ محشر
زبانِ خامہ سے کچھ لفظ، غیرِ اِستغفار
خُدانخواستہ، دیوے چہار عُنصر میں
گر اُس کی رائے، بدلنا طبیعتوں کا، قرار
ابھی فنا کرے مُنفذ ہوا کا، ذرّۂ خاک
نہ چھوڑے پانی کا قطرہ جہاں میں ایک شرار
گر اُس کا حکم اُٹھادے جہاں سے رشتۂ کفر
مجال کیا جو سلیمانی میں رہے زُنّار
یقیں تو جان کہ میزانِ عدل میں اُس کی
ہُوا ہے دانۂ خر دَل، برابرِ کُہسار
اُسی کے عدل میں ہے یہ کہ چیونٹی کے حضور
مجال کیا ہے کہ دم مارے اژدرِ خوں خوار
شکوہ خیمے کا اُس کے، بیاں کروں، لیکن
کہاں خیال کو ہے پہنچنے کا واں تک بار
کہ جس کی دیکھ کے رِفعت، فلک ہے چکر میں
اُسی کے بوجھ سے، ہے صفحۂ زمیں کو قرار
نہیں ستارے ہیں یہ، بلکہ ٹوٹتا ہے اب
اِسی حسد سے، انگاروں پہ چرخ، لیل ونہار

کرے ہے عرش اُسے اپنے جَبْہے پر صندل
گر اُس کے فرش کا، جاروب سے اُٹھے ہے غبار
کُمیتِ خامہ نے اب، اُس کے وصفِ گُل گوں میں
کیا ہے صفحۂ کاغذ کو، تختۂ گُل زار
چمن میں صُنع کے، جس کی سُبک رَوی آگے
کبھو نہ ایک قدم چل سکے نسیم بہار
غرض وہ گرم عِناں ہو کے جب چمکتا ہے
نہیں پہنچتی ہے برق اُس کی گَرد کو زنہار
بیان جلدی کا اُس کی کہاں تلک میں کروں
مَلک کو جس کی سواری کا عزم ہے دشوار
پڑھا بُراق کے راکب نے، دوش پر اپنے
سِکھائی جس کو سواری، وہی ہوا اُس پہ سوار
اُمیدوار ہوں، غَیبت سے اب بلا مجھ کو
حضور، یا خَلَفُ الصِّدقِ حیدرِ کرّار!
کہے ہے اَشہَدُاَن لااِلٰہَ اِلّا اللہ
عدم میں کُفر، سدا یاد کر تری تلوار
مُقابلے سے کماں کے تری، عدو تیرا
کبھو نہ نبھ سکے روزِ نَبَرد کر کے فرار
جہاں نہ پہنچے ہے تیرِ خیال کا پَیکان
کرے ہے واں سے گزر تیرے تیر کا سُوفار

ترے دِیار کی چیونٹی کے زور سے، شاہا!
کہاں زباں کو ہے طاقت کہ کیجیے گُفتار
اُمورِ سلطنت، اُس کی بغیر مرضی کے
اگر جو ہوئیں سلیماں، نہ کر سکیں زنہار
نمط حباب کے، قالب تہی کریں دریا
گرے جو اُن پہ تری آتشِ غضب سے شرار
بیان حلم کا تیرے میں کیا کروں، ہیہات!
تو ہے گواہ، جو کچھ تجھ پہ ہو چکا ہموار
کرے ہیں تہٖ ورقِ آسمان کو تا ہی
شہا! اگر تری بخشش کا کیجیے طُومار
بھرا ازبس شکمِ حرص، جُود نے تیرے
نہیں اب اُس کے تئیں دردِ امتلا سے قرار
گہر نہ ہوں، جو ترے ابرِ فیض کے آگے
کرے نہ گرعرقِ اِنفعال، ابرِ بہار
نگاہِ فیض تری، کیمیا اثر اِتنی
اگر وہ ہو کُرہ خاک کی طرف یک بار
نہ نکلے کان سے فولاد تا ابد ہرگز
عجب نہیں ہے، بغیر از طلائے دست افشار
شہا! ہمیشہ ترے بندگانِ عالی کی
جناب میں، یہی سودا رکھے ہے عرض چہار

چہار عرض سے، اب عرضِ اوّلیں ہے یہ
کہ ہند بیچ پریشاں نہ ہو یہ مُشتِ غُبار
صفِ نعال میں اپنی، بُلا کے دے جا گہ
کہ نورِ مغفرت اُس کے لیے ہو شمعِ مزار
سوائے خاکِ در اپنی سے اُس کو، یا مولا!
دوم ہے یہ، تو کسی در سے اب نہ دے سروکار
سوم، اگرچہ سراپا ہے جوہرِ ذاتی
ولے ہمیشہ تہی دست ہے بہ رنگِ چنار
چہارم ایں کہ، ہمہ دوستاں بہ ہر دو جہاں
قبول ہو دیں، بہ حقِّ ائمّۂ اطہار
رہے فلک پہ مہ و مہر جب تلک قائم
ہمیشہ دیکھے اِسی طرح چشمِ لیل و نہار
ہوالیوں کے قدم سے لگا رہے اقبال
جُدا نہ ہو سرِ اعدا سے چنگلِ اِدبار

در منقبتِ کاظمینؑ

ہے پرورش سخن کی مجھے، اپنی جاں تلک
جوں شمع زندگانی ہے میری زباں تلک
خاموشی آئنے کی، کہے حالِ روے خلق
روشن دلوں کا کام نہ پہنچے بیاں تلک

ہے ظالموں کو سختیِ دوراں مدد کہ تیغ
کاٹے دو چند، پہنچے جو سنگِ فساں تلک

ہے ماتم اِس چمن میں نہیں خندۂ طرب
ہے کسوتِ کبود، گُلِ زعفراں تلک

اُفتادگاں نہ لیں مددِ غیر بہرِ اَوج
سایے کو احتیاج نہیں نَردباں تلک

گرداب تک پہنچ کے، شناوَر ہوئے ہیں غرق
ٹک رہ ادب سے، آن کے سرگشتگاں تلک

سیدھوں سے منحرف ہے جو، اپنا ہے وہ عدو
بھکا جو راستے سے، گیا رہ زناں تلک

کیا اُس کی قدر ہے، جو سپاہی نہ ہو نجیب
شمشیرِ نااصیل کی قیمت کہاں تلک

لافِ سپہ گری نہ بکے مردِ راست باز
پاوے نہ راہ حرف، زبانِ سناں تلک

پابوس پر کسو کے، نہ پیدا کریں غرور
پہنچاوے یہ سخن کوئی، گردن کشاں تلک

رکھتیں وہ ایک شب تو سرِ شمع پر نگاہ
پہنچے ہے تا سحر دہنِ شمع داں تلک

بارِ گراں تلے ہے سبک، روح روز و شب
تن کا اُٹھائے پھرنا ہے موقوف جاں تلک

رہتی ہے پاک، طبعِ بزرگوں کی، زنگ سے
کیا کام تیغ کوہ کو صیقل گراں تلک

راحت کہاں انھیں، ہے جنھیں شوکت و شکوہ
پھرتے ہی دیکھتا ہوں سدا آسماں تلک

گر بن کجی، ہو راستی دُنیا میں پیش رفت
وابستہ ہو نہ تیر کا چلنا کماں تلک

سختی سے گزرے اہلِ سعادت کی یاں مَعاش
ہے منحصر غذائے ہُما، اُستخواں تلک

ہرچند گریہ عشق میں، نقصانِ چشم ہے
لیکن نہ سمجھے ناصحِ ناداں یہاں تلک

آتش بلند ہوئے، تو غیر از تلاشِ آب
ہووے غرض کسو کو نہ سود و زیاں تلک

تنہا نہ سبز ہو یہ قصیدہ ہی جوں چمن
ایسی غزل کہوں کہ پڑھیں بُلبُلاں تلک

غزل

کیفیتِ بہار ہے گلشن میں یاں تلک
بُلبُل سے لے کے مست ہے اب باغباں تلک

صحنِ چمن پہ پھرتے ہیں مستی سے لوٹتے
لے کر ہَوا کی مَوج سے، آبِ رواں تلک

نشو و نمائے سبزہ و ریحان و یاسمن
ہے طعنہ زن نمودِ خطِ گُل رُخاں تلک
سوسن پہ اِس نمک سے ہے شبنم کہ جوں عرق
آتا ہے عارضِ بُتِ ہندوستاں تلک
ساقی! اُٹھا لے شیشہ و ساغر کو، لا بیاض
ٹُک اِس غزل کو پڑھتے چلیں گلستاں تلک

غزلِ دوم

آیا نہ ایک گُل کبھو اُس بوستاں تلک
جس کی بہار پہنچی نہ ہووے خزاں تلک
وہ مُرغِ ناتواں ہوں کہ صحنِ چمن سے میں
بے نردباں پہنچ نہ سکوں آشیاں تلک
کیفیت اپنی سے میں لگوں ہوں بُتاں کے مُنہ
ورنہ، نہ پہنچے ساغرِ بے مے لباں تلک
روشن ہو یک چراغ سے جوں نخلِ شمع دال
پہنچا ہے داغ دل کا ہر ایک استخواں تلک
میٹھا لگے ہے دل کو مرے زہرِ دُشمنی
پہنچے ہے شہدِ دوستی جب امتحاں تلک
مُشکل بہت ہے امر، قناعت، جہاں کے بیچ
لے کر زمیں سے، چرخ کے باشندگاں تلک
ہم نے زیادہ تا شبِ ہفتم سے، ماہ کو
قانع نہ رہتے دیکھا کبھو نیم ناں تلک

تھا بجھ کو رات کُنجِ قناعت میں فکرِ شعر
ناگہ طمع کو حرص نے جنبش دی یاں تلک
گُزرا وہیں یہ دل میں کہ اِس فن کی راہ سے
جا پہنچوں میں اگر کسی نوّاب و خاں تلک
تو چند بیت مدح میں اُس کی قصیدہ طور
ایسی ہی کہہ کے لاؤں قلم کی زباں تلک
تا ہو یقیں کہ صفحۂ دُنیا سے اُس کا نام
اُٹھنے کسو ہی طرح نہ دورِ جہاں تلک
چھوڑے نہ اُس کنے کچھ اِس اَبیات کا صلہ
لے کھود کر زمین کو گنجِ نہاں تلک
اَلقصّہ گزری تھی مجھے شب اس خیال میں
ناگاہ پیرِ عقل نے آ اُس مکاں تلک
ایسا ہی ایک مارا تمانچہ کہ تا ہنوز
پہنچے ہے رنگِ چہرہ، گُلِ اَرغواں تلک
کہنے لگا وہ مجھ سے کہ سوؔدا! ہزار حیف!
آغاز میں نے تجھ کو نہ سمجھا تھا یاں تلک
یہ قصد ہو ترا کہ میں لے کر بیاض ہاتھ
پہنچا کروں گا ہر در و ہر دار باں تلک
بہرِ فلاح، دامنِ ہمّت نہ چھوڑیے
تنگی سے گر ہو چاک گریبانِ جاں تلک

عزّت کی گر ہو گوشۂ دامن پہ نیم نان
دستار خوان گو نہ بچھے یاں سے واں تلک
روزی کو مضطرب نہ ہو، ٹک آئنے کو دیکھ
نان، آبرو سے پہنچے ہے روشن دلاں تلک
پس فرض کیا کیا ہے کہ اشعارِ رُتبہ دار
لے جاکے تو پڑھا کرے اُن ناکساں تلک
جو نخوت و غرور سے، تحسین کے محل
ابرو سوا، سخن کو نہ لادیں زباں تلک
نزدیک جن کے، ہے وہ بڑا صاحبِ کمال
منصب کا جس کے رتبہ ہو فیل و نشاں تلک
گر بو علی سلام کرے آن کر اُنھیں
سینے ہی پر دے ہاتھ رکھیں، ہیں جہاں تلک
چاہیں کہ ہم کلام ہوں اُس سے، تو یہ کہیں
پہنچے ہے تیرا سلسلہ کس خانداں تلک؟
آدم تک، اُن کے پاس غرض آدمی نہیں
پہنچا دے تا نسب کو نہ شایستہ خاں تلک
سودا! تو اُن کی مدح کرے گا کہ جُز دروغ
یک حرفِ راست دل سے نہ آوے زباں تلک
حیراں ہوں مَیں کہ مثلِ نگیں، بہرِ نامِ غیر
اپنا تو رُو، سیاہ کرے گا کہاں تلک

رکھیے قلم کو مدح میں ایسوں کی سرنگوں
سجدہ کرے ہیں جن کو زمین و زماں تلک
کرتے ہیں جن کے امر سے عالَم میں زندگی
لے کر کے جنّ و اِنس سے گرد بیاں تلک
گر ہو نہ اُن کے پَرتَوۂ حِفظ کے تلے
پہنچے نہ خضر، زندگیِ جاوِداں تلک
روضے میں جن کے، حلقۂ چشمِ مَلَک سوا
پہنچا نہ پائے شمع کبھو شمع داں تلک
خاکِ مزار اُن کی، سدا بہرِ توتیا
پہنچے ہے روم و شام سے لے اصفہاں تلک
لیکن اُنھوں کے دیدۂ اعدا کے واسطے
آتش سوا، نہ میل گئی سُرمہ داں تلک
ہنگام طوف بس کہ ملائک تَیَمُّناً
لیتے ہیں خاک آن کے اُس آستاں تلک
خادم کہے ہیں واں کے، مُنہ آپس میں دیکھ کر
پہنچے ہے کوئی دن کو زمیں، آسماں تلک
از بس اب اُن کے عدل سے معمور ہے جہاں
پہنچا ہے کارِ خلق اس امن و اماں تلک
بچّہ جو گو سفند کا گُم ہو، تو گرگ و شیر
پہنچا دیں تا نہ ڈھونڈھ کے اُس کو شباں تلک

دہشت سے اِس خیال کی، زَہرہ ہو اُن کا آب
پہنچیں نہ ہم، مَبادا، کسی کے گُماں تلک
رہنے کو جگ میں صورتِ افسوس کے تئیں
اَحکامِ خرُمی نے کیا منع یاں تلک
اُنگشت، چوسنے کے تئیں، طفلِ شیرخوار
ممکن نہیں کہ لا سکے اپنے دہاں تلک
جب سے ہوئی ہے گلشنِ دُنیا میں یہ بہار
کچھ کام بُلبُلوں کو نہیں ہے فغاں تلک
گُل چیں کی کیا مجال جو توڑے چمن میں پھول
صورت سے گُل کی، لرزے ہے بادِ خزاں تلک
اُن کے نہیں ہے عہدِ مُبارک میں یہ مجال
پہنچے کسی کا زور کسی ناتواں تلک
بہ جائے ایک خس کبھو ریلے سے موج کے
زنجیر سے بندھا پھرے آبِ رواں تلک
قوّت سے اُن کے عدل کی، اب زیرِ آسماں
ناطاقتی ہے آفتِ اَرضی کو یاں تلک
مارِ سیہ سے لیتے ہیں وہ کام اِن دنوں
وابستہ جانتے ہیں جسے ریسماں تلک
کب اُن کے اَبلقوں کی ثنا مجھ سے ہو سکے
میں کیا کہوں کہ جلدی ہے اُن میں کہاں تلک

باندھیں اُنھوں کے پانو سے گر مہر و ماہ کو
تو روز و شب کے پھرنے میں سُرعت ہو یاں تلک
پھر نوبتِ شمارِ مہ و سال، زیرِ چرخ
آوے نہ اُن کو، ہیں یہ مُنجّم جہاں تلک
ہیبت کا اُن کی تیغ کی مَیں کیا بیاں کروں
کاٹا ہے کوہِ کُفر کو اب جن نے یاں تلک
ہذیانِ خواب میں جو پڑھے پوتھی برہمن
کلمہ، جگا کے اُس کو، پڑھا دیں بُتاں تلک
پس جو کوئی کہ ایسے ہوں، اُن کا حُضور چھوڑ
ہذیان بکنے جائے تو لو تاب و خاں تلک!
جس وقت یہ سخن، دہنِ پیرِ عقل سے
پہنچا گُہر کی طرح مرے گوشِ جاں تلک
آیا یہ دل میں، جاؤں میں کیا لے کے بہرِ نذر
کب دست رس مجھے ہے کسی ارمُغاں تلک
ناگہ اُٹھی کے ذرّۂ خورشیدِ فضل نے
پہنچا دیا یہ مطلعِ انور زباں تلک

مطلعِ دیگر

موقوف تھا ظہورِ خدا تم پہ یاں تلک
جوں بِن حروف، معنی نہ آویں بیاں تلک
جا گہ جو کفش کَن کے لیے حق نے دی تمھیں
رخصت خیالِ عرش نے پائی نہ واں تلک

جس جا کہ مُرغِ قدر تمھارا ہے بال زن
جبریل کا نہ وہم گیا اُس مکاں تلک
محراب، نقشِ پا کی تمھارے، ہے جس جگہ
وہ سرزمین پہنچی ہے اِس عزّ و شاں تلک
سجدہ گر اُس طرف کرے ابلیس ایک بار
بخشش کو پھر نہ کام رہے این و آں تلک
بے مرضیِ شریف، قضا گر کرے کچھ امر
جاری کسو طرح نہ ہو اُس کی زباں تلک
ذرّہ ہو گر رسائی کے مانع، تمھارا امر
پہنچے نہ نورِ مہر کبھو خاکداں تلک
ہے جس قدر شکوہ تری بارگاہ کا
اُس کا بیان ہو سکے مجھ سے کہاں تلک
انجم، تگرگ وار زمیں پر ٹپک پڑیں
صدمہ ٹک اُس سے پہنچے اگر آسماں تلک
لکھیے ثنائے جُود تمھاری، تو جُز گُہر
نُقطہ نہ پاوے راہ قلم کی زباں تلک
اُس کی غرض ستایشِ ہمّت نہ ہو سکے
جس کے گدا کا رتبۂ بخشش ہو یاں تلک
پَل مارتے میں چاہے تو ذرّے کو بخش دے
ایسے کا ہاتھ پہنچے کبھو آسماں تلک

پس جس کے تم سے آقا ہوں، وہ بہرِ احتیاج
جاوے کہو تو کس درِ وکس دار باں تلک
یا کاظمین! چرخِ ستم گر کے ہاتھ سے
پہنچی ہے کارد، آ کے مرے استخواں تلک
سدِّ رمق مجھے ہو تمھاری جناب سے
محتاج تا نہ جاؤں کساں ناکساں تلک
اِس چرخِ دُوں پرست تلے، بہرِ مُشتِ جَو
مانند آسیا کے پھروں اب کہاں تلک
لیکن جو یہ قصیدۂ کوہِ دو پیکر، اَب
جا ہے، صلے میں ہند سے لے اصفہاں تلک
ہر گز نہ لینے دوں اِسے، جُز ایک مشتِ خاک
سوداؔ کو دو بُلا کے گر اُس آستاں تلک
تا، ہے فراخ دامنِ چرخ مُنحصر
جوں مہر، اَوجِ دست رہے دوستاں تلک
تا شکلِ کہکشاں رہے اژدر سے مشتبہ
پہنچا کرے گزندِ حسد، دُشمناں تلک

قصیدہ در منقبتِ امام رضاؑ

اگر عدم سے نہ ہو ساتھ فکر روزی کا
تو آب و دانے کو ے کر، گہر نہ ہو پیدا

نہیں میں طالبِ رزق آسمان سے، کہ مجھے
یقیں ہے، کاسۂ واژوں میں کچھ نہیں ہوتا
نکل وطن سے، ہے غربت میں زورِ کیفیّت
کہ آبِ بحت ہے، جب تک ہے تاک میں صہبا
ہُنر کو، مفلسی ہرگز ضرر نہیں، کہ نہیں
چنار کی تہی دستی سے، نقص جوہر کا
بلند ہمت اگر ہوں نہ زیرِ چرخ، ضعیف
ہلالِ عید ہو، عالَم کا کیوں کے روزہ کُشا
جو ناتواں نہ کریں دست گیریِ دشمن
تو خار و خس نہ کرے شعلے کو کبھو برپا
فتادگی میں یہ عزت ہے، دیکھ اے سرکش!
کہ نیک و بد نے کیا نقشِ پا کو راہ نُما
نہ ہو سکیں مرے انجھواں کی سدِّرہ، مژگاں
پکڑ نہ رکھ سکے خاشاک، دامنِ دریا
ہُوا ہوں بزمِ جہاں میں ہلاکِ غیرتِ شمع
کہ زیرِ تیغ، سرِ عجز اُن نے خم نہ کیا
نکوئی جو کرے دُنیا میں، ہووے وہ پامال
بسانِ جادہ کسو کو تو راہ مت بتلا
بنے گی زینتِ دُنیا سے نحس شکل تری
لباس زر کا پہر کر، نہ ہو تو بُومِ طِلا

کُشندہ تر ہے مرض سے مجھے عیادتِ غیر
بھلی ہے اِن سے تو بالیں پہ صورتِ دِیبا
خفا کرے ہے دل، اَبنا میں بیٹھنا مل کر
ولے میں کیا کروں، ہے تنگ عرصۂ دُنیا
جہاں کے باغ میں، جوں شاخِ پُرثمر، میں نے
کسی کی دوستی سے نفع، جُز ضرر نہ لیا
کیا عزیز بہت جن نے دیکھ کر مجھ کو
اُٹھا کے تیغِ ستم کے تلے اُنھی نے دیا
جُنوں میں کب بَرِ اُمّید، نخلِ دہر تلے
کیا نہ خوش مری ہمّت نے، قد کو خَم کرنا
جفائے دہر، کرے سنگ دل کو، نازک دل
بنے ہے شیشہ جہاں میں، گُداز ہو خارا
مرے سخن کی، مرے بعد زیادہ ہووے قدر
گہر یتیم جو ہووے، تو ہو فزود، بہا
نہیں ہے کام مجھے شعر و شاعری سے، ولے
خرد نے مجھ کو نصائح سے بار ہا یہ کہا
زباں پہ لا سخنِ خوب کو، نہ رکھ دل میں
کہ اُس گُہر کی نہیں قدر، جو صدف میں رہا
بہ رنگِ عکس، سبک بار بحرِ دنیا میں
تو رہ، کہ موجِ حوادث نہ دیوے تجھ کو بہا

کسی کی دل شکنی سے جو خوش کریں دل کو
وہ کون قوم ہیں، کیسے ہیں، کیا ہیں، مجھ کو بتا
یقین تو جان، گیا ٹوٹ دل مرا وہیں
جو خار چبھ کے مرے پانوں میں اگر ٹوٹا
مگر شکست وہی اِس فقیر کو بھاوے
قدحِ طمع کا اگر توڑے سنگِ اِستغنا
ضرر کی اپنے مکافات، نفع، گردوں سے
طلب نہ کر، کہ نہ ہو ایک بام پر دو ہوا
چمن میں دہر کے خوش ہو کے جو ہنسا، وہیں
یہ رنگِ گُل، اُسے گردوں نے شادی مرگ کیا
رکھی فلک نے مرے سر پہ منّتِ دستار
جو زخمِ سنگِ بلا کے سبب مَیں سر باندھا
غرض مَیں دیکھ کے یہ تنگ چشمیِ گردوں
شبِ گذشتہ اِسی فکر بیچ مرتا تھا
کدھر کو جاؤں میں، تا دل کرے مرا داشُد
وہیں خیال میں قُدسیؔ کا یہ سخن گزرا
"دمی ببزمِ حریفان شگفتہ شو چو قدح
کہ جان برای تو دارد در آستین مینا
یہ سُن کے مژدۂ جاں بخش، مے کدے کی طرف
چلا مَیں گھر سے، نپٹ خوش ہو، یہ غزل پڑھتا

غزل

نہ سنگِ پا ہے یہ دل، اے خدا، نہ ہے یہ حنا
بتاں کرے ہیں اِسے پائے مال کیوں اِتنا

شکستِ وعدۂ ساقی سے، دل ہے اِتنا چور
کہ جائے اشک، نکلتے ہیں ریزۂ مینا

جو دردِ دل کے مزے سے ہو آشنا بے درد
عجب کہ ہر بُنِ مُو پر کرے نہ دل پیدا

بہ جائے سُرمہ، کروں میلِ گرم میں اُس میں
نمک ہے اشک کے جس چشم نے مزہ نہ چکھا

گرہ میں غنچہ نمط زر کرے دَنی گو جمع
دلے سخی ہی اُڑا دیں گے اُس کو مثلِ صبا

کرے نہ چاک گریبانِ صبح، پنجۂ مہر
جو شورِ عشق نہ ہووے بہ عالمِ بالا

تصوّر اب کسی زلفوں کا، اشک و چشم مری
عجب ہے لُطف کہ جوں موج و کشتی دُ دریا

یہ دل، زمانے سے ہے سخت تنگ، حیراں ہوں
کہ مہرِ سنگ دلاں کیوں کے یاں گئی ہے سما

گُدازِ عشق ہوں اِتنا کہ چند قطرۂ اشک
نمط ہے شمع کے، ہر بندِ استخواں میرا

غرض کہ مَے کدے اِس شغف ساتھ آیا مَیں
بُتاں کی چشم میں جوں آئے نشّۂ صہبا

ولے نگاہ جو کرتا ہوں مے کدے کی طرف
گئے حواس مرے مجھ سے، دیکھتا ہوں کیا
کہ مست، چاک گریبان و جام، چشمِ پُر آب
ہے آہ و نالہ میں نَے، گریہ در گلو مینا
یہ حال دیکھ کے واں کا، خرد سے، پوچھا مَیں
جگہ طرب کی مَیں آیا ہوں یا کہ جائے عزا؟
دیا جواب خرد نے مجھے کہ اے ناداں!
خوشی ہے دہر میں، یہ غم سے پوچھتا ہے کیا
نہیں ہے امن کہیں زیرِ آسماں ہرگز
بہ جز زمینِ خراساں، کہ ہے وہ عرش آسا
زہے زمین کہ شاداب اس قدر، جس میں
ہمیشہ سبز ہے کِشتِ اُمیدِ شاہ و گدا
شرف یہ کیوں نہ دے اُس سرزمیں کو ربِّ کریم
تو غور کر کہ قدم درمیان ہے کس کا
رضا ہے جس کی وہی، ہے جو کچھ رضائے حق
رضائے حق بھی وہی ہے جو کچھ کہ اُس کی رضا
جُدی ہو موج تو پانی سے، جو ہر آئنے سے
اگر مخالفِ معمول ہو وے حکم اُس کا
عجب نہ کر تو اسے، وہ طبیبِ سِرّ و عَلَن
کرے ہے جب مرضُ الموت کی کسی کے دوا

شِفا کو برطرف اِس طرح سے کرے نہ اجل
اجل کو برطرف اِس طرح سے کرے ہے شِفا
جو تشتِ شمع نہ ہو اُن کے روضے میں جاکر
تو آفتاب نہ ہر شب نظر سے گُم ہوتا
زِہے وہ گنبدِ زرّیں! کہ جس کا ہے یہ شکوہ
فلک نے دیکھ جسے، دل میں پیچ کھا کے کہا
کہ کُہنہ جان کے مجھ کو جنابِ اقدس نے
بِنا کیا ہے سرِ نَو سے آسمانِ طِلا
شعاعِ نور سے، خورشید، جس کے قبّے کی
پلک جھپکنے سے، ایک ذرّہ بھی نہیں رہتا
زبس کیا ہے مُرصّع اُسے جو ابر سے
تِہی ہے لعل سے مَعدن، گُہر سے ہے دریا
اگر نہ ہو دیں یہ کم یاب، واں کے مصرف سے
نہ پاوے لعل یہ قیمت، نہ دُر کو ہو یہ بَہا
جبینِ آئنۂ مہر و مہ نہ ہو روشن
غُبارِ در سے یہ اُس کے، اگر نہ پائیں جِلا
ہر ایک حلقۂ زنجیرِ سقف میں اُس کے
عجب ہی لُطف سے ہر قُمقُمے کو نصب کیا
بیاں میں کیا کروں اُس لطف کے تئیں، جیسے
پھنسا ہو دل، سرِ زلفِ بُتاں میں، عاشق کا

بَسانِ دیدۂ پُر آبِ عاشقاں، جاری
ہے اُس کے صحن میں اک حوض، فخرِ کوثر کا
دکھاؤں کس کو میں، اُس گنبدِ طلا کا عکس
کہ جس طریق ہے پانی میں اُس کے جلوہ نُما
ہوا ہے دل کو یقیں یہ کہ حوضِ کوثر میں
کرے ہے آن کے گردوں سے آفتاب، ثنا
زہے وہ حوض، کہ خجلت سے جس کی چشمۂ خضر
ہمیشہ پردۂ ظلمات میں رہے ہے چھپا
دلا! طویل نہ کر مدحِ غائبانہ کو
سنا زکے یہ مطلع، حضور میں تو آ

مطلع

ثنا کروں تری ہر وجہ میں، قلم آسا
جو سر کٹے، تو گریباں سے کر زباں پیدا
نہ ہوں ثنا میں، جو تیری زمیں کے آسودے
تو سبزہ، شکلِ زباں ہو، نہ خاک سے اُگتا
کہاں زباں کو ہے طاقت، اگر بیاں کیجے
ترے دیار کی چیونٹی کی حدِّ استغنا
وہ اپنی مردمکِ چشم کے برابر کب
خیال ملکِ سلیماں کو کرے، شاہا
جو کچھ لکھا نہ ہو تقدیر میں اگر اُس کی
جو کوئی در پہ ترے آ کے مانگتا ہے دعا

نہ دل سے حرف زباں تک پہنچنے پاتا ہے
کہ ہو چکے ہے وہ مطلب قبول ، یا مولا
تجھ ابرِ فیض سے قطرہ اگر زمیں پہ گرے
بجائے دانہ، زَراعت سے ہوں گہر پیدا
گدائے در کا ترے نقشِ پا ہے جس جاگہ
کرے ہے اَوجِ سعادت کو واں سے قرض، ہُما
چراغِ راہِ خضر میں ، اگرچہ یا شہِ دیں
نہ ہووے نور کبھی تیری شمعِ بینش کا
کہاں سے چشمۂ حیواں پہ جاکے خضر اس طرح
شرابِ عُمرِ ابد پی کے ، زندگی پاتا
شرار، آب میں رہتے ہیں ، گوہر، آتش میں
زبس کہ امن ترے عدل نے جہاں میں کیا
گئی بِنائے تعدّی جہان سے اِتنی
بُتاں کے ناز و ادا میں رہا نہ ظلم و جفا
سوائے عشق ، ترے عہد میں ، تعدّی سے
کٹا وہ ہاتھ ، کسی جَیب تک اگر پہنچا
شہا! سحر کا گریبان چاک کرتے وقت
اِسی ہی خوف سے کانپے ہے دستِ مہر سدا
محافظت ہے تری جس جگہ ضعیفوں پر
ہٹے ہے، دیکھ کے خاشاک اُس جگہ، دریا

زبس کہ عہد میں تیرے ہے رسمِ دادرسی
جرس کی بھی کوئی فریاد سن نہیں سکتا
بہشت، ہے ترے بُستانِ مہر کا یک گُل
سقر، شرار ہے تیرے غضب کی آتش کا
سَمومِ قہر تری، برّ و بحر پر جو چلے
پگھل کے آب ہوں کہسار، خشک ہوں دریا
زبس کہ خوف ہے اسبابِ منع کے دل میں
شہا! زمانے میں تیرے غضب کی صولت کا
شراب، پُنبۂ مینا سے چاہتی ہے نمک
صدائے رفتہ سے کہتی ہے نَے، کہ آ چھپ جا
تری کمان کے آگے، حریفِ روزِ نبرد
کہاں سے لائے یہ طاقت، کہ ہو سکے سیدھا
کہ جس کے تیر کی ہیبت سے، آسمان نے کبھو
بغیر خَم کیے پُشت اپنی، سر اُٹھا نہ چلا
گر آسماں کو اُٹھا کر سپر کرے مُنہ پر
ترے عدو میں یہ قوّت ہے، ہم نے فرض کیا
جو روزِ رزم، مُقابل تری کماں کے ہو
صفائے شَست ترا، اُس کو دیجیے دکھلا
کہ جس صفا سے نگہ پار نکلے شیشے کے
اُسی صفا سے نکل جائے تیر بھی تیرا

شہا! عجب ہے وہ شمشیر، جس کی صَولت سے
ترے عدو کو ہزیمت سے شوق ہے اِتنا
گر اُس کے بعد، نکالے مُصوّر اُس کی شبیہ
تو روح اُس کی پکارے کہ پہلے پانو بنا
ترے سمند کا میداں میں نقشِ پا جو پڑے
کرے وہ خون میں اعدا کے روزِ رزم شنا
شرار، قطرۂ خوں ہو، ٹپک پڑیں دو ہیں
مِلے جو کوہ کو گر پنجۂ غضب تیرا
مآلِ عرض، مرا حال ہے، نہ تیری مدح
زباں جو ہر بُنِ مُو ہو، تو ہووے وہ نہ ادا
نہیں ہوں گر کسی لائق، ولے ہے شرم تجھے
کہ دو جہان میں حامی رکھوں ہوں میں بد سا
کیا ہے دہر نے عرصے کو مجھ پر اِتنا تنگ
کہ جاں بہ لب ہوں، ولے جی نہیں نکل سکتا
نہ اِتنی کی رگ وپے نے کسو کے تن میں جگہ
جو گھر کرے ہے مرے تن کے بیچ تیرِ بلا
بہ رنگِ رخنۂ دیوار، چشم ہیں مُنہ پر
غبارِ غم مرے چہرے پہ اِس قدر بیٹھا
یہ عرضِ حال ہے سوؔدا کا، جو سُنا تو نے
تری رضا جو کچھ آگے ہو، یا امامِ رضا!

در تعریضِ یکی از معاصرین و مدحِ شاہِ خراسان (امام رضاؑ)

مُستغنیِ ذاتی ، نہ ہُوِیّس کے ہوں تسخیر
مَعدن ہے جہاں سونے کا، واں خاک ہے اکسیر
لب ریز ہے کیسا دُرِ مکنون سے جن کا
کب شُبْہہ فروشوں کو، حضور اُن کے ہے توقیر
ہے لعل سے نسبت نگہِ چشم کو جن کی
جاتی ہے دو پلکے پہ نظر اُن کی بہ تحقیر
ہیں وہ دُرِ یکتا بہ جہاں، جن کی زباں کی
لڑتی ہے سدا ابرِ گہُربار سے تقریر
یوں صفحے پہ بولے ہے صریر اُن کے قلم کی
تعلیم ہے مُنشیِ فلک کو، مری تحریر
ہوتا جو سخن فہم تو بہزاد سمجھتا
پرداز کو معنی کی، جو کھینچے ہیں وہ تصویر
تیر اُن کیسے کرے، فہمِ رسا کا، اُسے غربال
مضموں جو چھپے کوہ میں ہوں صورتِ نخچیر
معنی کے جو ہو نام سے مشہور مُوَکّل
اُس کو بھی نہ چھوڑیں وہ کبھو، بِن کیے تسخیر
اُن سا نہ ہو کوئی کبھو آفاق کے اندر
تا فیضِ سخن اُس کی نہ طینت میں ہو تخمیر

روکش ہوں وہ ایسوں کے، جنھیں حق نے دیا فہم
نادانی سے کب کرتے ہیں اپنے تئیں تشہیر
یہ بات جُدی ہے کہ وہ ہر آپ کو سمجھے
دُم کرمکِ شب تاب کی چمکے جو شبِ قیر
پکڑی جو لٹورے نے کہیں گھٹّی سی چڑیا
سمجھا کہ نہیں باز کوئی مجھ سا کلاں گیر
یا شب کو بیا، گھونسلے میں جگنو کو لاکر
جانے یہ دل اپنے میں، کیا ماہ کو تسخیر
صاحب ہیں کئی اِس طبَقے کے شُعَرا میں
ہم بزمِ سخن داں کو نہ اُن سے کرے تقدیر
مصرع میں اگر پشّۂ معنی ہو قلم بند
زعم اپنے میں سمجھے ہیں، کیا پیل کو زنجیر
نقّارے کا مضموں بہ درستی جو یہ باندھیں
کوسِ لمن الملک کے ٹھونکے ہیں بم و زیر
سمجھے ہیں کلام اپنا بہ از سورۂ یوسف
معنی جو ہیں، سو خوابِ فراموش کی تعبیر
کرتے ہیں مجالس میں پھر اُس کو بہ بدی یاد
سامع کرے تحسین میں ذرّہ بھی جو تاخیر
اِس خبط کے عہدے سے وے وہ نہ بر آدیں
جو مُلکِ سخن کے ہیں مہنتوں میں مشاہیر

اُستاد کی اُن کے، ہے اُنھوں کو یہ نصیحت
لفظی نہ تناسُب ہو، تو کچھ مت کرو تحریر
اِتنا تو تلازُم رکھو الفاظ کا ملحوظ
بے پنجہ و ناخن، نہ لکھو دودھ کو تم شیر
جب تک کہ نہ منظوم ہو پاسنگ و ترازو
باندھو نہ کبھو شعر میں تم لفظِ شکم سیر
تم شعر و سخن اپنے کی بندش میں، کماں بِن
بولو نگہِ یار کو، یارو، نہ کبھو تیر
چہرے کو نہ معشوق کے دو شمع سے تشبیہ
تا زلفوں کو باندھو نہ کسو شکل سے گُل گیر
مضموں جو قد و زلف کا معشوق کے، باندھو
لکھو الف و لام کے سی پارے کی تفسیر
ملحوظ قرائن رکھو ہر آن نظر میں
مرجع ہو مونّث، تو ضمیر اُس کی ہو تذکیر
اُستاد کی اِس پند پہ کی اور ترقی
شیوہ وہ لیا، غیر کی جس میں کہ ہو تحقیر
مضمون جو ہو ریختے کا تازہ کسی کے
کرتے ہیں اُسے فارسی میں باندھ کے تشہیر
پھر کہتے ہیں یوں، ہے کسی اُستاد کا یہ شعر
سرقہ یہ کیا جن نے، بڑا ہے کوئی بے پیر

اور اِن کا کوئی فضل و کمال آکے جو دیکھے
ہیں طُرفہ دہ معجون، جو ہو خبط سے تخمیر
سرقے کو نہ سمجھیں نہ توارُد کو، گر اِن سے
پوچھے جو کوئی، کیا ہیں یہ دونوں، کرد تقریر
پھر بعدِ تامّل بہ جواب اُس کے، یہ ذی ہوش
روبہ کہیں سرقے کو، توارُد کو کہیں شیر
محسود نشانہ ہیں تخیّل میں اِنھوں کے
ہووے نہ کمانِ حسد اِن کی سے جُدا تیر
اِتنا یہ سمجھتے نہیں ناداں کہ جہاں میں
حاصل نہیں ہوتی ہے کچھ اِن باتوں سے توقیر
سررشتہ ہے عزّت کا فقط ہاتھ خدا کے
اَفزائشِ قدر اپنی میں چلتی نہیں تدبیر
قطرہ وہی پانی کا ہے، قسمت کی ہے تفریق
ہو ایک تنگرگ، ایک گہر، ہو کے گرہ گیر
اِن کا ہو اگر بو علی سینا بھی مُعلّم
تعلیم کرے کس روِش اُس کی اِنھیں تاثیر
نسبت سے زفلزّات کی، مِس ہووے ہے سونا
پتّھر کی جو ہو جنس، تو واں کیا کرے اکسیر
ہے جنسیت اُستادی و شاگردی میں لازم
یہ ہو نہ، تو دونوں میں کسو کی نہیں تقصیر

بُلبُل کو جو بھر عُمر سُنے، پرورِش اُس کی
ہرگز نہ کرے زمزمہ کستوریِ کشمیر
صحبت سے نہ ہو فائدہ ناجنس کو ہرگز
یہ بات ہے بر صفحۂ دل قابلِ تحریر
شمشیر میں کیسی ہی اَصالت ہو، یقیں جان
پیدا نہ غلاف اُس کا کرے جوہرِ شمشیر
شیریں نہ کبھو دے وہ ثمر باغِ جہاں میں
حنظل جو کرے نشوونما پہلوِ انجیر
سودا! تجھے کیا سود، جو اَبنائے زماں کی
نافہمی و بے ربطی سے کرتا ہے تو تقریر
کر اِس کے عوض، مدح شہِ ہر دو جہاں کی
تا عفوِ جرائم ترے طالع میں ہو تحریر
وہ شاہِ خراساں، نگہِ فیض سے جس کی
ہوتے ہوئے اکسیر، نہ ماٹی کو لگے دیر
جس کے درِ مسجود کا، معمارِ ازل نے
پارس، عوضِ سنگ کیا مصرفِ تعمیر
مانگا کرے ہے ہاتھ کو پھیلا کے فلک پر
مہر، اُس کے سدا قُبّۂ درگاہ سے تنویر
کیا تاب جو صیّادِ اجل مُنہ کرے اُس سمت
لے جائے پناہ اُس کے اگر سایے میں نخچیر

سجدے کو دو عالم کے، وہ محراب ہے اُس کی
زائر کا جہاں نقشِ قدم ہووے زمیں گیر
مومن بہ تصوّر جو نہ ہو مقتدی اُس کا
مقبول نہ اُس کی ہو صلوٰۃ اور نہ تکبیر
عدل اُس کے سے، لرزے ہے خس و خار سے شعلہ
عہد اُس کے میں، سَم رکھتے ہے ترِیاق کی تاثیر
جس دشت میں باجے دُہُلِ چرم ہِزَبر اک بار
ہیبت سے اُدھر آن کے ڈھوکے نہ کبھو شیر
مفقود عداوت یہ عدالت سے ہوئی ہے
ضِدّین کو ہے ربط بہم جوں شکر و شیر
شاہا! تو وہ ہے عالمِ وآگاہ کہ جس کی
تدبیر کے ایما سے، نہ باہر ہوئی تقدیر
جس جا ترے ایما سے خدا وندِ جہاں نے
بخشی ہے اگر ایک گنہ گار کی تقصیر
وہ جا ہے بلا شبہہ و شک عفو گہ اُس کی
جو خلق ہے نزدیکِ خدا واجبِ تعذیر
وہ جزو کہ کہتے ہیں جسے لا یتجزّی
تو اور خدا ہے، جو نہ مانوں تو ہے تکفیر
راندہ جو ہو درگاہ کا تیری، تو وہ یاں تک
آنکھوں میں خلائق کی نظر آئے بہ تحقیر

سایہ تلک اُس کا، نہ کرے ہم رہی اُس کی
ہم رہ اُسے لینے میں کرے کیسی ہی تدبیر
اَشجَع تو نہیں آپ ہی، پُشتین سے تیری
ہوتے ہی سب آئے ہیں شجاعت میں مَشاہیر
اِثبات ہوا جو ہرِ فرد اُس سے بہ تقسیم
سَیف دو زباں ہے جو ترے جد کی وہ شمشیر
دو ٹکڑے پلک مارتے ہو وے کمرِ کوہ
تجھ تیغِ غضب کے جو ہو سایے کے سرا زیر
جوں مَرد مکِ چشم میں چیونٹی کی، پڑے گُم
چھیدے ہے ترا، نقطۂ موہوم کو، یوں تیر
تو بار نہ حلم اپنے کا گر آپ اُٹھا وے
ہو چرخ کی جھولی میں زمیں، خاک کا اک ڈھیر
خوبی کا تو مذکور ترے رخش کی یک سُو
کیا مُنہ جو کروں گردِ سُم اُس کی سے میں تقریر
وہ گرد، ہے آنکھوں کو مُحِبّوں کی تو سُرمہ
ہو جس کو محبّت نہ تری، اُس کی گلو گیر
شاہا! وہ تری ذاتِ مُنَزَّہ ہے کہ گویا
مخصوص تری شان میں ہے آیۂ تطہیر
شہباز ترے رُتبے کا، مارے ہے جہاں، پَر
اَوہامِ ملائک کو ہے واں حُکمِ عَصا فیر

جس قصر میں شوکت ہے تری، پہنچے تو پہنچے
باصد تگ و دَو، عرش کا وہم اُس کے سرا زیر
تیرا ہے جو کچھ مرتبہ، سو عقلِ کُل، اُس کے
ہر مُو ہو زباں تن پہ، تو کب کر سکے تقریر
جو کچھ یہ لکھا مَیں، نہ سمجھ اپنی اِسے مدح
کیا میں ہوں، مری کیا ہے قلم، کیا مری تحریر
تجھ سے کی کرے مدح جو مجھ سا کوئی ناداں
ہوتا ہے وہ نزدیکِ خُدا واجبِ تعزیر
کرتا ہوں سخن کو مَیں دُعائیہ پہ اب ختم
اُمّید کرم سے ہے کہ ہو عفو یہ تقصیر
یارب! جو ترے دوست ہیں، از قُلزُمِ اُمّید
ہوتے ہوئے پار، اُن کی نہ کشتی کو لگے دیر
اور اُس میں جو بدخواہ ترا ہونے لگے غرق
موج اُس کو نکلنے نہ دے، ہو پا نو میں زنجیر

قصیدہ در منقبتِ امام عسکریؑ

عیب پوشی ہو لباسِ چرک سے، کیا ننگ ہے!
مان اے آئینہ! بہتر اِس صفا سے زنگ ہے
وضع سے کم مایہ اپنی، کیا ترقی کر سکے
چاہے دریا ہو، یہ کب آب گہر میں ڈھنگ ہے

غش بہم پہنچا، نہ محروم تجلّی دل کو رکھ
صیقل اس آئینے کی، گردِ شکستِ رنگ ہے

مردہ، اپنی عجز پوشی سے جو مارے ہے دم
فی الحقیقت تیغ کو، جوہر سے بہتر زنگ ہے

اپنے بھی مرہونِ احساں ہوں نہ عالی ہمتاں
کوہ کی شمشیر کو کب احتیاجِ سنگ ہے

ٹک پرے رکھنا قدم اِس آستاں سے، گرد باد!
خاک ساری کو ہماری، سرکشی سے ننگ ہے

ابرواں نے کھینچی ہے شمشیر و مژگاں نے چھری
حُسن کی خوبی میں تیرے، تجھ پہ باہم جنگ ہے

آہ کس مُنہ سے کہوں تجھ کو، کہ ٹک ایدھر کو دیکھ
شکل سے میری سدا بے زار میرا رنگ ہے

محوِ حیرت کے تئیں ہے دوست اور دشمن سے کیا
آئنہ تصویر کا، دُور از غبار و سنگ ہے

صبح دم سودا، چمن میں مجھ کو آیا تھا نظر
اِن دنوں شاید وہ کچھ شورِ جنوں سے تنگ ہے

پائے گُل بُن بے دماغانہ سا کچھ بیٹھا ہوا
اک غزل پڑھتا تھا، یہ مطلع کا جس کے ڈھنگ ہے

غزل

شمع کا میرے، صدائے خندۂ گُل، ننگ ہے
ٹک پرے جا بول بُلبُل، گو تو سیر آہنگ ہے

ہو سکیں نازک دلاں کب روکشِ حرفِ دُرُشت
عکسِ بالِ طوطی، اپنے آئنے پر سنگ ہے
یاں سمومِ عشق سے کس کو ہے جوشش کا دماغ
شعلۂ آتش مرے کانٹے پہ، گُل کا رنگ ہے
گرد ہوں میں، تو نہیں خاطر نشینی کا دماغ
آئنہ ہوں، تو صفا میری ہی مجھ پر زنگ ہے
ٹک پرے گلشن سے میرے شور کر، ابرِ بہار!
یاں صدائے رعد، آوازِ شکستِ رنگ ہے
اِس میں جراُت سے میں اُس کا قطع کر طرزِ کلام
یہ کہا: چرخِ منقّش کیا زمرّد رنگ ہے
گوشۂ خاطر سے کرتا ہے عوض اِس قصر کو؟
سر اُٹھا دیکھا نہ ٹک، اِتنا ہی بولا: تنگ ہے
ناگہ اِس اثنا میں اک مُنعِم نے آ اُن سے کہا
بندہ خانے کیا تمھیں تشریف لانا ننگ ہے؟
ہر مکاں میں مسند و ہر ایک جا فرشِ سمور
ہر طرف مُطرب پسر، ہر سو رَباب و چنگ ہے
نوش کرنے کو کباب، اور پینے کی خاطر شراب
دیکھنے کو، رقصِ محبوبانِ خوش آہنگ ہے
یہ کہا سُن کر: جو ترغیب آپ کرتے ہیں مجھے
اِس کو باور کیجیے گا، یہ خیالِ بنگ ہے

نازپروردے جو استغنا کے ہیں، اُن کے تئیں
یک قدم راہِ طلب طے کرنی، سو فرسنگ ہے
دیکھنا راہِ اجل، اُن کو تماشا رقص کا
دردِ دل سُننا کسی کا، اُن کو عُود و چنگ ہے
غم کسی دل سوختہ پر اُن کو کھانا، ہے کباب
نِت اُٹھیں خونِ جگر پینا، مےِ گُل رنگ ہے
خاکِ در ایسے کے ہیں وہ، تیری یہ مسند سو کیا
عرش کے دامن پہ گر بیٹھیں، تو اُن کا ننگ ہے
قبلۂ دنیا و دیں، یعنی امامِ عسکری
جس کی میزانِ عدالت اِتنی بے پاسنگ ہے
ایک پلّے میں ہو کاہ اور دوسرے پلّے میں کوہ
کاہ کو باور تو کرنا، کوہ سے ہم سنگ ہے
پُشت خارِ آہوِ صحرا، ہے پنجہ شیر کا
باز کا، چڑیا کی خاطر آشیانہ، چنگ ہے
ہے حباب اور اب شرر میں، ربطِ فانوس و چراغ
گلشنِ انصاف پر اُس کے یہ آب و رنگ ہے
روے کارِ حشر سے پردے کا اُٹھنا ہے محال
پردہ پوشی پر جو اُس کے حلم کا آہنگ ہے
ہے سَمُومِ قہر کا جس بَرّ و بحر او پر خیال
خشک داں دریا ہے، پانی کوہ سے تا سنگ ہے

نہیٔ سے تجھ امر کی اب، یا امامُ المتقین
بس کہ مَنہیات پر عرصہ جہاں میں تنگ ہے
چشم خوباں میں شراب آتی ہے لینے کو پناہ
گل رُخاں کے خط نہیں، آتش کے اوپر بنگ ہے
مُطرب اپنی آخرش گویا، نالاں ہے سدا
رَوز و شب ہر ایک ڈھولک کے تئیں سَر چنگ ہے
استخوان و پوست سے کھینچے ہی رکھا ہے رباب
زیرِ چوب و سنگ نت اُٹھ رُو سیہ مِردنگ ہے
میں گداؤں کی ترے در کے، کہوں ہمّت، سو کیا
اُس کی یہ ہے گفتگو، جو اُن میں گنج و لنگ ہے
کہ سلیماں سے، نگیں اپنے پہ تو نازاں نہ ہو
پیشِ اربابِ ہِمَم، یہ دستِ زیرِ سنگ ہے
اُس زمیں کو، جس پہ اُس کا دست ہو سایہ فگن
کچھ، سوا گُل اشرفی کے، سبز کرنا ننگ ہے
مُنہ پہ تیغ برق دم، الماس پیکر کے، تری
یک قدم آنا عدو کو، راہِ سَو فرسنگ ہے
گر سرِ دشمن پہ ہو میداں میں وہ سایہ فگن
خود و قاشِ زیں، دو حصّے تا بہ حدِّ تنگ ہے
پر نہیں یہ وصف اُس کے، جو بیاں میں نے کیے
بلکہ یہ تعریف تو اُس کی بُرِش کا ننگ ہے

آسماں سے تا زمیں اور گاوِ سے ماہی تلک
امتحاں گر کیجیے اُس کو، تو یک جَو رنگ ہے
لیتے ہیں تعلیم داں ہر روز آ کر گرد باد
جس جگہ سرگرم کاوے پر تراشِ رنگ ہے
گردِ جَولاں گاہ کا اُس کی، کہوں میں کیا دماغ
عارضِ خوباں کے خط ہونے سے جس کو ننگ ہے
جھانکے ہے ہفت آسماں کو جلدی اُس کی ہر قدم
بس کہ عرصہ شش جہت کا اُس کے اوپر تنگ ہے
بکھرا ہی جاتا ہے ہاتھوں میں چلو لینے کے وقت
نکلا ہی پڑتا ہے رانوں سے، یہ اُس کا رنگ ہے
اِس میں ٹک بھی گرم ہو آیا، تو بس پھر اُڑ گیا
ہے تو گھوڑا ہی، پہ کچھ سیماب کا سا ڈھنگ ہے
ہمّتِ پروازِ تیرے باز کی میں کیا کہوں
اس سے گر سیمرغ بندھ آترے، تو اُس کا ننگ ہے
طُرّہ محبوب میں ہو جس طرح عاشق کا دل
مُرغِ دُور از دہم، یوں اُس کے میانِ چنگ ہے
کر قصیدے کے تئیں سوداؔ! دُعائیہ یہ ختم
قافیے کو وُسعت اب آگے نہایت تنگ ہے
مانگ لے جو مانگتا ہے توصلہ اِس کا، کہ یاں
نے خراجِ رومِ مالیّت، نہ باجِ زنگ ہے

ہر گُلِ اُمید سے محروم، تیرے دوست کا
ہو نہ، جب تک گُلشنِ دُنیا پہ آب و رنگ ہے
لالہ ساں ہو غرق آتش میں عدو سر تا قدم
پُر شرر جس وقت تک دامانِ کوہ و سنگ ہے

قصیدہ در منقبتِ امامِ صاحبُ الزماںؑ

(امام مہدیؑ)

جوں غنچہ، آسماں نے مجھے بہرِ عرضِ حال
دیں سَو زباں دہن میں، ولیکن سبھی ہیں لال
ہرگز کسی گرہ کے لیے، جُز خراشِ دل
مارا نہ آسماں نے کبھو ناخنِ ہلال
اِجرا ے کار بند ہے عالم کا اِس کے ہاتھ
جُز چشمِ عاشقاں، کہ ہیں جاری بہ اِتّصال
روشن ہے شمعِ کشتہ کے پھر کر جلانے سے
یعنی کہ بعدِ مرگ بھی آرام ہے محال

روشن طبیعتوں سے بُرا ہے یہ تیرہ عقل
کرتا ہے نورِ مہر کو، سایے کے پائے مال
رکھتا ہے پُر غرور کو، جوں نیزہ سربلند
جوں جادہ، خاک سار کو دے ہے زمیں پہ ڈال
یک تن نوالہ خوار نہ ہو اِس سے تا ابد
روزِ ازل سے ہے یہ نگوں کاسۂ سفال
ہر روز نعمتوں سے کرے سِفلے کو، غنی
محتاجِ نانِ شب ہو سدا صاحبِ کمال
پارے کو دے ہے رتبۂ اکسیر، بعدِ مرگ
دولت کبھو کسو کو نہ دی اِن نے بے زوال
گر پائے سوختن نہ رہے اُن کے درمیاں
ہرگز کرے نہ شمع سے پروانے کا وصال
سو پردے میں رکھے بوئے گُل کو یہ بے تمیز
پھاڑے نقابِ روئے حیا کی، یہ بد خصال
ڈھانپے ہے جا نماز تلے زاہدوں کا عیب
دیتا ہے رازِ عشق کو پردے سے یہ نکال
ہم پر سدا رکھے مے گُل رنگ کو حرام
خونِ بہار، تیغِ خزاں پر کرے حلال
ہر روز اُٹھ کے غنچۂ گُل کو کرے ہے تنگ
ہر شب رکھے ہے خاطرِ بُلبُل کو پُر ملال

بُو جھ اس کے ہاتھ سے دلِ ہر دشت خار خار
کر لخت لخت ہی جگرِ کوہ کو خیال
اے دل! غرض کسی کو نہ دے چین آسماں
شکوہ نہ کر تو اس سے، کہ ناحق ہے یہ جدال
حاصل نہ ہو سوائے مَشقّت کے اور کچھُ
آہن کو سرد کوٹیے گر تا ہزار سال
ہم پست فطرتوں پہ چلی کب نہ تیغِ چرخ
دوڑے اُدھر ہی آب زمیں پر جدھر ہو ڈھال
گر ہو شعور، اِس سے نہ چاہیں کُشادِ کار
اِس مطلعِ دوم کو پڑھیں جس کے حسبِ حال

مطلعِ دوم

گردوں سے کارِ بستہ کُھلے کیونکے؛ ہے مُحال
ہرگز نہیں ہے عُقدہ کُشا ناخنِ ہلال
پس کیا ضرور تھا جو کیا شکوۂ سپہر
اے دل! تو ہرزہ گوئی سے اپنی زباں سنبھال
خواہش ہے دو جہاں کی اگر، تو زباں سے تو
جُز مدحِ شاہِ سِتر و عَلَن، مت سخن نکال
مہدیِؑ ہادی وہ کہ گر اُس کا نہ ہوئے حفظ
مرکز کو خاک کے، تو قوی ہے یہ احتمال
گُھل جائے سب زمیں گرۂ آب میں ابھی
لے شرق تا بہ غرب، جنوب اور تا شمال

جس کے قدم سے، گلشنِ دُنیا نے یہ شرف
پایا، کہ وہ سما نہ سکے عَرش کے خیال
شبنم نہیں ہے چہرۂ گُل پر، ہر ایک رات
گرتا ہے عَرش سے عرقِ شرم وانفعال
یُمنِ قدم سے اُس کے، جہاں میں، خوشی کے ہاتھ
زائل ہوئی ہے اِس قدر اب صورتِ ملال
ممکن نہیں کہ رات کو شاخِ درخت پر
رکھتا ہو مُرغ، سر کے تئیں اپنے، زیرِ بال
اُس کا قدم نہ ہووے جہاں کے جو درمیاں
کب چار عنصروں میں رہے حدِّ اعتدال
اِس خاک داں پہ ہو نہ اگر اُس کا بارِ حلم
اہلِ جہاں کے آئے سر اوپر عجب وَبال
ہووے زمین زیر و زبر، آسماں کے ساتھ
مانندِ ریگِ شیشۂ ساعت، بہ اِتّصال
کھینچے خُدا نہ کردہ طرف آسماں کے سر
اُس کا اگرچہ یک شررِ آتشِ جلال
کردے فتیلہ کاہ کشاں کا وہ مُشتعِل
گردوں، کفِ ہَوا میں سے اُڑ جائے شکلِ رال
ہم نسبتی سے مَے کی، جو انگور کی طرف
گر تک وہ اعتراض کرے، ہے یہ احتمال

ایک آن بیچ، خوشۂ پر دیں کے واسطے
تاک فلک پہ آئے، خدا جانے، کیا زوال
جس دن سے اُس کے عہد نے جگ کو دیا شرف
تب سے شراب پر ہے خموں بیچ یہ وبال
اُس آب کے نمط، کہ جو کائی کے ہو تلے
دہشت سے زیرِ دُرد چھپا جائے ہے زُلال
بعد از بہار، روے خزاں پر تمانچہ زن
گلشن میں، اُس کے عدل سے، ہے برگ بر نہال
کر اس کو تو یقیں، کہ درِندو گزِند کے
یہ خوف، اُس کے عدل نے، دل میں دیا ہے ڈال
آہو کی دشت میں جو سنی ہے صداے پا
چھپنے کو، ببر ڈھونڈھتے ہیں خانۂ شغال
اژدر ہوئے ہیں سہم کے یاں تک ضعیف و خشک
کرتے ہیں اُن سے مُنہ میں سدا مورچے، خلال
جو کچھ لکھوں میں اُس کی سخاوت میں، نہ ہے بجا
یہ مطلعِ حضور، مری بات پر ہے دال

مطلعِ سوم

چاہے اگر کوئی دو جہاں کا متاع و مال
تیرے گداے در سے کرے آ کے وہ سوال
برسے جو تیرا ابرِ کرامت زمین پر
پیدا بجاے دانہ، گُہر ہوں، ہر ایک سال

مرضی میں گر چلے نہ تری ایک دم سپہر
دستِ قضا بٹھا دے اُسے، دے کے گوشمال
جوں موم تفتہ، آن میں ہو جائیں مضمحل
گر تجھ فشارِ پنجہ سے آگاہ ہوں جبال
شمشیر گر علم ہو تری، جنّ و اِنس کا
ہیبت سے آب ہو جگر و زہرہ و طحال
ہر پُر غرور کی رگِ گردن میں، خوف سے
ہو جائے خشک خوں، رگِ یاقوت کی مثال
مارے اگر تو بر کمرِ آسماں اُسے
گاوِ زمیں کے تن سے نہ لاگا رہے دُوال
ہاہا! جو تیرے نشترِ خنجر سے ایک دم
دُشمن کے دل میں سہو سے گزرے اگر خیال
ہے کیا عجب کہ خوف سے ہر عضو کی رگیں
جا مغزِ اُستخواں میں چھپیں، شمع کی مثال
تیرے سمند کی میں ستایش نہ کر سکوں
تعریف نقشِ سُم کی ہے اُس کے، بہت محال
آئینۂ سپہر میں پڑتا ہے جس کا عکس
نادان جانتے ہیں، کہ نکلا ہے یہ ہلال
سُرعت میں اُس کے ساتھ بہ دعوائے ہم سری
لاگے جو دوڑنے نگہِ دیدۂ غزال

جب تک وہ مردُمک سے نہ پہنچے مژہ کے پاس
پہنچے وہ اُس جگہ کہ نہ پہنچے جہاں خیال
یک پایہ اُس کو تختِ سلیماں سے کم نہ جان
ہووے جو تو سوار عدو کے پئے قتال
سب جِنّ و اِنس و دیو و پری اور وَحش و طَیر
حاضر نہ ہوں رکابِ سعادت میں، کیا مجال
شاہا! ترا بیانِ شجاعت مَیں کیا کروں
ہیہات! اِس زباں کے تئیں کب ہے یہ مجال
دعوائے بندگی ہو جسے اُس جناب میں
اُس کے تئیں ہے فنِّ شجاعت میں یہ کمال
مستک میں فیلِ مست کی مارے اگر وہ تیر
گردن کے استخواں میں کبھو بند ہووے بھال
سُوفار اِس طرح سے نمودار ہو رہے
جوں اژدہا، پہاڑ سے جھانکے ہے سر نکال
پس جس کے ہر غلام میں قدرت ہو اِس قدر
خالق چھُٹ، اُس کی مدح ہے مخلوق کو مُحال
تیری ثنا و مدح کوئی مجھ سے ہو سکے
ہے کیا لب و دہن مجھے، کیا فضل و کیا کمال
دریائے طبع سے یہ کئی گوہرِ سخن
تیرے رِسال کے لیے، پہنچے مجھے رِسال

اے شاہِ دیں پناہ! اشتابی سے کر ظہور
تا دوست تیرے شاد ہوں، دشمن ہوں پائے مال
اکثر جو اختلاف ہیں دینِ نبی کے بیچ
اِس مُجمَلے کا، تجھ پہ ہے موقوف اِنفصال
سودا کو آرزو ہے کہ جب تو کرے ظہور
اُس کی بھی مُشتِ خاک، ہو تیری صَفِ نِعال
تیرے ہر ایک دوست کا، مانندِ صبحِ عید
صفحے میں روزگار کے روشن رہے جمال
جوں شام سَلخِ ماہِ مُحرّم، تمام عُمر
ظلمت ہی میں بسر کریں اعدائے بدخصال

در منقبتِ امام آخرؔ الزماںؑ
و طعن بر شاعریکہ ایراد بر شعرِ میرزا گرفتہ بود

مُنکر بھلا سے کیوں نہ حکیموں کی ہو زباں
جب شُہرے سے مرے ہو مَلا اِس قدر، جہاں
ممکن نہیں کہ اب سخنِ غیر کو ملے
راہ اِس قدر جو پہنچے وہ تا گوشِ سامعاں
نام آوری کے واسطے، حاسد! نہ کر تلاش
جا گہ کسی کے نام کو اِس عہد میں کہاں

گو، یاں کہے تو ریختہ، ایراں میں فارسی
چاہے جگہ جو شہرے کو، سو تو نہ یاں نہ واں
عالم کی آنسنہ پہ، مرا اس قدر ہے شعر
گویا ورق بیاض کا، ہر منہ میں ہے زباں
میں نے سنا کہ تجھ کو مرے ایک شعر پر
دزدی کا اپنے معنی کی، ہے وہم، مہرباں!
شاید بہ اتفاق توارد ہو، پر مجھے
لفظوں کا اپنے غم، کہ ہوئے کس پہ رایگاں
گو زشت کو پنہاؤ کسی رنگ کا لباس
خوبوں میں اُس کو جا نہیں، جز پہلوئے بداں
از راہِ دوستی مَیں کہوں تجھ سے ایک بات
طبعِ شریف پر جو نہ آوے تری گراں
زنہار ہم سری کا مری تو نہ کر خیال
ہو گا عزیب مضحکہ، نزدیکِ شاعراں
ایسی نہیں بندھی ہے سخن کی مرے، ہوا
کھلنے کا جس کے زیرِ فلک دل کو ہو گماں
اس کو یقیں تو جان کہ حیراں ہے اب تلک
عیسیٰ، پےِ معالجۂ نفخِ آسماں
منشیِ منہ فلک، مری تحریر دیکھ کر
سمجھے بغیر، گر غلطی کا کرے گماں

پاوے مری قلم سے وہ فی الفور یہ جواب
چُپ رہ، کہ دوں تجھے غلطی سے تری نشاں
حک کردہ سطر ہے وہ ترے ہاتھ کی لکھی
کہتے ہیں جس کا اہلِ زمیں نام، کہکشاں
دفتر سے فنِّ شعر کے تجھ کو۔ ہے کیا خبر
تو جلدِ آسماں کا مُحرّر، حساب داں
روشن جہاں ہے نظمِ طبیعی کی میری شمع
پروانہ واں ہے طائرِ روحِ سخن وراں
مضمونِ تازہ، یوں چمنِ فکر سے مجھے
پہنچا دے ہے ہمیشہ، طبیعت کا باغباں
جوں گل، سرِ بہار، کوئی جا کے سوے باغ
لاتا ہے بہرِ گوشۂ دستارِ دوستاں
رنگینیِ سخن ہے مری اِس قدر کہ گُل
عاشق ہے میرے نظمِ بیاں کا بہ گلستاں
موجِ نسیم، گُل کی جو زنجیرِ پا نہ ہو
شوقِ سخن مرا، اُسے لاوے کشاں کشاں
سعدیؔ کی روحِ پاک کی خاطر ہے سیرگاہ
دیواں کا ہر ورق یہ مرے، بہ ز بوستاں
ہر سطر اُس کی، معنیِ رنگیں سے شاخِ گل
سمجھا کرے ہے بُلبلِ طبعِ سخن وراں

نام اپنے سے کوئی جو مرے شعر کو پڑھے
بولے فصاحت: اِس کا نہیں یہ لب و دہاں
اُس کا یہ شعر ہے کہ قلم جس کی روز و شب
ایسے جناب کی ہے ثنا میں گہر فشاں
جس کو جنابِ حق سے یہ نسبت کہ جس طرح
نظمِ سخن میں لفظ و معانی ہیں توأماں
حاضر حرم میں دل کے وہ مانندِ ذاتِ حق
غائب زچشمِ خلق، و لے ہے جہاں تہاں
مطلع لکھ اور اے قلم اب لائقِ حضور
تا دو جہاں صلہ دے مجھے شاہِ خسرواں

مطلعِ دوم

اے وہ کہ کارِ جنّ و بشر تجھ سے ہے رواں
تیری وہ ذات، جس سے دو عالم ہے کامراں
تجھ خاکِ پا سے فیض جو اکسیر کو نہ ہو
مِس کو طلا نہ کر سکیں اُس سے مُہوّساں
شاہا! عُلُوِّ مرتبہ تیرا جو کچھ کہ ہے
جز عالم الغیوب، بشر پر ہے وہ نہاں
اپنی نگاہِ چشم کو قاصد جو کر کے وہم
بھجوائے، طولِ راہ کے کرنے کو امتحاں
پائے نگہ میں اوّلِ منزل ہو آبلہ
پہنچے نہ واں تلک، ہے تری منزلت جہاں

قرباں مَیں خانداں کے ترے شاہِ دیں پناہ!
جس عزّت و شرف سے کہ تیرا ہے خانداں
جبریل کی جگہ وہ نہیں، جس مقام میں
پُشتین سے دیا ہے تجھے حق نے عزّ و شاں
جو امر کارخانۂ ایزد میں ہو ترا
کیا تاب، عقلِ کُل کرے کچھ اُس میں این و آں
ناقوں کے واسطے ہو جرس، مُرسلوں کا دِل
نکلے جو تجھ قدم کی زیارت کو کارواں
اِس مرتبے کا سُرمہ ہے، اُس کارواں کی گرد
جس کے لیے ہو چشمِ ملائک کی سُرمہ داں
پہنچے فلک کو موجِ گہر، ابرِ فیض سے
تیرے، گرے جو قطرہ بہ دریائے بے کراں
ہیبت سے تیرے عدل کی، شاہا! بہ زیرِ چرخ
خلقت کو اب زمانہ ہے اِس امن کا مکاں
آتا ہے جس گھڑی کہ تمازت پہ آفتاب
بالِ عقاب ہے سرِ کنجشک سایباں
نشو و نما بہ کوہ کرے جس طرح سے کاہ
سرکوب یوں قوی پہ جہاں میں ہے ناتواں
آتش کو آب سے یہ ترے عہد میں ہے قدر
جوں لعل، آب داری سے، قیمت میں ہو گراں

سوزن ہو چاکِ دامنِ شعلہ کے واسطے
وہ خار، جس کو حفظ ترا ہو نگاہ باں
اِس دہرِ پُرسبک کی خلائق میں گر ترا
ہووے نہ بارِ حلم، تو اے شاہِ اِنس و جاں!
دل پر مرے یقیں ہے کہ بحرِ مُحیط کا
لطمہ اُلٹ دے موج کا، کشتیِ خاک داں
خو گر تو خُلق و حلم و حیا سے اگر نہ ہو
اور ہو تری نگاہ براعمالِ عاصیاں
تجھ آتشِ غضب کے شرارے کے سامنے
باروت کا ہے تو دہ، زمیں اور آسماں
کھینچا قضا نے تسمۂ سنگِ فساں کہ جب
شمشیر تیری چرخ چڑھی بہرِ دشمناں
اُس کی بُرِش کرے ملکُ الموت جب خیال
بے اختیار ہو کے پکارے کہ اَلاَماں
شمشیر تو یہ کچھ ہے کہ جس کو کیا میں عرض
گل گوں ترا، سو ہے بہ جمالِ پری وَشاں
رکھتا ہے یہ قدم کہ نہ پہنچے رکاب تک
بادِ بہار بوسے کو، تا آمدِ خزاں
بُطلاں تبھی ہو آگے سے حق کے فنا کہ جب
وہ تیغ ہو، یہ اسپ ہو، اور تجھ سا ہو جواں

چُن چُن کے سنگ ریزے تری جلوہ گاہ سے
طائر ہیں جتنے سِدرہ نشیں، عرش آشیاں
واں کر کے فرش آنکھوں کو اپنی، وہ منتظر
تیرے قدم کے رہتے ہیں، یا صاحِبُ الزّماں
سودا بہ جُز دُعا کے، تری کیا ثنا کرے
اُلکن ہے اس مقام میں جبریل کی زباں
یارب! ترا ظہور شتابی ہو، تا بہ دہر
روشن ترے جمال سے ہوں چشمِ مومناں

در مدحِ عالمگیر ثانی

رکھے ہمیشہ تری تیغ، کارِ کفر تباہ
بہ حقِّ اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
فلک پہ سبعۂ سیّارہ، تا قیامِ جہاں
پھرا کریں تری مرضی شریف کے ہم راہ
بسانِ پرتوِ خورشید، آسماں پہ رہے
ترے چراغ سے روشن، ہمیشہ مشعلِ ماہ
سجودِ در سے ترے بہرہ ور ہوں اہلِ زمیں
رہے رکوع میں تا قامتِ سپہرِ دوتاہ
بسانِ رشتہ کہ دانوں میں سُبحہ کے ہووے
تری وِلا کو رہے اِس طرح دلوں میں راہ

یہ نامِ پاک کہ کہتے ہیں جس کو عالم گیر
خُدا ہمیشہ رکھے زیب و زینتِ افواہ
بجا ہے، تجھ کو سلیماں جلال اگر کہیے
کہ ہے وزیر کا تیرے خطاب، آصف جاہ
عُلوِّ مرتبہ تیرا نظر کرے جو کوئی
رہے فلک ہی کو اُس کی، بہ رنگِ شمع، نگاہ
شہا! نسب جو ترا آفتاب کو پہنچا
ہر آسمان نے پھینکی ہے آسماں پہ کُلاہ
نہیں کلف، یہ فلک سیر کا ترے لے کر
بغل میں غاشیہ اپنی، چلا کرے ہے ماہ
کرے جب آنے کا تو عزم پُشت پر اُس کی
رکاب داب کے اقبال بولے: بسم اللہ
جدھر کو ہو تو جلَو ریز، پھر ترے آگے
ظفر جو "طرِ قُوا" بولے تو فتح "پیش نگاہ"
جہاں پناہ! تری درگہِ عدالت میں
کسی کو دیوے اذیّت کوئی، مَعاذَاللہ!
جلے جو شام کو پروانہ، بزم میں تیری
تو صُبح، شمع کے آتا ہے سر پہ روزِ سیاہ
شرارِ سنگ سے خاشاک کو جو پہنچے ضرر
لے آوے کھینچ کے دیواں میں، کوہ کو، پرِکاہ

کرم بھی اِتنا ہی تیرا ہے خلق کے اُوپر
کہ اب دُفور سے، خالق ہی، جس کے ہے آگاہ
اُمیدِ عفو ترا تا نہ ہیچ ضامن ہو
کوئی نہ کر سکے ہرگز کسی طرح کا گُناہ
جو مُشتِ فیضِ تو کھوئے کسی پہ مثلِ صدف
تو موجِ آبِ گُہر سے وہ نکلے کر کے شناہ
کرے ہے عرض یہ سودا، جنابِ اقدس میں
زمانہ چاہے تھا، مجھ کو رکھے بہ حالِ تباہ
تجھ آستاں پہ وے اب مدد سے طالع کی
ہوا ہے آن کے حاضر یہ بندۂ درگاہ
بس اب جہاں میں کوئی خوش نصیب ہے مُجھ سا
اُمید جس کی بر آئی ہو اِتنی خاطر خواہ
کیا مَیں فرض کہ آنے سے زیرِ بالِ ہُما
جنھیں حصول ہو جمشید کی سی شوکت و جاہ
پر، اُن کو اَوجِ سعادت سے میرے کیا نسبت
وہ پہنچے ظِلِّ ہُما تک، مَیں تا بہ ظِلِّ اللہ
غرض کروں ہوں دُعائیہ پر مَیں ختمِ سخن
ادب کی مرضی ہے، طُولِ کلام ہو کوتاہ
الٰہی! تا ہو جہاں، تو ہو اور دُنیا ہو
جہاں کی خوبی ہے تو، اے جہانیوں کی پناہ!

در مدحِ عالمگیر ثانی

ہے اشتہار تجھ سے مرا، اے فلک جناب!
رخشندگیِ ذرّہ، ہے از فیضِ آفتاب
یک تخم ہوں مَیں خاک نشینِ زمینِ شور
نشو و نما دے مجھ کو کرم کا ترے سحاب
ہے یہ جہاں میں وہ درِ دولت سرا کہ یاں
ناکام بخت، آن کے ہوتا ہے کام یاب
قطرہ تجھ ابرِ فیض سے پہنچے جو سوے بحر
جا دے رگڑنے چرخ کو موجِ دُرِ خوش آب
دریا کو سیرِ کشتی سے تیری، ہو یہ شرف
لا دے، عجب نہیں، جو ہُما، بیضۂ حباب
روشن دِلوں کو گر نہ ہو مسجود در ترا
رکھّے نشانِ سجدہ جبیں پر نہ ماہ تاب
معراج وہ نبی کی، جو ہو عرش کے پرے
معراجِ اُمّت اِس میں جو اِس جا ہو باریاب
یہ عدل ہے ترا کہ قوی کو ضعیف پر
کرنے سے اب تعدّی کے، اِتنا ہے اجتناب
کنجشک کے چلے نہ وہ تیر آشیاں تلک
پرگیری میں لگائیے جس کی، پرِ عُقاب

ہیبت سے کانپتی ہے مَنا ہی اب اِس قدر
ہو جائے کیا عجب، عرقِ بید، گر شراب
پہنچا نہ تیرے عہدِ مُبارک میں ایک روز
از دستِ محتسب، کوئی تا پائے اِحتساب
سامانِ تیرہ روزی ہے بہرِ سرِ عدو
تیری وہ تیغ، قبضہ ہے جس کا سیاہ تاب

کیا تاب ہے عدو کی جو ٹھہرے ترے حضور
سُن کر نہیب قہر کو تیری، گہ عتاب
ہر پورت پرت کوہ کا یوں اُڑ چلے کہ جوں
کھُل جائے بادِ تند میں شیرازۂ کتاب
جُز ماہِ نَو، قرینہ نہیں تجھ کمان کا
ترکش کا، جُھٹ خطوطِ شُعاعی، نہیں جواب
اُس رخشِ برق وَش کے ترے وصف میں شہا!
میں نے کیا ہے مطلعِ روشن یہ اِنتخاب

مطلعِ ثانی

رانوں میں اُس کو سورتِ سیماب اِضطراب
چالاک تر خیال سے اور وہم سے شتاب
گُل گُوں بھی اُس کو کہیے تو ہے یہ سخن بجا
آتی ہے باس جس کے عرق سے بہ از گلاب

ٹک رہ عناں کشیدہ تو اُس پر گہِ خرام
ہے آرزو صبا کو کہ بوسہ دے بر رکاب

بخشی جو تجھ کو حق نے جوانی میں سلطنت
شَیبِ زمانہ کو یہ ہوئی خواہشِ شباب

نزدیکِ شام کچھ یہ شفق پھولنا نہیں
کرتا ہے چرخِ پیر، حنا باندھ کر خضاب

اِس بارگہ کو کیوں نہ فلک مرتبت کہوں
جس کی بلند کاہکشاں سے بھی ہر طناب

اِستادہ ہونے میں ہے یہ کچھ اُس کی عُظم و شان
اُٹھتا ہے جس طرح شفقی رنگ ہو سحاب

رفعت ہر ایک چوب کی برتر خیال سے
کوَلے میں، قُطر، وہم کے آوے، یہ کیا حساب

خوبی مَیں بادریسوں کی اُس کے کہوں سو کیا
جوں مُعجزِ نبی سے ہو دو حصّے ماہ تاب

اِس اِس روِش کے قالیِ گُل گُوں تھے اُس میں فرش
دیکھے نہ ہوگے (دیکھا نہ ہوگا؟)، موسمِ گل نے جیسے (جنھیں؟) بہ خواب

بُرجِ حمل کی طرح سے، ہے اُس کے بیچ تخت
تو اُس میں یوں، شرف کے ہو جوں گھر میں آفتاب

سوَدا کرے ہے ختم دُعائیہ پر سخن
اِس جا نہیں ہے طولِ سخن، مقتضائے داب

اُس تخت پر بہ مسندِ اقبال بیٹھ کر
کرتا رہے تو شادیِ نوروز، اے جناب

در مدحِ نوّاب عمادؒ الملک بہادر

فجر ہوتے جو گئی آج مری آنکھ جھپک
دی وو ہیں آ کے خوشی نے درِ دل پر دستک
پوچھا مَیں، کون ہے؟ بولی کہ مَیں وہ ہوں، غافل!
نہ لگے شوق میں جس کے، کبھو شائق کی پلک
ہے خوشی نام مرا، مَیں ہوں عزیزِ دِلہا
زندگانی کی حلاوت ہے جہاں میں مجھ تک
کھول آغوشِ دل اور لے مجھے جلدی ناداں!
پھر خُدا جانے یہ دن کب تجھے دکھلائے فلک
سُن کے یہ مژدۂ جاں بخش، جو مَیں کھولی آنکھ
اَشعۂ نور کی سی مجھ کو نظر آئی جھلک
آنکھیں مَل کر کے جو دیکھوں ہوں، تو اک بادلہ پوش
سر سے لے غرق جواہر میں وہ ہے پانو تلک
حُسن ایسا کہ جیسے ماہِ شبِ چار دہم
یک بہ یک دیکھ کے، یک چند تو رہ جائے بھچک
چہرے میں ایسی ہے گرمی کہ شب و روز جسے
باد کرتی ہی رہے دامنِ مژگاں کی جھپک
جَعد وہ قہر کہ گُنتھنے کی ہو جس کے ہر لہر
گھر ڈُبا دینے کو عُشّاق کے، دریائے اٹک

زلفیں یوں بکھری ہوئیں چہرے پہ، مانگے تھیں دل
جس طرح ایک کھلونے پہ ہٹیں دو بالک
ناگنی پیچ میں آ اُن کے، نہ مانگے پانی
کھیل جاوے وہ ہیں کالا، جو ڈسے اُن کی لٹک
جبیں ایسی کہ جگر ماہ کا ہو جاوے داغ
اُس کی تشبیہ سے جب اُس کو تجاوز دے فلک
قتل کرنے کا یہ جوہر نہ ہو شمشیر کے بیچ
اُس کی ابرو سے مشابہ نہ بنادیں جب تک
دشت وہ تیر کہ عالم میں نہیں جس کی پناہ
چشم وہ ترک کہ ہے قوم جنھوں کا اُزبک
فتنہ اُس چشم میں ایسا کہ مژہ سے خوں خوار
متصل چونکتے پا کر، دیا کرتے ہیں تھپک
حُسن میں کان کے آویزے سے وہ لطف کہ جوں
مُستعد قطرۂ شبنم کہ پڑے گُل سے ٹپک
بحرِ خوبی کی گویا مچھلی ہے قلّاب کے بیچ
نتھ کے حلقے میں جو دیکھے کوئی نتھنے کی پھڑک
نظر آیا نہ دہن، بینی کو، تنگی کے سبب
منخرین اپنے سے گو اُن نے تراشی عینک
مسی آلودہ لب، اخگر تھے تہِ خاکستر
کہ ہوا سے وہ سخن کرنے کی، جاتے تھے دہک

سِلکِ گوہر کی، صفا دام ہے اُن دانتوں سے
برق، دریوزہ کرے موجِ تبسّم کی چمک
دونوں عارض، گویا شیشے ہیں مئے گل گوں کے
زنخ اُن دونوں میں یوں، جیسے نمک داں میں گزک
وصف میں اُس کی ملاحت کے پڑھوں اک مطلع
جس کے آگے نہ رکھے مطلعِ خورشید نمک

مطلعِ ثانی

رنگِ رُخسار سے، شرمندہ ہو کُندن کی دمک
آگے غب غب کے، خجالت زدہ سونے کی ڈلک
ڈھیلے پیچ اُس کے نے، گردن کا بڑھایا یہ حُسن
جلوہ گر شمع ہو جیسے تہِ دامانِ شبک
ساعدِ دستِ حنا بستہ کی ایسی حرکات
شاخ میں گُل کی، پون بہنے سے جوں آئے لچک
دیکھے جو اُس کی کُچوں کو، یہ تیقّن ہو اُسے
تمبو یاں تان کے یہ کام کا اُترا ہے گنگ
یاد دو معجونِ مبہّی کی ہیں ڈِبیاں ایسی
آوے ہیجان میں، چھیڑے سے جنھیں روحِ ملک
پیاری پیاری وہ لگیں نظروں میں ایسی کہ نگاہ
یہی چاہے کہ کبھو پاس سے اِن کے نہ سرک
کنج یہ قصد رکھے، ڈال دے تو ہاتھ اِن پر
تنگ کے دل میں بھی آجائے کہ لے بھاگ اُچک

ناف کے حسن کو اُس کی جو کیا میں نے قیاس
دل نشیں یوں ہوا میرے کہ بلاشبہہ و شک
نرگسی چشم کوئی ہوگا کہ جس کی یہ آنکھ
لگ کے چھاتی سے، صفا کے سبب آئی ہے ڈھلک
کمر اُس کی میں نہ دیکھی کہ کروں اُس کا وصف
تھی وہ ایک آہوِ دل کے لیے چیتے کی لپک
آگے تو کہہ نہیں سکتا مَیں کچھ اُس کی تعریف
یوں حیا کہتی ہے مجھ سے کہ بس اب زیادہ نہ بک
پس مَیں زانو کو کہوں کیا کہ وہ ہیں آئینہ
اُس کی بھی چھوٹے نہ آنکھ ان سے اگر جائے اٹک
آوے جس بزم میں اُس ساقِ بلوریں کا ذکر
جلوۂ شمع کا، پامالِ حسد ہوئے، نمک
پشتِ پا چھینے روئے لیلا سے مجنوں کا دل
خونِ فرہاد سدا شیریں سے چاہے وہ کفک
وقتِ نظّارہ، مری جب نگہہ دیدۂ غور
سر سے لے اُس قدِ رعنا کے گئی پا لو تلک
فندقِ پا لگی کہنے کہ نہ دیکھا ہوگا
سرو کی بیخ سے پھولا گلِ اَورنگ، اب تک
قامت ایسا ہے کہ ہنگامِ خرام اُس کے، اگر
آگے آجائے قیامت، تو یہ بولے کہ سرک

قدم اِس دھج سے رکھے وہ کہ سرِ عالَم کا
موجبِ شور ہو، خَل خال کی پائوں کی جھنک
کج دواکج چلے جس طرح وہ اٹکھیلی سے
موجِ دریا بھی اُسے دیکھے تو رہ جائے ٹھٹھک
زرق و برق ایسی ہے پوشاک میں اُس کی کہ جسے
کوند بجلی کی کہوں، یا کہوں شعلے کی جَھمک
جیسی سج سے تھی گلے بیچ حَمائلِ گُل کی
ویسی ہی عطر کی بُو، اُتنی ہی سوندھے کی مہک
کیفی یاں تک کہ یہ اندازِ سخن کا جس کے
کسی کو ہشت کہ اُٹھنا، کسی کو دُوت دبک
بات اس لطف سے بہکے تھی دہن سے اُس کے
بادہ جوں ساغرِ لب ریز سے جاتا ہے چھلک
غرض، اِس شکل سے آئی جو نظر وہ کافر
کہا میں دل کی طرف دیکھ کے: اَللّٰہُ مَعَکْ
ناگہ اُس شوخ نے مجھ سے یہ کہا: اے سودا!
اب تو شیشۂ مَے اندوہ کا پتھر سے پٹک
یہ بھی کوئی طور ہے رہنے کا زمیں پر ناداں!
یہ کوئی طرز ہے جینے کا ترے زیرِ فلک!
نہ ترے گھر میں کبھو ناچ میں ہوتے دیکھا
نہ ترے در پہ سُنی آکے پکھاوج کی گمک

آدمی کے تئیں کچھ گرمیِ صحبت ہے شرط
وہ بھی انسان ہے دُنیا میں، جو اِتنا ہو خنک
گو ترا وضعِ زمانہ سے ہے دل افسردہ
پر، ہم آئے ہیں ترے گھر میں، اِدھر دیکھ تنک
ایسے مہماں کی تو لازم ہے کہ خاطر ہو عزیز
بادہ بھر شیشے میں، رکھ لا کے نمک داں میں گزک
بزم آراستہ بُلوا کے کرا اربابِ نشاط
پاس لے بیٹھ ہمیں، سب کو چھکا، آپ بھی چھک
آج وہ دن ہے کہ جس گھر میں تو دیکھے، اُس میں
کہیں ہوتی ہے بھگت، اور کہیں ہے اولک
یاں تلک شیخ و برہمن ہیں طرب کے مصروف
دَیر میں بجتی ہے مِردنگ، حرم میں ڈھولک
تارِ تنبور نہیں رشتۂ زُنّار فقط
لگے سُرسانچ میں تسبیح کے بھی دالوں تک
بادہ گو ہاتھ سے اب مُغ کے نہ پیوے مُلّا
پر یہ راضی ہے کہ کپڑوں پہ جو چھڑکے تو چھڑک
محتسب سے چلے ہے مست رگڑ کر کاندھا
مُغ بچہ آئے چلا قاضی کے آگے ندھڑک
سُن کے، میں نے یہ کہا اُس سے کہ اے مایۂ ناز
خیر ہے! بات سمجھ کر تو کہہ، اِتنا نہ بہک

بے سبب کیوں کے مَیں اندوہ کی اُلفت چھوڑوں
کس طرح دوستیِ غم کروں دل سے مُنفک
وجہ کچھ ہوئے تو کر مجھ سے تو اُس کا اظہار
کچھ جہت ہو تو بیاں کر کہ سنوں میں بھی تنک
کر کے دریافت یہ مجھ سے، کہا اُس نے کہ مگر
سَمع میں تیرے یہ مژدہ نہیں پہنچا اب تک
آج اُس شخص کی ہے سال گرہ کی شادی
کہ بہ صورت ہے وہ انسان و بہ سیرت ہے ملک
یعنی نوّابِ سلیماں فَرد نام آصف جاہ
عہد میں جس کے یہ غیور بُزرگ دو چک
کسی کے آگے کوئی ہاتھ پسارے، کیا دخل
مُٹھی باندھے ہوئے پاتا ہے تولّد کودک
عدل یہ عصر میں اُس کے ہے کہ ہر ایک طبیب
شُعلے کی تپ کو بھی تبرید لکھے خارِ خَسک
کرنے دیوے نہ رفو چاکِ کتاں کو انصاف
تا، نہ رشتے کے لیے ماہ کی کھولیں پیچک
رائج اِتنی ہے مُروّت کہ غَزالے کو، پَلنگ
اِس طرح سمجھے ہے، فرزند ہو جوں لے پالک
عہد میں اُس کے، مَناہی کو ہے ذلّت اِتنی
کشمکش مے پہ، نِت اُٹھ، بنگ سدا زیرِ کتک

ہمت اُس کی پہ نظر کیجے ، تو اک آن کے بیچ
دل سے پہنچے ہے دو صد بار یہ مطلع لب تک

مطلعِ ثالث

تجھ سے ممنوں نہ فقط روے زمیں پر ہر یک
بارِ احسان سے تیرے، ہے دوتا پشتِ فلک
ہو گُہر بار تجھ آگے جو سحابِ نیساں
برق ہو کر متبسّم ، اُسے مارے چشمک
آگے تجھ دستِ کرم کے ، صدفِ پُر زگہر
مٹھی اُس کی ہے ، جسے نکلے بہ شدّت چیچک
چل سکے ہے نہ کسی امر میں تدبیرِ حکیم
مہر سے راے کے تیری وہ نہ لے تا دستک
دستِ دوراں سے مُوالید کا سر رشتۂ کار
نعرۂ قہر کی ہیبت سے ترے ، جائے چھٹک
پیل دیتا نہیں کچھ پیل کا پشتے کو کام
حول و قوّت سے تری ، چاہیے ٹک اُس کو کمک
حلم تیرے کے جو ہم وزن فلک سے کچھ شے
ڈال دیوے زرہِ سہو و خطا کوئی ملک
صدمہ ایسا کمرِ گاوِ زمیں کو پہنچے
شاخیں ہر چند وہ کھنچوائے تو نکلے نہ کسک
تجھ کو للکار کے میداں میں صفِ مرداں کے
سامنے آئے ترے ، کون ہے ایسا مَردک

وہ جواں تو ہے کہ آگے سے ترے رستم بھی
گادُسر مار بغل، جائے دبے پا لو کھسک
اور ٹھہرے بھی کوئی آن، تو حق نے دی ہے
دست و بازو میں ترے قوّت و قدرت یاں تک
اُس کے مرکب سے ملا کر وہ ہیں مرکب اپنا
ہاتھ پٹکے میں دے، اور زین کے خانے سے اُچک
مارے جب زور سے، دے چرخ، زمیں پر تو اُسے
کمرِ دائرۂ خاک میں آوے یہ لچک
کہ ہر ایک اُچھل کر جو زمیں پر بیٹھے
توڑ کر روے سما، چور کرے پشتِ سمک
کیوں نہ کوسِ لمن الملک تو مارے ہر دم
جب تری تیغ میں ہو جوہرِ بُرّش یاں تک
کھینچ کر اپنی کمر سے جو تو مارے اک ہاتھ
شکل نقّارے کی جوڑی کے، دو حصّے ہو فلک
نہ چلے خامہ اب آگے، نہ سیاہی ہو رواں
بادپا کا ترے کچھ وصف نہ کیجے جب تک
چڑھ کے اُس پر، جو تری طبع میں گزرے یہ خیال
قاش سے زین کی گر لیجیے ٹک باگ اُچک
گاہ آجاوے نظر، گاہ نظر سے غائب
پھر ہوا بیچ وہ شب رنگ، ہے جگنو کی دمک

رُو بہ رُو سے اگر آئینے کے، اُس گُل گوں کو
پھینک دے چرخ کے جو تو شرق سے لے غرب تلک
اِتنے عرصے میں پھر آوے، تو اِسے باور کر
عکس بھی آئنے سے ہونے نہ پاوے مُنفک
شوکت و شان کہوں کیا میں ترے ہاتھی کی
چرخ پر جوں مَہِ نَو، ماتھے پہ یوں اُس کے کجک
وصف میں اُس کی بزرگی کے پڑھوں اک مطلع
گوشِ دل سے جو سخن رَس متوجہ ہوں ٹک

مطلعِ رابع

اُس کی گجگاہ کی، اللہ رے، چہرے پہ لٹک
کہکشاں جوں شبِ یلدا میں نمایاں بہ فلک
بیٹھنے میں ہے وہ کوہ، اُٹھنے میں ہے ابرِ سیاہ
عرش رفعت میں وہ، اور چلنے میں جوں چرخ اَتھک
شجرِ طُور کا چہرے پہ ہو اُس کے جلوہ
رنگیں تزئین کے لیے جس گھڑی اُس کی مَتک
جھُول پر اُس کی، ستاروں کا کہوں کیا میں حُسن
تارے جس طرح رہیں رات اندھیری میں چمک
لے کے خُرطوم میں زنجیر پھراوے وہ اگر
اُس کے دانتوں کو یہ سمجھے، جو کوئی ہو زیرک
لیلا نے ہاتھ نکالے ہیں سیہ خیمے سے
ملنے کو مجنوں کے، سُن سلسلۂ پا کی جھنک

روزِ میداں اُسے دیکھو تو دلاور اِتنا
سر کے داں سے نہ، جہاں سے کہ زمیں جائے سرک
سامنے اُس کے وہ چھوٹے ہے پٹاخوں کی لڑی
داغیں یک مرتبہ سو توپ جو ہم سنگ اٹک
چرخی کیا چیز ہے، لاوے وہ جسے خاطر میں
بان بجلی کی کڑک کا کبھو پہنچے اُس تک
چابے وہ توڑ کے جوں نیشکر، اُس کی چھڑ کو
پالو کھجلانے لگے، سونڈ میں لے کر ٹو لک
اِس قدر ہے وہ سبک رَو کہ کبھو چلتے وقت
پالو کی اُس کے، دلِ مُور کو پہنچے نہ دھمک
بے تکان اس قدر اُس کا ہے چلاوا، جیسے
رہ میں، ابر کے آنے سے، ہو سایے کی ڈھلک
اُس کے ہَودَج پہ تجھے دیکھ کے، سمجھے یہ خلق
کرسیِ عرش پہ ہے صورتِ انساں کا ملک
خیمۂ جاہ کا تیرے سو کروں کیا مذکور
ہووے اِستادجہاں تیرے جِلو کی اَسیک
آسماں کو نہ کریں اُس کے تلے بے بچوبہ
کہ نپٹ کہنہ ہے یہ ادر نہایت کو چک
اللہ اللہ، ترے مطبخ کا تجمّل، جس کا
طبقِ روے زمیں سے ہے بڑا خوانِ چشک

کانی داں زیرے کو، محصول نہ ہو کر ماں کا
حاصلِ ہند سے پورا نہ پڑے اُس میں نمک
چرخ و کُہسار کو مصرف سے ہے واں کے دہشت
آپ کو پا کے مُشابہ بہ پیاز و ادرک
اُس کے مصرف کے جو دیہات ہیں، پس اُن میں سے
اپنے مدّاح کو بھی کر دے مقرّر ضحنک
تو ہی ٹک دل میں کر اب عرض کا میری انصاف
جائے کس در پہ کوئی، پہنچ کے ایسے در تک
جُبہہ سائی ہے پرکھ، یاں زرِ انساں کے لیے
آستاں کا ہے ترے سنگ، یہ از سنگِ محک
ختم کر اب تو دُعائیہ پہ سودا! یہ کلام
آمیں کرنے کو گئے بابِ اِجابت پہ ملک
یا الٰہی! جو یہ تیرا ہے چراغِ دولت
تا ابد اِس سے منوّر رہے قندیلِ فلک
تا قیامت رہے مسجودِ خلائق وہ جگہ
مسندِ جاہ کی تیری بچھے جس پر تو شک
جو ترا دوست ہے اب، آئنۂ گیتی پر
اُس کی تمثال کبھو ہونے نہ پاوے منفک
کاتبِ دستِ قضا، شکل عدو کی تیرے
صفحۂ ہستی سے جوں حرفِ غلط کر دے حک

در مدحِ نوّاب وزیرُ الممالک عمادُ الملک
آصف جاہ نظامُ الملک بہادر

کہے ہے کاتبِ دوراں سے، مُنشیِ تقدیر
سمجھ کے دفترِ قسمت کیا کر اب تحریر
یہ روز و شب تو بنا ہے گا تا کُجا اِس طرح
کہ جامِ مہر میں آتش دے، مہ کو کاسۂ شیر
گُماں وہ عہد نہ کر اب، کہ بحرِ دُنیا سے
گہر نکالے تو عُریاں، حباب پہنے حریر
رہا اِسی میں ہے تیری، کہ کاغذِ سابق
دُرست کر لے، عُطارِد کو کر کے اپنا مُشیر
وہ سلطنت کہ نمونہ جسے خدائی کا
کہے ہے، شرق سے تا غرب ہر صغیر و کبیر
سُنا نہیں ہے کہ غازیِ دیں، عمادُ الملک
جو میر بخشی تھا اُن کا، سو اب ہوا ہے وزیر
اگر طلب کرے کاغذ وہ تجھ سے، اے ناداں!
تو ہو سکے گی پھر اُس وقت اِس کی کچھ تدبیر؟
دیا جواب یہ اُن نے کہ میرے کاغذ میں
حضور اُس کے کسی وجہ کی جو ہو تقریر

یقیں ہے، خامۂ دستِ کرم سے اُس کے، مجھے
سوائے عفو، مرے حق میں کچھ نہ ہو تحریر
مری خطا بھی ہے کچھ چیز اُس کی ہمّت پاس
ہر ایک لحظہ جو بخشا کرے ہے گنجِ خطیر
گہر فشاں ہے سدا دستِ فیض یہ اُس کا
تگرگ بار نہ ہو جس کے ابر، عُشرِ عَشیر
غنی ہوا ہے یہ اُس کے کرم سے ہر محتاج
کہ فرق ہو نہیں سکتا بہم امیر و فقیر
تمیز کیا کہوں اِجرائے کار کی اُس کے
کہ جس کی رمز کو پہنچے نہ آسماں کا دبیر
وہ دامِ زلفِ بُتاں کو، اُسے کرے تنخواہ
جو مانگے فرقۂ عُشّاق سے کوئی جاگیر
بیاں میں کیا کروں اُس کی شجاعت! اب جس کو
یہ کہتے ہیں صفِ مرداں میں، کیا جواں کیا پیر
عجب نہیں ہے کہ قالب تہی کرے مرّیخ
اگر وہ چرخ پہ چڑھتے سُنے تری شمشیر
بُرِش کی اُس کی، جو دہشت نہ ہو زمانے کو
تو ہو دے رنگ نہ اُس کا ہر ایک دم تغییر
جہاں کے باغ میں، نقاش، تیرے گل گوں کی
جو چاہیں شکل بنا دیں، تو کیا کریں تدبیر

کہا مصوّرِ بادِ بہار نے جس کو
اگر قیاس میں ٹھہرے، تو کھینچے تصویر
نہ دے کے اُس کو میں تشبیہ برق و آتش سے
ترے حضور کروں جست و خیز کی تقریر
نہیں ہے مرکزِ خاکی پہ، اُس کی جلدی کا
بہ جُز طبیعتِ معشوق، کچھ عدیل و نظیر
رکھا کرے ہے سدا اُس کی گردِ جولاں گاہ
دماغِ آہوِ تاتار، پُر ز بوے عبیر
تری رکاب کے بوسے کی آرزو تھی، و لے
نہ آیا اپنے تئیں ماہِ نو سمجھ کے حقیر
ثنا میں، صفحۂ کاغذ پہ، تیرے ہاتھی کی
قلم کو ہاتھ لے، کیا کیا میں اب کروں تحریر
صفِ عدو کے لیے رزم میں، ہے روزِ سیاہ
ہے شمعِ بزمِ محبّاں کے واسطے، شبِ قیر
بجا ہے گر کہوں اُس کو اندھیری ساون کی
چوئے ہے مستی میں اِس طرح، جوں سحابِ مطیر
تکانِ پا کی صدا اُس کی، جو سُنے، سو کہے:
سیاہ خیمۂ لیلا میں قیس ہے زنجیر
برہمن اُس کو تو گنیش دیو تا بولے
کہے ہے شیخ: ہُوا کعبہ رواں تعمیر

غرض، ہے بات علیٰ قدرِ فہم انساں کے
چناں چہ مجھ سے جو پوچھو تو یہ کروں تقریر
زمیں کی چھاتی کو دابا ہے آسیا ہی نے
زبانِ خلق اُسے کچھ کیا کرو تعبیر
مآل، پر، یہی اِس گفتگو سے ہے سب کا
جہاں تک اُس کے ہیں مدّاح یہ صغیر و کبیر
کہ جس دن اُس پہ عماری تو باندھ کر ہو سوار
تو گویا برُجِ حَمَل میں ہے آفتابِ مُنیر
بیاں مَیں کیا کروں سامان تیرے لشکر کا
کرے ہے کوچ کسی سمت جب وہ جمع کثیر
گماں میں خلق کے آتا ہے، دیکھ کر بُنگاہ
زمیں پہ ابر یہ جاتا ہے، یا چلی ہے بہیر
ستم، جہاں سے ترا عدل یوں کرے معدوم
کہ جیسے خاصۂ تریاق، زہر کی تاثیر
یہ پرورش میں جہاں کی تری عدالت ہے
کہ شیر کا، بچۂ گوسپند ہے ہم شیر
جو کھینچے یاد میں تجھ خُلق کی چمن، نقّاش
تو بُو مَشام میں عالَم کے دے، گلِ تصویر
نہیبِ قہر تری، ہو جو برّ و بحر ادپر
جگر نہنگ کا ترقے، ہو آب زَہرۂ شیر

وہ کُنہ کون سی ہے پردۂ عدم کے بیچ
کہ تیرا مُدرِکہ، اُس کا ہُوا نہ ہوئے بَصیر
مُدبّری کی تری کیا ثنا کرے کوئی
کہ جس کے حق میں یہ مطلع ہے مثلِ مہرِ مُنیر

مطلعِ ثانی

نہیں ہے مُعجزِ عیسیٰؑ سے کم تری تدبیر
کیا ہے زندہ سرِ نَو سے جن نے عالم گیر
رواجِ دینِ نبی، ہے یہ عہد میں تیرے
کہ شکلِ اِنس پہ عائد نہ ہوئے اب تکفیر
شکست دیتے ہیں بُت کو جو سومنات کے بیچ
صدا نکلتی ہے اُس سے، تو کیا ہے وہ، تکبیر
اگرچہ فتح، دکَن بیچ جا کے، اکبرؔ نے
کیا ہے بھاگ نگر اور قلعۂ آسیر
عزیمت اسم کی تیرے اگر پڑھے کوئی
کرے وہ ہند میں بیٹھا، ستارے کو تسخیر
جو تیری ذات سے ہر نیک و بد نے اپنا کام
کیا دُرست، سو اُس کو مَیں کیا کروں تقریر
کہ جیسے اہلِ مذاہب نے جلدِ قرآں سے
لکھی ہر ایک نے اپنے طریق پر تفسیر
غرض نہ خلق ہو دُنیا میں آدمی تجھ سا
کریں جو خاک کو آدم کی لاکھ بار خمیر

پس اِس طرح کے بشر کی ثنا، کوئی مجھ سا
اگر کرے، تو وہ ہوتا ہے واجبُ التّعذیر
اگرچہ مَیں یہ قصیدہ کہا تو ہے لیکن
تری ثنا کی مصنّف ہو یہ زباں ہ تقصیر
کرے ہے عرض یہ سوداؔ، ہمیشہ عالَم کا
رہے تو کارکُشا، اے امیر ابنِ امیر
گرہ جو کام میں اعدا کے ہے ترے، اُس میں
پڑے ہزار گرہ، شکلِ دانۂ انجیر

درمدحِ نوّاب وزیرالممالک اَشجعِ دوراں (نوّاب شجاع الدّولہ)

میں نے دُرِ سخن کو دیا سنگ، رنگ، ڈھنگ
تھا ورنہ اِس رقم میں کب اِس رنگ رنگ ڈھنگ
میزاں جہاں ہو فہم کی، واں کس کے حرف کا
پہنچے مرے سخن کے بہ پا سنگ، رنگ ڈھنگ
ٹک دیکھوں اپنے مصرعِ موزوں کو میں بہ غور
تیغِ سخن بھی رکھتی ہے کیا انگ رنگ ڈھنگ
کس کو ہے فنِّ شعر میں مجھ سا تھ، ہم سری
قطرہ، نہ پاوے پیشِ لبِ گنگ، رنگ ڈھنگ

بلبل کے زمزمے کا، چمن بیچ، کیا مجال
پیدا کرے کلاغِ بد آہنگ رنگ ڈھنگ

سمجھے ہے مرغِ معنیِ عرش آشیاں اُسے
رکھتا ہے باز کا جو مرے چنگ، رنگ ڈھنگ

نقّاش میں تو وہ ہوں سخن کا، کہ سیکھتا
شاعر ہو، مجھ سے، مانیِ ارژنگ، رنگ ڈھنگ

میرا وہ مرتبہ ہے کہ خلقت کے شعر کا
رکھتا ہے شاعری کا مری ننگ، رنگ ڈھنگ

جس گُل زمیں پہ ہوں میں، تو اشعار کا مرے
پہنچے ہے واں سے لاکھوں ہی فرسنگ رنگ ڈھنگ

اصلاح ہو نہ میری، تو اوروں کے شعر کا
جز داں سے نہ نکلے کسی رنگ، رنگ ڈھنگ

پیدا کیا ہے معنیِ نیرنگِ خلق نے
کھا کھا مرے ہی خامے سے سرچنگ، رنگ ڈھنگ

کردوں میں اُس زباں کو رواں، جس زبان کا
مارا ہوا ازل سے ہو اُدھرنگ رنگ ڈھنگ

لقمان شاعروں میں اگر ہو، تو شعر کا
یاں سیکھنے کا اُس کو ہو آہنگ رنگ ڈھنگ

فیضانِ نفسِ ناطقہ میرے سے دہر میں
پایا سخن نے جوں گُلِ اورنگ، رنگ ڈھنگ

جس جا کہ میں لُغات فراہم کروں تو واں
ذرّہ رکھے نہ صاحبِ فرہنگ رنگ ڈھنگ
آئینۂ سخن پہ معانی کی شکل کا
رکھتے ہیں جن کے نقطۂ زنگ، رنگ ڈھنگ
زنہار اُس سے یہ نہ پھریں، ان سے جس طرح
کہتے سخن کا وسوسۂ ننگ رنگ ڈھنگ (کذا)
صنعت میں شعر کی غزلِ پنج بیت کا
کرتا ہے اِن پہ قافیے کو تنگ رنگ ڈھنگ
مجھ کو نہنگِ بحرِ معانی بے کام ہے
سمجھے سخن کا کیا کوئی خرچنگ، رنگ ڈھنگ
یعنی شجاعِ دولہ بہادر، کہ فیض کا
پہنچا ہے جس کے لاکھوں ہی فرسنگ رنگ ڈھنگ
کر اِس غزل کو غور کہ تیری جناب میں
داد، اِس کا چاہتا ہے بہ ہر رنگ، رنگ ڈھنگ

غزل

دیکھا جو دیر و کعبہ (ہے) ہم سنگ رنگ ڈھنگ
کچھ ایک سا رکھے ہیں بہم سنگ رنگ ڈھنگ
کرتا پرستش اُن کی، جو پاتا اُنھوں کے بیچ
یارو، وقارِ دل کے میں ہم سنگ، رنگ ڈھنگ
کیا تجھ لبوں سے لعل کو نسبت کہ اُن کی طرح
پہنچا سکے ہے کوئی بہم سنگ، رنگ ڈھنگ

ساقی نے بھر کے جامِ زمرد کو، یہ کہا
ہم بادہ اِس میں خوب ہے، ہم سنگ، رنگ، ڈھنگ
سودا میں کیا کہوں، درو دیوارِ باغ کا
رکھتا ہے یار بن غم و ہم، سنگ، رنگ، ڈھنگ

بس مجھ کو مغتنم ہے کہ میرے سخن کے بیچ
اِتنا بھی دہر کا جو رکھے ڈھنگ رنگ ڈھنگ
تیری تو وہ زباں ہے کہ جس پر ہر آن نطق
جوں گلستاں رکھے ہے بہ ہر رنگ رنگ ڈھنگ
مریخ تک ہے لے کے عطارد سے، چرخ پر
سیف و قلم کا دیکھ ترے، دنگ، رنگ ڈھنگ
لے کر قلم جو ہاتھ، کرے کوہ پر نگاہ
یاقوت کا تو بخشے بہ ہر سنگ رنگ ڈھنگ
جیتا کبھو عدد کے تئیں، تیری سیف کا
جانے نہ دے ز دائرۂ جنگ، رنگ ڈھنگ
یک پیل و یک نہنگ ہو اور ہوں دو کرگدن
دیکھ اُس کی پھر برش کے، بہ چو رنگ رنگ ڈھنگ
چنچل یہ باد پا ہے کہ جس کا طویلے بیچ
سیماب سا ہو کھینچنے میں تنگ رنگ ڈھنگ
جوں حلقہ مہ وشاں کے ہو عارض پہ زلف کا
کاوے میں یہ رکھے ہے وہ شب رنگ رنگ ڈھنگ

عاشق کا رنگ رُو ہو کہ معشوق کا مزاج
جلدی کا اُس کی دیکھ کے ہوں دنگ، رنگ ڈھنگ

اُس کی کماں کا وصف کروں کیا میں اب کہ ہے
مشہور جس کا ردم سے تا زنگ، رنگ ڈھنگ

تیر اُس سے یوں چلے ہے کہ ارجن سے کتنوں کو
کر دے ہے جس کے توڑ کا چت تنگ، رنگ ڈھنگ

مطلع یہ جا حضور پڑھوں گر وقار کا
پیدا کروں میں کوہ کے ہم سنگ، رنگ ڈھنگ

مطلعِ ثانی

دریائے فیض کا ہے ترے ننگ رنگ ڈھنگ
پا دیں کہاں ترا جمن و گنگ رنگ ڈھنگ

دامن کُشا د ابرِ گُہر بار جب کرے
بخشش کا تیری، کر دے اُسے تنگ، رنگ ڈھنگ

یہ عدل ہے ترا کہ زمانے میں اب نہیں
فریاد کا، بہ جز جرس و زنگ، رنگ ڈھنگ

در مدحِ نوّاب شجاع الدّولہ بہادر مرحوم

مُرغِ معنی کے اگر صید پر اپنا ہو خیال
عرش پرواز ہو، تو کُھل نہ سکیں اُس کے بال

نہ بچے طائرِ مضموں نظر انداز مرا
فکرِ عالی کی ہے شاہین مری، راہ نوال

آوے ہے شعر و سخن پر جو طبیعت میری
معنی، پردے سے عدم کے کرے ہیں استقبال
کچھ مجھے تازہ مضامیں کی نہیں سعی و تلاش
پھرتے ہیں ناطقہ میرے کے سدا بہ دُنبال
شُست و شُو دوں ہوں مَیں الفاظ کو جس پانی سے
دُرد ہے آبِ گہر سامنے اُس کے، وہ زُلال
جس زمیں پر میں کروں بیٹھ کے مصرع موزوں
واں بہ جُز سرو، ہے روئیدگیِ نخل محال
نورِ خورشید ہو شب گھر سے فلک کے زائل
نُورِ معنی سے مری بیت کے، ہے دُور زوال
جو زباں داں، مُتتبّعِ ہو زباں کا میری
چہرہ ہونے کی، فصیحی کو نہیں اُس سے مجال
خامہ کہتا ہے مرا، ہے جو فصاحت اک چیز
سُو زباں کی ہے مری خادمہ بے زر و مال
یہ زباں، مجھ سے کے خامے کو عطا کرنے سے
میں سمجھتا ہوں جو مُنشیِ ازل کا ہے مآل
کہ رہے مدح میں ایسے کی، جسے تا بہ ابد
پرورش کرنے میں گزرے کہ و مہ کی، مہ و سال
یعنی نوّابِ فلک رُتبہ شجاعُ الدّولہ
قائم اُس کا رہے تا حشر یوں ہی جاہ و جلال

مطلعِ تازہ کر اے خامہ، رقم اب ایسا
کہ بہ از مطلعِ انوار کیا جائے خیال

مطلعِ ثانی

بہ تمنائے جبیں، بدر بھی ہوتا ہے ہلال
بس کہ یاں سجدے کے مشتاق ہیں اربابِ کمال
یہ وہ در ہے کہ جہاں آکے بہم پہنچا وے
رتبۂ بالِ ہما، ہر مگسِ بے پر و بال
آستاں ہے یہ وہ عالم میں کہ جس کے در پہ
جتنے ہیں خاک نشیں، باغِ کرم کے ہیں نہال
کرم انساں پہ، جو ہر ہے طبیعی تیرا
خواہ ہو نیک کوئی، خواہ کوئی بد اعمال
کام کرتے کا اگر تو بہ تغافل فرمائے
سایہ تیرا کر اٹھے عرض یہ تجھ سے کہ سنبھال
جس جگہ تیری مروّت کا زباں پر ہو ذکر
شعلہ، واں خس کی اذیّت کو سمجھتا ہے وبال
پدری کی ہے اُنھوں کی، جو ترے دامن تک
مادرِ گیتی کی بے مہری سے پہنچے اطفال
مفلسی سے نہ مکدّر کوئی خاطر پائی
آبِ زر سے جو دھوئی تو نے زبس گردِ ملال
قول پر اُن کے، نہ ہوتی تری ہمّت جو دلیل
پوچھتا میں حکما سے، ہے خلا کیوں کہ محال

ہاتھ کا تیرے اگر عکس پڑے دریا پر
دُرِ مکنون سے ہو مُشتِ صدف مالامال

چاہیے، ابرِ گہُر بار پہ پارے دامن
پونچھ کر چہرے کو، جھٹکے جو تو اپنا رومال

جس گھڑی دہر میں تیرا ہو کفِ جُود بلند
اور اُس وقت کرے تجھ سے کوئی آکے سوال

ہو یہ انبارِ طلا دست تلے سائل کے
کہ جسے پنجۂ خورشید کا پہنچے نہ خیال

نُطق نے، تیئس۲۳ حروفوں سے، ترے عہد کے بیچ
سینؔ و واوؔ و الفؔ و لامؔ کو ڈالا ہے نکال

تو وہ عادل ہے جہاں میں کہ قلم رَو میں تری
چیونٹی بھی دستِ تعدّی سے نہ ہوئے پامال

اِس قدر سنگ نہ بوجھل ہو زمانے میں، اگر
اَرمُغاں حلم ترا بار نہ پہنچے بہ جبال

صَولتِ قہر کے آگے تری، یوں دیوِ سیاہ
آنچ سے آگ کی جوں تاب میں آجاوے بال

روزِ میداں قدم اپنا تو جہاں گاڑے، وہاں
کوہ کا سینہ پھٹے، دیکھ ترا استقلال

شرق سے غرب تلک رُعب ترے نیزے کا
دھاک ہے تیغِ جنوبی کی تری تا بہ شمال

اُس کی خوں ریزی سے یوں فوجِ عدو گھونگھٹ کھائے
جوں مہِ نو سے محرّم کے، پلٹتا ہے سال
کافرِ حربی و موذی و منافق، مُلحد
ایک چو رنگ ہے، چاروں کا اُسے استیصال
کیا بیاں تجھ سے کروں وصف سپر کا تیری
سایۂ مُہرِ نبوّت ہے، تری پشت پہ ڈھال
شَست اندازی سے تیری۔ ہو عدو کب جاں بَر
دائم انگشتِ قضا، تیر کی تیرے، ہے مجال
تیرے شب رنگ کے جلوے کے تئیں جو دیکھے
کہے وہ اُس کو کنھیّا، زرہِ حُسن و جمال
پہنچیں کب اُس کے چلاوے کے تئیں وہم و قیاس
سالہا گر وہ کریں دوڑنے کا استعمال
دیکھے اُس پر جو تجھے وقت کماں داری کے
رہے حیران نشانے کی طرح چشمِ غزال
اُس کے پیکر میں جو دیکھا ہے مَیں اُس کا تیہا
برق کی ابر و ہَوا میں نظر آئی تمثال
روزِ میداں وہ کبھو فوجِ عدو پر کڑکے
بدتر از صاعقہ لا دے سرِ اعدا پہ زوال
تیرے ہاتھی کا بیاں تجھ سے کروں میں لیکن
چھوٹا مُنہ اور بڑی بات نہیں اپنا قال

رفعت و شان و بزرگی میں کہوں کیا اُس کی
مُرتفع جس کے مہ و مہر سے بھی ہوں گھنٹال
اِس طرح مستکِ رنگیں پہ ہے اُس کی، گجباگ
جوں فلک پر شفقِ شام میں نکلے ہے ہلال
جلوہ گر ہیں شبِ دیجور میں گویا دو شمع
حُسن کو دانتوں کے اُس کے، جو کیا میں نے خیال
پائل اِتنا وہ چلے ہے کہ اِسے باور کر
بخشے دشمن کے تئیں عمرِ ابد، جس کی چال
باندھ دیں پانو سے اُس کے جو عدو کو تیرے
پھر اجل چاہے کہ پہنچے اُسے، ہے امرِ مُحال
اُس کی خوبی کا تو کیا ذکر ہے، سبحان اللہ!
وصف میں اُس کی ترایل کے، زباں میری ہے لال
کوئی کہتا ہے: سمیٹے کھڑی ہے آپ کو رات
کوئی بولے ہے: نہیں، چہرے پہ دن کے ہے خال
فی الحقیقت وہ جو ہے ایک پوَن نام نِسا
اکٹھے کر اُن نے گرہ دے رکھے ہیں اپنے بال
نالکی حق نے عطا کی تجھے ایسی، جس سے
مسند کے تخت کو تا حشر رہے استقلال
تو ہے خورشید جہاں تاب کی صورت اور وہ
بے تصنع، بہ نظر بُرجِ حمَل کی ہے مثال

خلق کو شادیِ نَو روز سدا ہوتی ہے
دیکھ مسند پہ تجھے اُس میں بہ دوشِ اقبال
غرض انساں نہ کبھُو پہنچے بہم تجھ جیسا
آسماں گر کرے خلقت کو جہاں کی غربال
کون ایسا ہے، مَیں تشبیہ تجھے دوں جس سے
تو ہی آئینۂ ہستی میں ہے اپنی تمثال
تو ہے جوں مہرِ جہاں تاب بہ ذرّاتِ جہاں
مہر کو ذرّے سے تشبیہ، ہے تحمیق پہ دال
ختم کرتا ہے دُعائیہ پہ سودا یہ کلام
دوست ہوں شاد ترے، اور ہوں دشمن پامال

ایضاً در مدحِ نوّابؒ (مرحوم)

اشجار کا بُستانِ جہاں کے، ہے عجب ڈھنگ
جلتا ہے چنار اِس سے، رُخِ گل پہ جو ہو رنگ
بے مہریِ سیّارِ گلستاں مَیں کہوں کیا
پھل دے اِنھیں جو نخل، اُسے مارے ہیں یہ سنگ
جلتا ہے اُنھیں بخل، حسد اُس سے ہے افزوں
چشم اُن کی، ہے جوں غنچہ، دل اُن کے سے بھی کچھ تنگ
ہے خام طمع کو قدحِ چشم سے اِن کے
بادے کی مُروّت کے طلب، وسوسۂ بنگ

اظہار کریں کوُر سے، دے چشم میں سُرمہ
واں اُٹھ کے لگیں دوڑنے، بیٹھا ہو جہاں لنگ
آ پھرتے ہوئے اِن کے دل و دیدہ کے اَطراف
رِنت مہر و وفا عار کریں، شرم و حیا ننگ
یہماں سے گرفت اِتنے ہوں یہ ماحضر او پر
دل، مُرغ کے سینے پہ گویا باز کا ہے چنگ
ہے ان سے غلط، چاہنی صہبا ے ترحّم
شیشے کا اِنھوں کے ہے ٹھکانا جگرِ سنگ
اَبنا میں توقّع نہیں انساں کو کسو سے
چھٹ اُس کے وزیر، اب ہے جسے ہند کا اَورنگ
کیا منھ مرا اور کیا لب و لہجہ ہے کہ اُس کا
لوں نام مفصّل، نہیں آداب کا یہ ڈھنگ
اِس بحر میں دہ نام بزرگ آوے سو کیوں کر
چُلّو میں سمندر نہیں آتا ہے کسی رنگ
اِن بیتوں کے حرف سرِ مصرع پہ نظر کر
جو اسم شریف اُس کے سمجھنے کا ہے آہنگ
شمّہ جو بیاں کیجیے اوصاف کا اُس کے
جو خوبی ہے دنیا میں، لگے اُس کے نہ پاسنگ
الطاف و کرم کا جو شمار اُس کے کروں میں
عاری رہوں اَمواج کو گن کر بہ لبِ گنگ

انصاف یہ اب عہد میں اُس کے ہے کہ فریاد
لایا نہ لبوں تک کوئی غیر از جرس و زنگ
دیکھا نہ یہ میں حوصلہ جُز اُس کے، بشر کا
وسعت بھی زمانے کی، حضور اُس کے ہے کچھ تنگ
لعل اُس کے تئیں بخشنے، کنکر سے ہیں کم تر
ہمّت کا جہاں بیچ، بھلا کس کی ہے یہ ڈھنگ
بازو کا اُسے زورِ شہ ہند کا کہیے
ہیبت بہ جہاں اُس کی بہ ہر صاحب اورنگ
آمد کی خبر اُس کی جو ہووے طرفِ رُوم
دہشت سے لرزتی ہی رہے مملکتِ زنگ
رُو جب کرے میداں میں سوے معرکہ اپنا
کیا تاب کہ دکھلائے نہ پشت اپنی صفِ جنگ
لکھ وصفِ شجاعت میں قلم! مطلعِ ثانی
دل مدح سے غائبؔ کی مرا اب ہے بہت تنگ

مطلعِ ثانی

رستم کو خبر ہو کہ ترا اُس پہ ہے آہنگ
جیوے بھی جو یہ سُن کے، تو کھایا نہ لگے انگ
بل چیونٹی کا پاوے تو کرے چھپنے کا واں قصد
بہمن یہ، تجھے دیکھ کے، عرصہ ہو زبس تنگ
طائر کے جو تو صید پہ لے تیر و کماں ہاتھ
ارجن کے وہیں چہرے سے پرواز کرے رنگ

حربے سے یہ دہشت پڑے ساونت کے دل میں
بچ جائے اگر جان سے کھا کر ترا سر چنگ
ہاتھ اُس کے میں دے کر کبھو شمشیرِ برہنہ
یک آئنہ دکھلاؤ، تو بھاگے وہ دد فرسنگ
چار آئنہ گردوں ہو اگر تن پہ عدو کے
آگے تری شمشیر کے ہے بھیڑ کا پچو رنگ
عرصہ ترے گھوڑے کی جو سرپٹ کا ہے، اُس میں
پاے فرسِ بادِ سحر کرنے لگے لنگ
کچھ برق سی تڑپے ہے پڑی ابرِ سیہ میں
تیہا جو کہوں، سو نہیں رکھتا ہے وہ شب رنگ
جس وقت تبر زین کو رکھ پٹکے میں اپنے
اُس رخشِ فلک سیر کا تو آن کے لے تنگ
آہن کا کہیں گڑھ ہو تو دروازوں پر اُس کے
قالب تہی سُنتے ہی کریں جتنے ہوں سرہنگ
ہم وزن ترے حلم کا، ہے وقر ہی تیرا
کہسار تو دونوں میں نہیں ایک کے ہم سنگ
خاطر یہ خلائق کی ہے تجھ کو کہ سوے باغ
بے رخصتِ بلبل نہ کرے سیر کا آہنگ
دل تجھ سے ہو میلا کسی طوطی کا یہ کیا دخل
آئینہ تلک عہد میں تیرے نہ لگے زنگ

کھینچا ہے زبس سر بہ فلک عدل نے تیرے
میزاں کی طرف دیکھ کر ذرّہ نہیں پاسنگ
آتش رہے یوں آب میں انصاف سے تیرے
آئینے میں جس شکل ہو عکسِ رُخِ گُل رنگ
تجھ چشم کی ہے نرگسِ شہلا چمنستاں
پاتا ہوں مروّت کے تئیں اُن میں بہ صد رنگ
دل بھر نہ گیا شیوۂ احسان سے تیرا
خالی ہو گئے دُرِّ عدن سے جمن و گنگ
پس جو کوئی تجھ سا ہو، ثنا اُس کی ہو مجھ سے!
ہرگز نہ اسے مانیو، کب مجھ میں ہیں یہ ڈھنگ
جس مرتبے میں تجھ کو سمجھتا ہوں میں ممدوح
یہ مدح تو واں عار ہے۔ مدّاح، سو ہے ننگ
کتنے سخن واقعی میں عرض کیے ہیں
خواہ اُن کو گہر سمجھیے اب، خواہ اُنھیں سنگ
سودا! نہ چل اب آگے کہ یہ جائے ادب ہے
کر قطعِ سخن کا تو دُعائیہ پہ آہنگ
قبضے میں ترے، قوتِ شمشیر سے تیری
لے شام سے تا روم رہے، روم سے تا زنگ
پروازِ ہُما جب ہو سوئے اوجِ سعادت
شہباز کا طالع کے ترے، اُس پہ رہے چنگ

درمدحِ نوّابِ مرحوم شجاع الدّولہ بہادر

خوں مرے دل میں نہیں، تشنہ ہے گو تیرا ناز
شرم سے خو کی تری، پہنچی ہے آتش بہ گداز
گردشِ دہر ان انکھیوں کی بلا گرداں ہے
بختِ برگشتہ کا، مژگاں کے تصدّق، انداز
جنبشِ لب بہ سخن، آبروِ چشمۂ خضر
دمِ عیسیٰ کے لیے، موجِ تبسّم دم ساز
ہے سرِ دہر میں تجھ زلف سے سودا، کہ ہوا
پا بہ زنجیر اُسے سلسلۂ عمرِ دراز
نذرِ ہنگام ادا، ایک جہاں کا دل و دیں
ناز کے وقت، گریبانِ دو عالم ہے نیاز
تیوری کی گانٹھ کا کب ہم پہ کھُلے ہے عُقدہ
ہووے گی کوئی گرہ زہر کی یاں محرمِ راز
رخصت آفت نہ ہو تقدیر سے، جب تک تیرے
کر نہ لے گوشۂ ابرو کے اشارے کی (سے؟) ساز
گاہ نرگس نظر آدیں، گہے آہو، گہ تُرک
انکھڑیاں ہیں تری ظالم کہ کوئی شعبدہ باز!
کینہ جوئی کا تو کیا ذکر ہے، سُبحان اللہ!
مہربانی کا تری، جورِ فلک پا انداز

تو جو کہتا ہے، نہیں دل کو ترے صبر و شکیب
اِس سخن سے تو ہے انصاف بسے دور و دراز
عہد میں حُسن کے تیرے، جو پیمبر ہو کوئی
معجزات اُس کے ہیں، ہے صبر بڑا ہی اعجاز
کون وہ دن تھے کہ جب تب مرے نظّارے کو
تیرے آئیں میں پریشاں نظری کا تھا جواز
سو وہ صحبت ہے یہ بالعکس کہ پیش آئے ہے تو
مجھ سے ہر روز بہ ناز، اور سے ہر شب بہ نیاز
نالہ و آہ سے میرے بہ جہاں رات کو خواب
بسے ہے چشم خلائق سے رہِ دور و دراز
ایک طالع کی تو اپنے نہ کہوں میں، ورنہ
اُٹھ کے جب دیکھیے، تا دیدۂ مہتاب ہے باز
امتحاں میری وفا تا بہ کجا کیجے گا
صفِ عُشّاق میں سب جانتے ہیں اے طنّاز
یوں خمِ تیغِ جفا سے ہوں ترے سر بہ سجود
آگے محراب کے جس طرح سے ہو پیش نماز
کوئی سُنتا نہیں فریاد کو میری ورنہ
آہ کی طرح میں ہو جاؤں سراپا آواز
دل کی تو کہہ نہیں سکتا میں دراندازوں سے
کس لیے، میں کہوں کچھ، تجھ سے کہے کچھ غمّاز

مال و زر تھا، سودیا عشق میں تیرے بر باد
نقدِ جاں پر نہیں راضی، جو کروں اُس کو نیاز
کس طرح سے یہ ستم چاہے گا انصاف اُس کا
استخواں کو ہو مرے جور ترا توتیا ساز
دہر میں دادرسِ خلق ہے اب جس کی جناب
اور اَبنائے جہاں میں ہے سبھوں سے ممتاز
یعنی موسوم بہ نوّاب شجاع الدّولہ
ذات سے جس کی زمانے کو ہے فخریہ و ناز
کیا بیاں اُس کی عدالت کا زباں پر لاؤں
سحر ہے صولتِ عدل اُس کی، نہیں گر اعجاز
باز و کنجشک کی کھینچے جو مصوّر تصویر
رعبِ کنجشک سے پرواز کرے صورتِ باز
پیشِ خس، تاب نہ آتش کو بہ جُز خاموشی
نہ یہ طاقت کہ زباں اپنی کرے شعلہ دراز
عدل جس کا یہ ہو، لازم ہے کہ اب اُس کے حضور
جاؤں اِس مطلعِ ثانی کے مَیں کرنے کو نیاز

مطلعِ ثانی

دُر نہ ہو قطرے سے، اے بحرِ سخا کے، ممتاز
گر ترا دستِ کرم ابر سے ہووے ناساز
ہمّتِ عام نے تیری بہ جہاں اَبنا کو
ہاتھ پھیلانے سے باہم کے رکھا یاں تک باز

سیر چشمی ہے اب اِتنی کہ کسی باغ کے بیچ
شاخ، مانا نہ پڑے نخل کی، با دستِ دراز
یہ مُسلّم ہے رکھ دم یہ کہ آفاق کے بیچ
زندگی بخش مسیحا کا ہے لاشک اعجاز
لیکن انجام کو پہنچائے ہے تو کارِ شفا
مفلسی کے جو مرض کا ہو کسی کو آغاز
عہد میں اپنے شجاعوں کے وہ اَشجع ہے تو
کہ تہوّر یہ ہے تجھ دل کی شجاعت کو ناز
نعرۂ قہر کو تیرے جو سُنیں روئیں تن
استخواں اُن کے، طرح شمع کی، ہو جائیں گداز
شعلہ پیرا وہ تری تیغ ہے، جس کی ہیبت
کوہ کی تیغ تلک رکھتی ہے چلنے سے باز
لاکھ پانی سے بجُھائے ہے وہ آتش لیکن
شعلۂ برق سی اب تک ہے زباں اُس کی دراز
اطلسِ ہفت فلک ہو جو عدو کی چلتہ
کٹے اِس طرح وہ اُس سے کہ چھُری سے جوں پیاز
کام صحت سے نہیں اُس کی جراحت کو مگر
عیسیٰ کا، رُد بہ بھی لادے تو لادے، اعجاز
ورنہ جرّاح کے کب بخیہ و مرہم کے ساتھ
ناخنِ شیرِ اجل کے ہو نہٹے کو ساز

مُحکم انداز ہے وہ توکہ کماں کا قبضہ
ہاتھ اپنے میں لیا جس گھڑی جوں چنگلِ باز
چشم نے دہر کی دیکھا نہ ہوا میں ہرگز
طائرِ روح سوا، مرغ کو کرتے پرواز
زیرِ راں ہے وہ ترے رخشِ صُراحی گردن
شورِ قُلقُل سے بہ از شیشے کی جس کے آواز
جلد پر اُس کی، صفا سے ہے یہ کچھ کیفیت
دیکھ کر جس کے تئیں، چھک رہے صد آئنہ ساز
بوے خوش بادِ سحر یاں سے اُس کی تحفہ
لے کے جاتی ہے، سوے زلف بُتاں بہرِ نیاز
گوش سے تابہ دُم اُس کے، ہیں گُل اس خوبی سے
صد چمن جس کے طویلے کا نہ ہو پا انداز
اچپلاہٹ سے تو پڑتی ہیں یہ اُبلی آنکھیں
رشک سے دل ہو جسے دیکھ چکارے کا گداز
پوز یہ اُس کی بہ از غنچۂ سوسن، کہ جسے
کسی گُل رُو کا لگے کب دہنِ خندہ طراز
مَولِد اُس کا ہے مگر نجد، کہ وہ رکھتا ہے
تیسے میں، غمزۂ خوبانِ عرب کا انداز
اُس سبک رَو کو جو پھینکے تو روے دریا پر
ٹوٹے ہرگز نہ حباب اُس کے بہ زیرِ تگ و تاز

خندق و قلعہ نہ ہو اُس کی ڈپٹ کے حائل
جوں ہوا اُس کو مُسادی ہے نشیب اور فراز
کڑک اُس کی میں کہوں کیا ہے جو کچھ سرپٹ میں
باج دِہ جس کے تئیں صاعقے کی ہے آواز
اُڑ کے رہ جائے جہاں اُس کے تگاپو کی گرد
طائرِ وہم کو پہنچائے نہ واں تک پرواز
کیا کروں وصف ترے فیلِ فلک پیکر کا
تا بلند اپنی زباں سے نہ سخن ہو آغاز
یوں صباحت کی ہے اُس مستکِ رنگیں پہ کجک
ماہِ نوجوں شفقِ شام میں ہو جلوہ طراز
حُسن میں سیاہ قلم کی ہے وہ تصویر، اُس سے
خامۂ صنعتِ حق کی نظر آئے پرداز
اِس طرح دانتوں میں خرطوم ہے اُس کے، جیسے
موسمِ دَے کے ہوں کوتاہ دن اور رات دراز
پائل ایسا کہ عجب کیا ہے بہ وقتِ رفتار
سایے اپنے کو رکھے ہمرہی اپنی سے باز
نے نکاں سیرے ہے دریا میں وہ اِس صورت سے
رشک کھاتے ہیں جسے دیکھ سوارانِ جہاز
اِس قدر ہے وہ دلاور کہ بہ روزِ ہیجا
استقامت کرے اُس کی، جگرِ کوہ، گداز

لاکھ گر توپ دغے اُس کے مُحاذی، تو وہ
سمجھے پٹّے کی طَنین، اُن کی وَغا میں آواز
غرض اِس نظم سے تو یہ نہ سمجھیو ممدوح!
کہ طمع پر ترے مدّاح کی ہو عرضِ نیاز
خلعت و اسپ و گُہر تیرے نہ آگے کچھ چیز
نہ وہ میں، اِس لیے تجھ پاس کروں دست دراز
ہے تصدق جو مُقرّر مری خاطر، اُس میں
نمکیں شیریں کو ہے ذائقے سے میرے ساز
بہرِ پوشش مجھے ملتا ہے وہ جامہ، جس کا
دامن آلودگیِ حرص سے رہتا ہے باز
مجھ کو کچھ کام نہیں، تو مجھے جوں چاہے رکھ
مَیں ہوں بندہ ترا اور تو ہے مرا بندہ نواز
مطلب اِس سے یہ جو سودا ہے ترا پیر غُلام
اور کیا ہو سکے جُز یہ کہ دُعا بعدِ نماز
تیرے اعدا رہیں نظروں میں زمانے کی ذلیل
حق، دو عالم میں رکھے تجھ کو سدا با اعزاز

قصیدہ در مدحِ نوّاب شجاع الدّولہ بہادر مرحوم

در تہنیتِ فتحِ روہیلہ

آیا عمل میں تیغ سے تیری وہ کار زار
دیکھا جسے نہ ترکِ فلک نے بہ روزگار
بے سر ہوئے ہیں آج یہ سرکش، کہ گر نہال
خاک اُن کی پر ہو تو نہ ثمر لائے شاخسار
سر چنگ اِس طرح کے نہ کھائے، کہ تا بہ حشر
مدفوں ہوں جس زمیں پہ، تو واں اُٹھ سکے غبار
آتش غضب کی تو نے یہ اُن کے فسردہ کی
تن میں نہیں ہے قطرہ ُخوں صورتِ شرار
نام اُن کا تیری تیغ نے معدوم یہ کیا
نے عَف کرے ہے سگ ہی، نہ غاں زاغِ کوہسار
یک خم تھی دل اُنھوں کا پُر از بادہ غرور
تیں اُس میں کر دیا نمکِ تیغِ آب دار
تھا عزم یہ ہر ایک کا، جاویں گے بیٹھ ہم
تیغوں کو کھینچ کھینچ کے، قِلقاری مار مار
آئے ہی وہ چناں چہ اِسی طرح روزِ جنگ
پایا تھا جوں دلوں میں خیال اُن کے نے قرار

گاتے بجاتے ناچتے اور کودتے ہوئے
سایے میں جھنڈیوں کے صفیں باندھ بے شمار
وہ جھنڈیاں نظر پڑیں اک دم میں اِس طرح
گاذر بچھا دیں پارچے جوں نہر کے کنار
پر، حق بہ جانب اُن کے ہی تھا کچھ اِس امر میں
تیرے دلاوروں کا نہ دیکھا تھا کارزار
جو غول اُن کے سامنے آیا، تو سمجھے یہ
اک کھیت رو بہ رو ہے ہمارے پُر از خیار
جیسی ہی اُس گروہ نے پی تھی شراب کبر
کھینچا ہے اُس کے نشّے سے ویسا ہی کچھ خمار
اسباب پر حریف کے آپس میں لگتے داؤ
لشکر میں اپنے بیٹھ کے جب کھیلتے قمار
حق ناشناس قوم یہ غرّہ تھی اِس قدر
غارت یہ ہر نبرد کی، لیتے تھے سب اُدھار
لیکن خُدا کے فضل سے، یاں ناگرفتہ قرض
جو لائے تھے سو دے گئے، رکھّا نہ ایک تار
شمشیر و دست و بازو کے ہیں یہ بہت بَلی
اپنا تو حرفِ حق سے گزرنا نہیں شعار
پر وہ جو ہیں غلام اِس جناب کے
آگے قدم اُنھوں کے نہیں اِن کا استوار

جرأت میں اِن کی حرف نہیں، پر یہ کیا کریں
صحبت نہ دل سے اُن کے تہوّر نے کی برآر
اُن میں سے اِس غلام کے تھے اکثر آشنا
میں نے کہا اُنھوں سے کہ تم جیسے جاں گزار
یک قوم و یک برادری و یک گروہ کے
ہو سامنے حریف کے بے حدّ و بے شمار
حافظ کی لاش ڈال گئے معرکے میں تم
فتح و شکست مَردوں کو ہے، پر یہ اضطرار!
اُن میں سے ایک نے بہ دمِ سردِ یہ کہا
خواہش خُدا کی یوں تھی، نہ تھا اپنا اختیار
لیکن جو کچھ کہ واقعی دیکھا سو ہم کہیں
آوے تجھے سخن کا ہمارے گر اعتبار
تھی سامنے ہمارے جو فوجِ ہراولی
ہوں گے وہ دس ہزار تلک پیادہ و سوار
سُنتے ہیں اب ہر ایک سے، اُس فوج کے یہی
سرکردہ تھے سمیت فرنگی کے، پانچ چار
محبوب اور بسنت و لطافت تھے یک طرف
یک سو تھا میر سیّد علی مُستعدِ کار
لیکن اُنھوں کو آدمی کہیے کہ دیو و دَد
اُن کا قدم وَغا میں یہ پایا ہم استوار

ایدھر سے بان و رہکلہ و توپ متصل
پڑتی تھی، پردہ بڑھتے ہی آتے تھے سر گزار
بڑھ بڑھ کے آخرش وہ لگے توپیں داغنے
اُس ٹیلے پر، جہاں سے جزائر کی ہوئے مار
لیکن میں تجھ سے کیا کہوں اے یار اس گھڑی
دکھلائی تھی اجل نے عجب طرح کی بہار

مطلعِ ثانی

تھیں گرتیاں تلنگوں کی مانندِ لالہ زار
تھا دُودِ توپ، ابرِ سیاہِ تگرگ بار
توپیں جو داغتے تھے فلیتوں سے آن آن
رنجک مثالِ برق چمکتی تھی بار بار
گجنال مثلِ رعد کڑکتی تھی دم بہ دم
آوازِ شتر نال تھی طاؤس کی جھنکار
بارود گولہ توپ میں تھا، یا وہ باد تھی
جن نے کہ قومِ عاد اُڑا دی تھی جوں غبار
فرصت کسو نے اتنی نہ پائی کہ وہ کرے
بندوق و تیر و تیغ سے جا اُن میں کارزار
ہر ایک جا نظر یہی آیا ہر ایک کو
گھوڑا اِدھر جو تڑپے ہے، اُدھر پڑا سوار
اُڑتے تھے یوں پیادے، کہ تودے کو روئی کے
ندّاف کا کمانچہ جوں دے ہے انتشار

تھے ہاتھیوں پہ بیٹھے جو حافظؔ کے ہم نشیں
ساتھ اُس کے ہم پیالہ و باہم نوالہ خوار
وہ بھاگے اِس طرح کہ یہ کہتی تھی اُن کو خلق
بھاگا وہ دیکھو جائے ہے میدان سے کوہ سار
نے لڑنے کے حواس تھے، نے بھاگنے کا ہوش
نے سوچ مرنے کا ہی، نہ جینے کا کچھ بچار
باوَرہی کیجو اِس کو تو اے یار، اُس گھڑی
آیا جو کچھ عمل میں، نہ تھا اُس میں اختیار
جیدھر کو جس کا مُنہ اُٹھا اودھر کو وہ چلا
سوچے بغیر یہ کہ فُلاں جا کروں قرار
ہو یہ غضب، تو لاش کا حافظؔ کی ذکر کیا
بیٹا سسکتے چھوڑ گیا باپ نے فرار
حافظؔ کی لاش ہم سے نہ اُٹھی تو نزدِ فہم
جاگہ نہیں ہے طعن و تعرّض کی ہم پہ یار
لازم نہ تھا اُسے کہ ہوا ایسے کے سامنے
ہمت میں اور کرم میں ہے جو طاقِ روزگار
لے زر سے تا جواہر و از اسپ تا بہ فیل
جس کی ہمّم کے آگے نہ رکھتے کچھ اعتبار
نے رتبہ زر کو ہے، نہ جواہر کو منزلت
نے قدر اسپ کی ہے، نہ کچھ فیل کا وقار

خلعت کسی کو، اسپ کسی کو، کسی کو فیل
بخشے کسی کو لاکھ، کسی کو دیے ہزار
حافظ یہ چاہے، عہدے سے اُس کے برآوں میں
پیادے کو دے کے تین روپے، نو روپے سوار
کہتے تھے اُس کو حافظِ زر دوست خلق میں
رکھتا تھا نادہندی میں ایسا وہ اشتہار
کیا کیا میں اُس کی تنگ دلی کا کروں بیاں
خسّت کا اُس کی کیا کروں اظہار بار بار
"حافظ" نے سر دیا نہ دیا "زر" ہوئی ہے یہ
۹۸۱ ۲۰۷
تاریخ اُس کے فوت کی، کرلے عدد شمار
تاریخِ فتح عرض کی سودا نے یوں کہ "ہو
یہ فتحِ نَو مبارکِ نوّابِ نام دار"
۱۱۸۸

در مدحِ نوّاب وزیر آصف الدّولہ بہادر

گر فلک اب یہ مہرباں ہووے — جوں تگرگ، ابرِ دُرفشاں ہووے
دخل کیا ہے کہ اُس کے چھٹنے کا — کسی انسان پر گُماں ہووے
خلق کو اِس قدر ہے استغنا — نہیں ممکن کہ وہ بیاں ہووے
رہ رَو آگے اگر پڑا ہو گُہر — دور ٹھوکر سے کر، رواں ہووے
کبھو دیکھا نہ یوں کہ زر بے قدر — اِس قدر زیرِ آسماں ہووے

رہ نوردوں کی نظروں میں اکسیر / بدتر از گردِ کارواں ہووے
درِ گنجینہ پر، نہیں اب رسم / کنجی اور قفلِ پاسباں ہووے
متّمِوّل یہ خلق ہے، جس کے / قاصر اب کہنے میں زباں ہووے
جو گدا روز و شب کہ سائل تھا / چاہیے رشکِ خسرواں ہووے
درو دروازہ یوں ہے اب کس کا / کہ نہ واں بیل و پیل باں ہووے
کون ہے جس کے تازی و کچھّی / نہ پھڑکتا بہ زیرِ راں ہووے
نہیں بر میں کسی کے اب وہ لباس / کہ نہ قیمت میں جو گراں ہووے
نہ کوئی باندھے، جب تلک ہتھیار / تہ طلا یا نہ تہ نشاں ہووے
خوانِ نعمت نہیں ہے ایک کا یوں / جس پہ تا سَو نہ میہماں ہووے
عیش و عشرت سے ہے سدا دم ساز / پیر ہو کوئی یا جواں ہووے
ہے جو کچھ جس کنے، ہے اُس کی عطا / آصف الدّولہ اور جہاں ہووے
دیکھ کر جس کو، خلق بولے ہے / تو ہو اور عمرِ جاوداں ہووے
پرورش کس کو یوں ضعیفوں کی / تجھ سوا زیرِ آسماں ہووے
درِ دولت سرا تلک تیرے / پہنچے پشّہ، تو پہلواں ہووے
کم بغل جو نظر پڑے تیری / وہ بہ ذیلِ تونگراں ہووے
ہے خلا تو محال، ہے یہ سخن / حُکما کا، غلط کہاں ہووے
سب جگہ ہے ملا، مگر خالی / تیری بخشش سے بحر و کاں ہووے
کیں سے گردوں کی عُمر بھر رہے دُور / جس پہ یک دم تو مہرباں ہووے
چیزِ بے قدر کو جو دے تو قدر / قدر ذالوں میں ارمغاں ہووے
کیا عجب ہے، تری مُروّت کا / جس جگہ ذکر اور بیاں ہووے
لعل و یاقوت کی طرح اُس جا / آب، آتش کے تن میں جاں ہووے

دہر میں حُسنِ خُلق سے تیرے — خلق رطبُ اللّساں جہاں ہووے
بُو سے مذکورِ خُلق کی، فی الفور — دہنِ خُلق عطر داں ہووے
جا سے بے جا تری قلم رَو میں — کب توانا سے ناتواں ہووے
ذرّہ ٔ خاک کی حفاظت کو — بادِ تُند آکے پاسباں ہووے
سنگ اِس عہد میں ہو واں پانی — شیشہ گر کی جہاں دُکاں ہووے
آگے تجھ تیغ کے، عدو کا اگر — دل پہاڑ، آہن استخواں ہووے
کاٹ اُس کا، سپہ گری اُس کی — روزِ میداں سب امتحاں ہووے
کوئی اُس کا نہ ہو جو رُونے کو — دیدۂ زخم خوں چکاں ہووے
تیر تیرا، نگاہِ چشمِ قضا — اُس کو دیدارِ دشمناں ہووے
بادپیما ترا، تعالی اللہ! — جلوہ گر آکے وہ جہاں ہووے
زیرِ راں دیکھ کر تڑپ اُس کی — خلق کا اُس پہ یوں گماں ہووے
کیا عجب ہے کہ برق کا شعلہ — اِس کے تیہے کے درمیاں ہووے
صرصر اُس کے قدم کو پھر نہ لگے — ٹک کُشادہ اُس کی گر عناں ہووے
جہد کرنے کا دل میں ہو جو خیال — مجھ سے آگے تو کیا بیاں ہووے
اُس جگہ تک، جہاں میں جس کا بُعد — دور از وہمِ اِنس و جاں ہووے
لاکھ بار، ایک پَل کے عرصے میں — پہنچے جن جا سے، پھر یہاں ہووے
فوج کا تیری کر سکے نہ شُمار — گو عُطارِد حساب داں ہووے
کثرت اُس کی سے، جب تو ہووے سوار — بس کہ پُر گرد آسماں ہووے
آنکھیں مل مل یہ مہر ہو بے نور — جیسے شیشہ بہ تابداں ہووے
دُود ہو یہ بلند تو یوں کا — آتش انگیز جب دہاں ہووے
سقفِ حمّام جس طرح ٹپکے — قطرہ زن چشمِ اختراں ہووے

اُن کی آواز سے بہ دشت و کوہ
زلزلہ یہ جہاں تہاں ہووے
بہ کفِ دست جس طرح سیماب
حالتِ کوہ یوں عیاں ہووے
دی ہے جو حق نے تجھ کو حشمت و جاہ
فہم واں تک رسا کہاں ہووے
تیرے خیمے کی ایک ہو جو طناب
نصف اُس کے، نہ کہکشاں ہووے
بچھے اُس بارگہ میں جب مسند
رشکِ صد تختِ خُسرواں ہووے
قالیں اُس کی ہر ایک پا انداز
بہتر از باغ و بوستاں ہووے
دیکھیے تب تجھے کہ تو جس دم
بیٹھ کر اُس پہ حکم راں ہووے
اور سرکردہ جتنے ہیں، اُن میں
کوئی نوّاب، کوئی خاں ہووے
دست بستہ، مطیع فرماں کا
رو بہ رو زیرِ سایباں ہووے
تجھ سا آفاق میں ہو جب ممدوح
اور سودا سا مدح خواں ہووے
نہیں شایاں کہ عرض مطلب کی
اُس کے ہر بار بر زباں ہووے
اب دعا وہ کروں ہوں، سُن کے جسے
آمیں آمیں بہ حاضراں ہووے
شادی و عیش و خرّمی ہر روز
آکے تجھ دل سے تَوأماں ہووے

جاہ و دولت کا تیری، تا بہ ابد
حق تعالا نگاہ باں ہووے

درمدحِ نوّاب وزیر آصف الدّولہ بہادر مدّ ظلّہٗ

کیا قلم کو رقم سے ہے منظور
کہ صریر اُس کی سے، ہے دل کو سُرور
نورِ صبحِ بہار کا غذ پر
خط، خطِ گل عذار کے دستور

زلفِ خوبانِ چیں سے خوبی میں کھینچے ہر سطر جس کی آپ کو دور
ہے تبسّم قلم کے مُنہ پر شَق قلم اِتنی رقم سے ہے مسرور
خامہ بیش از گیاہ کیا ہے جسے ہو رقم سے یہ خوش دلی کا وفور
مگر اُس امر پیچ کرتا ہے اِس طرف انتقالِ ذہن و شعور
کہ لکھا چاہتا ہے اُس کی مدح خلق میں جس کا خُلق ہے مشہور
یعنی نوّاب آصف الدّولہ ہو سلیماں پہنچ کے جس تک مور
ہے تواں بخش ناتواں کا وہ شاہد اِس کا ہے متّفق جمہور
پیل لے جائے پیل کو پشتہ اُس کے آگے کریں جو باہم زور
شعلہ پیدا ہو جس دم اُس کی تیغ ہو وے خاکِ سیہ، عدم میں فتور
اُس کی بُرّش کا وصف کیا میں کروں سخت اور نرم پر بہ ایں دستور
سخت پر، جیسے تارِ صابُن میں نرم پر، جوں ہَوا میں بالِ طیور
یاد میں اُس کی باندھیے جو کمر رَن سے پھریے مظفّر و منصور
مدحِ غائب سے دل ہے اپنا تنگ ہو ٹک اے خامہ، باریابِ حضور
وہ جو تیرے کماں کی سیسر ہے کس کو اُس کے اُٹھانے کا مقدور
یاد میں جس کے تیر کی، آوے کوہ نظروں میں خانۂ زنبور
وصفِ شوخی میں بادپا کے ترے کرتی ہے اب زبانِ برق قصور
ہے فرس کس کے زیرِ راں ایسا جس کی جلدی کا ہووے یوں مذکور
کر دے پل میں تمام روئے زمیں سینۂ باز، نقشِ نعلِ ستور
اکڑ ایسی ہے تیرے ہاتھی میں جس کا پروردۂ نمک ہے غرور
دیکھ اُس پر تجھے، یہ بولی خلق ہے تجلّیِ حق بہ کوہِ طور
فتنے کا، دہر میں، نسق سے ترے کون ہووے ممدّ، کیا مقدور

خس و آتش ہو جس جگہ، واں سے
راہ چپ کردہ جائے بادِ سحور

ٹانک دے عدل، دیدۂ شاہیں
پھر نظر دیکھے گر سوئے عصفور

گر ہو آتش پہ تجھ غضب کی نگاہ
ہو حرارت کا اُس میں تو یہ وفور

زندگی کے لیے سمندر بھی
چاہے مسکن بہ معدنِ کافور

تیرے فیضِ نگاہ کو پرِ کاہ
پہنچ کر، چاہیے نہ ہو مغرور

کوہ ہو جاوے، شکل شیشے کی
گرے نظروں سے تیری، چکنا چور

تو وہ دریائے فیض ہے جس سے
واہمہ کر سکے کبھو نہ عبور

تیری بخشش ہے یہ کہ گوہر سے
جوں صدف مُشتِ خلق ہے معمور

مطلب اس نظم سے ترے آگے
کچھ خوشامد نہیں مجھے منظور

بس کہ ہے لائقِ ثنا یہ جناب
مدح کرنی ہوئی مجھے بھی ضرور

میرے ہی اعتقاد ہے یہ مدح
ورنہ رُتبہ ترا ہے اِتنا دُور

کہ جو چاہے خیال واں تک جائے
پہنچنے کا اُسے کہاں مقدور

کہکشاں خامہ، آسماں کاغذ
ہو مرکّب اگر شبِ دیجور

اتنے ساماں پہ، تیرے سب اوصاف
آویں تحریر میں، یہ کیا مذکور

ختم سوداؔ کرے سخن بہ دعا
آمیں سب بولیں بندگانِ حضور

فضل سے حق کے، تو بہ حشمت و جاہ
رہے تا حشر خرّم و مسرور

در مدحِ نوّاب آصف الدّولہ بہادر مدّ ظلّہ

سودا پہ جب جنوں نے کیا خواب و خور حرام
لائے گھر اُس طبیب کے، ہے عقل جس کا نام
احوال اُس کا دیکھ کے، کہنے لگا طبیب
اب فصد و مسہل اِس کے لیے ہے مُفیدِ تام
کہنے لگا سُن اِس کو، وہ دیوانہ در جواب
مجھ میں لہو کہاں، یہ ترا ہے خیالِ خام
جو کچھ کہ میرے تن میں لہو تھا، سو اب کے سال
عامل نے خیر آباد کے پی کر کیا تمام
مسہل طلب کرے ہے غذا کی زیادتی
مجھ کو سو ماہِ عید بھی گزرا ہے صیام
کیا سود اِس علاج سے کہ، اِس کے ماسوا
نا اہنی میں دوا کروں اب کر کے قرض و دام
تب اُن نے یوں کہا کہ بتاؤں میں وہ علاج
اِس درد سے تو پاکے شفا تا ہو شاد کام
اُس کے حضور عرض یہ کر، جس کے سایے میں
مورِ ضعیف، فیل سے لے اپنا انتقام
سُنتے ہی یہ نوید، قصیدہ برائے نذر
لے کر اب اِس جناب میں حاضر ہوا غلام

مطلعِ دوم

اے وہ کہ تیرے عدل کی نسبت بہ خاص و عام
نوشیرواں پہ عدل کا گویا ہے اِتّہام
دیتا ہے تیرے عصر میں اے عادلِ زماں!
زخمِ جگر کو سودۂ الماس ، اِلتیام
کیا کیا ہی خوبیوں سے کیا حق نے تجھ کو خلق
اَبنائے روزگار کے اے فخرِ احترام
مذکور حلم کا میں کروں یا بیانِ خُلق
یا میں تری شجاعت و ہمّت سے اب کلام
تیرا ہی بارِ حلم ہے اے صاحبِ وقار
کشتیِ خاک داں کا جو پانی پہ ہے قیام
آدے نسیم اگر چمنِ خُلق سے ترے
خوش بو جہانیوں کا ابد تک رہے مَشام
تجھ نعرۂ غضب کی یہ صولت ہے، گر سُنیں
فیصل ہوں برّ و بحر کے باشندگاں تمام
زہرہ ہو آب سینے میں ہیبت سے شیر کا
تڑپے نہنگ پیاس سے، ماہی ہو جوں بہ دام
اشجع تو اس قدر ہے کہ میداں میں روزِ جنگ
کیا تاب رو بہ رُو ہوں ترے رستم اور سام
قالب تہی کریں وہ قلم اُس کی دیکھ کر
تصویر تیری تیغ کی کھینچے جو بے نیام
تیغِ سخا بھی ایسی ہے جس سے بہ ملکِ دل
پاتے ہیں گڑھ غموں کے بہ یک ساعت انہدام

سائل کے گھر میں کب تری بخشش سما سکے
تا اُس کے گھر کا تا بہ فلک ہو نہ پُشتِ بام
باغِ جہاں میں آج تو وہ نخلِ سبز ہے
پہنچے ہے چار فصل ثمر تجھ سے روم و شام
تیرا ہی اب بہ روے زمیں، اے فلک جناب!
بے قُفل و بے کلید درِ فیض ہے مدام
پیدا خواص سایے میں اُس کے ہُما کا ہو
تجھ مزرعِ کرم سے چُنے دانہ گر حمام
میں رخشِ بادپا کی ترے شکل کیا کہوں
بچہ تو حور کا ہے ولیکن فرس بہ نام
اُٹھتے غبار سُم سے نہ دیکھا، کہ جب عناں
اُچکی جو قاشِ زیں سے، زمیں پر لگا نہ گام
پہنچا نہ اُس کا سایہ بھی اُس کے قدم تلک
تا اُس کی تو نے رَد میں عناں کو لیا نہ تھام
اعداے بدخصال کی تنبیہ کے لیے
اُس برق وش کی پُشت پہ تیرا ہو جب قیام
ہو طرقِ قواکناں ترے اقبال پیش پیش
نصرت کرے جلو ترے اور فتح اہتمام
کچھ کم نہیں جہاں میں سلیماں سے تیری جاہ
گو آں نہ پہ آصفِ دولہ ہے تیرا نام
تو وہ وزیرِ ہند کہ حیران ہو رہیں
شاہانِ عصر دیکھ کے تیرا یہ احتشام

مطبخ کا ایک خرچ ترے گر بیاں کروں
اُس ذکر کو کفاف نہ ہو صد زباں بہ کام
فیض اُس کا اِس قدر ہے، جو اُس کے ہیں ریزہ چیں
خوانِ کرم پہ اپنے وہ دے ہیں صلائے عام
رُتبہ ترا ہے وہ، جو کرے قصد اُدھر کو وہم
پہنچے نہ ماندگی سے بہ یک کوچ و دو مقام
ذرّہ کرے ہے خاک کا اُس کی، فلک پہ ناز
جس گُل زمیں پہ سیر میں کرتا ہے تو خرام
تجھ سے کی کوئی مدح و ثنا مجھ سے ہو سکے
میں کیا ہوں، کیا زباں مری، اور کیا مرا کلام
اِس نظم سے غرض ہے مجھے عرضِ مدّعا
مقصد مرا قلیل ہے، پہنچے بہ اِنصرام
اپنی تری جناب میں اِتنی ہی عرض ہے
کس کس کا ملتجی ہوں، کہا کر ترا غلام
مت رکھ روا یہ مجھ پہ کہ عُمّال کے تئیں
تیری سلامتی میں، کروں مجرا و سلام
انصاف ہے کہ ہو وہ عطا اِس جناب کی
اور اُن کی میں سماجت و منّت کروں مدام
دیہات جو ہیں مصرفِ مطبخ کے، اُن میں سے
اِس نقدی کے عوض، ہو مجھے صحنکِ طعام
اے گنج بخشِ خلق! مرا ہے جو مدّعا
کرنا روا، حضور ترے کس قدر ہے کام

سوداؔ! بس اب خموش کہ جائے ادب ہے یہ
اِس نظم کا تو کر بہ دعائیہ اختتام
تا بندہ جب تلک بہ فلک ہوویں مہر و ماہ
تا جلوہ گر رہیں بہ جہاں صبح اور شام
دُنیا ہو اور تو ہو الٰہی بہ خرّمی
تیرے نصیب جامِ مےِ عیش ہو مدام

در مدحِ نوّاب وزیر الممالک آصفُ الدّولہ بہادر مدّظلّہ

تیرے سایے تلے، ہے تو وہ مہنت — پشّہ کر جائے دیو و دَد سے لڑنت
نام سُن، پیلِ کوہ پیکر کے — بہ چلیں جوے شیر ہو کر دنت
سحرِ صولت کے سامنے تیرے — سامری بھول جائے اپنی پڑھنت
تیری ہیبت سے نہُ فلک کے تلے — کانپتے ہیں زمیں کے بیچ گڑنت
تکلے کی طرح بل نکل جاوے — تیرے آگے جو دُد کرے اکڑنت
دیکھ میداں میں تجھ کو روزِ نبرد — مُنہ پہ راوَن کے بھول جائے لبنت
تک تکِ پا اگر سُنے تیری — داب کر دُم کھسک چلے ہنوَنت
آوے بالغرض سامنے تیرے — روزِ ہیجا کے، سوریا ساونت
تن کا اُس کے، زرہ میں ہو یوں حال — مُرغ کی دام میں ہو جوں پھڑکنت
شعلہ پیرا اگر ہو تیری تیغ — کاہ سے کوہ تک ہو سب بھسمنت
فرق پر جب عدو کے وہ بیٹھے — زِہ، فلک بولے اور ملک، اَحسنت

گرے تجھ تیر کا جہاں پیکاں
قوتِ بازو سے ترے سرکنت

ہاتھ سوفار تک نہ پہنچے کبھو
کرے بھر عُمر داں کوئی جو کھُدنت

زہرۂ برق آب ہو جاوے
تیرے توسن کی گر سُنے گڑکنت

وہم آسا ہے اُس پری وش کی
شرق سے تا بہ غرب یک ڈپٹنت

بیشۂ عدل میں ترے ہر موش
سامنے ببر کے رہے چُوڈنت

کوئی کیسا ہی ہو قوی، اُس سے
نہیں دل کو ضعیف کے دبکنت

وہ بھی روباہ، جس کو ہو خارشت
سمجھے ہے شیر کو، ہے کیا پشمنت

حلم کا بار گر نہ ہو تیرا
ارض، شکلِ سما رہے نہ ٹکنت

دستِ زربخش کا ترے، خورشید
ڈھونڈھے بھر عُمر، تو نہ پاوے انت

آگے سائل کے تو کرے بہ زمیں
اشرفی اور روپے کی یوں بکھرنت

جلوہ نظروں میں اِس طرح وہ دے
جوں فلک پر ہو تاروں کی چھٹکنت

ختم سوداؔ دُعا پہ کرتا ہے
وصف کا تیرے کون پاوے انت

رہے نواب آصف الدولہ!
دل سے تیرے خوشی کو نت لپٹنت

حال یوں روسیہ حسد کا ہو
جاہ و دولت کی تیرے دیکھ بڑھنت

مہر کے جوں حمل میں آنے سے
شب کو آفاق میں لگے ہے گھٹنت

در مدحِ نواب سرافراز الدّولہ حسن رضا خاں بہادر

صباحِ عید ہے اور یہ سخن ہے شہرۂ عام
حلالِ دخترِ رز بے نکاح در روزہ حرام

پھرا ہے آج بہ مقصودِ بادہ خواراں چرخ
ہے اب بہ روے زمیں دَورِ دَورِ ساقی وجام
بہ عیش گاہِ جہاں خوش ہو خرّمی نے آج
کیے بدل بہ مُباحت، مَناہی کے احکام
معانقہ بہ جہاں آج مے پرستوں سے
کرے ہے محتسب آکر بہ اِنبساطِ تمام
نشّے نے مے کے یہ سرخوش کیا کہ کاغذِ باد
خیالِ بادہ کشاں میں، ہے قاضی کا اعلام
سُرور ہے یہ جہاں میں کہ شیخ و زاہد و رند
بہ تُرہاتِ وظرافت بہم کرے ہیں کلام
وہ اُس کو غنچۂ گل سمجھے ہے، جو زاہد کے
دھرا ہو سامنے مینائے بادۂ گُل فام
یوں آج ہیں بہم اطفال، دبکے ہے مُلّا
کہ جیوں رعایا پہ عامل تغیر کا احکام
نہ دل میں یادِ سبق ہے، نہ خطرۂ آخوند
بہم ہر ایک ہے مشغولِ لعبتِ اقام
ہر ایک گھر میں صدائے مُغنّی و مطرب
زشام تا بہ سحر اور سحر سے لے تا شام
دلوں میں سب کے خوشی نے جگہ کی اتنی کہ آج
عدم سوا، کہیں اندوہ کو رہا نہ مقام
ہیں عطر مال بنا کر لباسِ رنگا رنگ
زبس خواص سے لے کر جہاں میں تا بہ عوام

نظر میں گُل کی طرح یک دگر ہیں اہلِ زمیں
زمیں تمام چمن زیرِ چرخِ نیلی فام
ہر ایک دستِ نگاریں میں یوں ہے دستِ حنا
شفق میں پنجۂ خورشید جوں قریب بہ شام
کچھ آج اور ہی بُو ہے دماغِ خلقت میں
ز عطرِ خرّمی از بس کہ پُر ہوئے ہیں مَشام
فقط نہ شہ کے ہی سر ہے ملا سوے دیہیم (کذا)
رکھی گدا نے کُلہ، تاج رکھ کے اُس کا نام
ہر ایک چلنے کا ہے عیدگاہ کے مصروف
پہن لباسِ نَو آقا، لباسِ شُستہ غلام
جدھر کو سُنیے، ہے آوازِ شادیانۂ عید
جدھر کو دیکھیے، طبل و دُہل بہ ہر در و بام
خوشی نے جوش یہ مارا ہر ایک دل میں کہ اب
نہیں قبا میں سماتا ہے خلق کا اندام
عجب نہیں ہے کہ بالیدہ وہ بھی ہو جادے
کریں جو کندہ نگیں پر کسو بشر کا نام
نہ دیکھی ہوگی خوشی ایسی خلق نے جب سے
ہلالِ عید کو دیکھے ہے بعدِ ماہِ صیام
اُسی کی عیدِ مبارک کا ہے مگر یہ سبب
جس افتخارِ زماں کا حسن رضا خاں نام
زہے وہ خانِ رفیعُ المکانِ عالی قدر
زہے وہ خانِ فلک مرتبت، ذوی الاکرام

کہ جس کی ذاتِ فیوضات سے کہاتی ہے
جہاں میں صاحبِ فرزند، مادرِ ایام
پہنچ کے ہو درِ دولت سرا تلک اُس کے
وہ کام یاب، جو ہو سرنوشت کا ناکام
جو وہ کیا نہ کرے دست گیریِ نُجَبا
قدم کا ایک کے اِس سرزمیں پہ ہو نہ قیام
ہے چشم کانِ مروّت، دل اُس کا معدنِ مہر
ذخائرِ کرم و جود، دستِ فیض مدام
ہے خلق واسطے خلقت کے اُس کی گویا خُلق
حیا و شرم ہوئی ختم اُس پہ، حلم تمام
وہ اُس کا خوانِ نعم ہے کہ جس کے مطبخ میں
صدا کھڑکنے کی ہے دیگ کے صدائے عام
یہ قصدِ خامہ ہے اب اُس کی مدحِ غائب سے
کرے یہ مطلعِ انور حضور میں ارقام

مطلعِ ثانی

ترا وہ عدل ہے اے ملجأ تمام انام
کہ باز بچۂ نکالے ہے، بے کے تخم حمام
کرے نظر جو سوے صید عہد میں تیرے
ہو کور دیدۂ صیاد، شکلِ دیدۂ دام
بہ روزِ جمعہ سدا ہاتھ دے کے ناخن گیر
پھرے ہے شیر کو بیشے میں ڈھونڈھتا حجام

اِسی امید پہ تا قصر کر کے ناخنِ شیر
برائے ہیکلِ اطفال دے کے، بے انعام
بیاں ہو کب تلک انصاف و عدل کا تیرے
یہ معدلت کا تری جز رسی سے پہنچا کام
کہ تار و پود سے اُس کے ہی، دیوے ہے لٹکا
بہ جُرمِ خونِ مگس، عنکبوت کو، ایّام
سخا میں حاتمِ طائی کو تجھ سے نسبت کیا
مرے سخن کو یقیں کر، وہ ہے زبان زدِ عام
بہ زیرِ سقفِ فلک شہرۂ سخا اُس کا
طنینِ پشہ، صدا فیل کی ہے، در حمّام
تری وہ تیغ کہ فتنے کا رُو ہو سوے عدم
سُنے جو چونکتے اُس کو بہ خواب گاہِ نیام
اگر وہ ہووے علم، اُس کے سایے کے آگے
عجب نہیں، سپر افگن ہوں آ کے رُستم و سام
جو تیرے تیر کے ہوتا وہ توڑے آگہ
کماں کے گوشے سے آتا ترے کھنچا بہرام
کروں میں وصفِ سپر کیا کہ تیرے پشت پناہ
علی بہ ہر صفِ میداں ہیں، جن کا ہے تو غلام
ترا سمند سبک رَو ہے اِس قدر کہ نہیں
بغیرِ خانۂ زیں اُس کے، خانۂ آرام
نہ پہنچے موجِ ہوا اُس کے لطف و خوبی کو
سوار ہو کے جو ہانکے تو ایسا یا گام
حضور اُس کے کڑک برق کی بھرے پانی
عناں اُچک کے اُسے جب کرے تو گرمِ خرام

ثنا میں ہاتفی کی تیرے کہا تو ہے یہ سخن
کہ مارتا ہے وہ پہلو بہ چرخِ نیلی فام
پر اپنی بات کی کرتا ہوں آپ ہی تکذیب
خدا نہ کردہ جو یوں ہو ٹپٹ ہے کہنہ یہ بام
ہے عکس اُس کے کلاوے کلا کہکشاں بہ فلک
نظر جو آوے ہے اہلِ جہاں کو بعد از شام
رگڑ یہ رکھتی ہے زنجیرِ پا کہ چلتے وقت
ذرا پہاڑ میں ہو، مور ہو نہ بے آرام
کرُہ زمیں کا طرح آسماں کی پھرتا ہے (دکذا)
پر اُس کی عظمتِ بُھنّاس نے رکھا ہے تھام
زمانے کے ہے زبس دوستی تری منظور
یہ فکرِ قتل میں دشمن کی تیرے ہے وہ مدام
کہ ہیوے چمچۂ چوبی سے کارِ کفچۂ مار
اگر تو خُلق سے شربت کا دے عدو کو جام
مرا ہمیشہ یہ مقصد بہ دل نہفتہ ہے
رہیں بہ حلقۂ طاعت یہ بندگان و غلام
ترے مخالفِ مذہب ہوں کیسے ہی عابد
نہ سمجھو کہ اُنھوں کا بہ خیر ہو انجام
خدا کو اُن کی عبادت سے ہے یہی منظور
ثواب روزِ جزا اُن کا آوے تیرے کام
ہے اِس قدر ترا آلودگی سے دامن پاک
کریں طوافِ حرم، اُس کو باندھ کر احرام

یقیں ہے یہ کہ وہ ہے کے تئیں کہ نزدِ خُدا
نہیں جو دوست ترا، ہے وہ دشمنِ اسلام
پس اب جہاں میں کوئی ہو جو تجُھ سے کا بدخواہ
ہے زہرِ مرگ حلال اُس پہ، شہدِ زیست حرام
ہمیشہ حق کی طرف سے وہ مَوردِ لعنت
زبانِ خلق سے دائم ہے مَوردِ دُشنام
عَروسِ دولتِ دُنیا نے کارِ خیر اپنا
کیا ہے تجھ پہ ہو عاشق بہ اشتیاق تمام
اگر ہزار طلاق اُس کو دیوے تو لیکن
نہ جاوے گی ترے در سے یہ تا بہ روزِ قیام
غرض کہ اِس لیے تیری یہ میں نہیں کی مدح
کہ چاہوں تجھ سے میں اِس کے صلے میں درہم ودام
عوض میں اِس کے صلے کے، کروں میں تجھ سے عرض
قبول ہو جو مرا حرف، اے ذوی الاکرام
مجھے تو گوشۂ خاطر میں اپنے دے جا گہ
کہ تا بسر کروں لیل ونہار با آرام
کرے ہے ختم دعائیہ پر سخن سوداؔ
ادب سے دور ہے خدمت میں تیری طولِ کلام
الٰہی! باغِ جہاں میں ہو جب تلک مانا
شبیہِ غنچہ صراحی سے، شکلِ گُل سے جام
مئے سُرور تجھے دے ہر ایک عید کے دن
طرف سے ساقیِ کوثر کے ساغرِ گل فام

قصیدۂ بہاریہ در مدحِ نواب سیف الدولہ بہادر

برجِ حمل میں بیٹھ کے خاور کا تاج دار
کھینچے ہے اب خزاں پہ صفِ لشکرِ بہار
کہتے ہیں یوں، زبانیِ پیکِ صبا یہ حکم
پہنچا حضور سے طرفِ باغِ روزگار
مرکب جو شاخ سار کے ہیں اُن پہ اب شتاب
پہنچیں سوار ہو کے جوانانِ برگ و بار
ہیں بخشی دو وزیر جو مریخ و ماہ تاب
اُن کو یہ امر ہے کہ امیرانِ نام دار!
مُنہ کھول دو خزانِ گُل اشرفی کے تم
پکڑو قلم کو ہاتھ، رکھو پیادۂ و سوار
چہرے لکھا کے سُرخ، نگہداشت اب کرو
تعداد پوچھتے ہو تو بے حد و بے شُمار
کر دو یہ حکم تیرِ فلک کو کہ اے دبیر
ہو وے محرّروں کا تغافل اگر شِعار
اہلِ قلم جو دفترِ بخشی گری کے ہیں
ان سے کہیں برائے تقیّد یہ بار بار
گلگونِ لالہ گر کہیں بے داغ رہ گیا
چیریں گے پیٹ ہر مُتصدّی کا غنچہ وار

لیتا ہے کام مجھ کو جوانانِ باغ سے
بھر بھر سبو گلوں کے تئیں دو زرِ عیار
اِبلاغ خانساماں کو ہووے اِس امر کا
تا یہ کہے بُلا کے وہ اپنے بھی پیش کار
معمول سے زیادہ مقیّد ہوں اب کے سال
جس طرح چاہیے، کریں اِس فن کو سنگار
پس اہل کار، لالۂ خود رُو سے یہ کہیں
رنگیں شتاب مستکِ فیلانِ کوہ سار
دگلے ہزار رنگ کے پہنا دیں ابر کو
موجِ ہوا سلک ہو زرہ پوش اب کے بار
تقسیم کر دیں فرقۂ غنچہ میں چلتہیں
دیں دو پٹے، گر رسالۂ گل ہو امیدوار
کہ دیں کہ چار نہر سے گلشن کی، صحنِ باغ
چار آئینے کو سج کے، رہے مستعدِ کار
دارو و گولی پیرِ مغاں مے کدے کے بیچ
رکھے نہ اب، سوائے کمر کیسہ زینہار
بندوقیں بدلے شیشوں کے بھر بھر کے مُغ بچے
آکر شتاب صحنِ چمن میں کریں گذار
جتنے ہیں نے نوازِ جہاں بیچ، اب کریں
پیشہ وہ گرنا کے بجانے کا اختیار
باور اگر نہیں تو اسی آن دیکھ لو
پایا ہے امرِ مطلعِ نیّر نے اشتہار

مطلعِ ثانی

ترکش لگا کے ، دینے کو تصحیحۂ بہار
گُل گوں پہ اپنے ترُکِ ہزارا ہوا سوار
لازم ہے تجھ کو، پی کے شرابِ طرب کا جام
گر مرد ہے ، تو سیرِ گلُستاں کراب کے بار
یک گُل زمیں نہیں کہ جہاں آب، پیسترے
کرتا نہ ہوئے، کھینچ کے شمشیرِ آب دار
غُصّے سے یک دگر کے مرتے ہیں یہ کہ موج
گرداب ڈھال روکے ہے، مارے ہے جب کٹار
بن خود ایک دم نہیں رہتا سرِ حباب
ڈالے رہے ہے مُنہ پہ جھلَم سنگِ آبشار
اندامِ جویبار پہ اب عکسِ تاک سے
بکتر سجی ہی دیکھوں ہوں، کیا لیل و کیا نہار
جاتا ہے نَیستاں کی جو روئیدگی پہ وہم
ہوتا ہے اِس یقین کا دل میں وہ ہیں گذار
نکلے ہیں باندھ باندھ کمر، ہو کے مستعد
لے کر پھرہرے بالوں کے سر پر سے ہان دار
زنجگ ہی بہرِ مشق اُڑا یا کرے ہے۔ برق
گولے ہی ڈھالتا ہے سحابِ تگرگ بار
آوازِ توپ در ہکلۂ رعد روز و شب
کرتی ہے نہ پھرے جا اُس طرف گذار

گر پارچہ بھی ابرِ سیہ کا ہَوا میں ہے
گُجنال کی طرح سے چنگھاڑے ہے بار بار
تھا جس قدر کہ سبزۂ خوابیدہ، یہ صدا
سُن کر، زمیں سے چونک اُٹھا، ہو کے بے قرار
آسودگانِ خوابِ عدم بھی ہیں عن قریب
اُٹھ کر کے خاک داں سے کریں حشر آشکار
کرتے ہیں طائرانِ چمن اب یہ زمزمہ
یارب! یہ اب کے سال قیامت ہے یا بہار!
طاؤس نام وہ جو ہیں اِس فوج کے نقیب
کرتے ہیں یہ صدا کہ جوانانِ لالہ زار!
باہم سے، دستہ دستہ جُدی ہو، کھڑے رہو
جلدی سے باندھ کر کمرِ کینہ اُستوار
میدان صاف کرتی ہے جاروبِ بادِ تُند
تا وقتِ کار دامنِ گُل سے نہ اُلجھے خار
صد برگ (و) جعفری و گُلِ اشرفی نے اب
کیسریے بانے کر کے، یہ باہم کیا قرار
سُنمکھ صفِ قشونِ خزاں آوے جس گھڑی
ہو کر اُتارے، کیجیے میداں میں کارزار
اِستادہ ہے جہاں عَلَفِ سبز خاک پر
پانی کی جس طرف کو زمیں پر چلے ہے دھار
بھالا ہے اور برچھی ہے، بلم ہے اور سیل
خنجر ہے اور تیغ ہے، دَشنہ ہے اور کٹار

ہر آن میں ترانۂ بلبل کے واسطے
ہے اِن دنوں یہ شعرِ تجلّی کا ردِ بکار
از سایہ ہای بیدِ مُولّہ بہر طرف
دارد زمین کمانِ سیہ توز در کنار
تُرکِ صبا کہے ہے: مرا تیرِ بازگشت
ہو پُشت پر حریف، تو نکلے جگر سے پار
خالی سمجھ کے ہاتھ کو اپنے ہر ایک دم
مانگے ہے برگِ بید سے خنجر کو ہر چنار
دامن کو باندھ باندھ ہوئے سرو مستعد
قمری ہر ایک کہتی ہے یوں نعرہ مار مار
ایسا نہ ہو کہ طعن کریں ہم کو بُلبُلیں
لڑیو قدم کو گاڑ کے یارانِ طرح دار
نرگس کو باوجود ہے بیماریِ شدید
اس پر چمن میں آن کے وہ ناتوان (و) زار
للکارتی ہے یوں کہ دو بھیّاں ہو جو کوئی
ٹالے تو بارے آن کے میرے عصا کا وار
کمرکھ کے ہر درخت سے یوں سنگترے کا نخل
کہتا ہے، گرچہ ہاتھ میں شش پر، ترے ہے یار!
لیکن تو دیکھیو کہ خدا دہ گھڑی کرے
کتنوں کے سر میں توڑوں ہوں پتھرے ہی مار مار
کنولے کے ہر درخت کو غصّے نے اِن دنوں
کچھ آگ سی لگا دی ہے، کچو تو اعتبار

دل میں غرض ہر ایک کے، مَیں کیا بیاں کروں
پایا ہے آتشِ غضب و کیں نے یہ قرار
نکلیں بہ جائے دانہ، شرر، کچھ عجب نہیں
دیجے اگر انار کو پنجے میں بے فشار
القصّہ آج پیکِ صبا سے میں صبح دم
پوچھا کہ سُن تو، کس لیے خاور کا تاج دار
قتلِ خزاں پہ مستعد اتنا کہ جس لیے
کی جمع فوجِ قاہرہ اتنی کہ بے شُمار
ایسا تو اِس سے آج تلک کچھ نہیں ہوا
ہاں امرِ سلطنت کا نرالا ہے اختیار
یہ سُن کے، دیکھ دیکھ مرے مُنہ کو یوں کہا
سُنتا ہے اے عزیز! تو کافر کہ دین دار؟
دینِ نبی میں ہے، تو ابھی باندھ کر کمر
گل دستے کی طرح سے تو ہو جا شریکِ کار
اب جرم کو خزاں کے جو پوچھو تو پیشِ خلق
بعد از یزید کے، ہے خزاں ہی گناہ گار
ٹک چشمِ منصفی سے تو اعمال اُس کے دیکھ
کیسے کیے ہے وہ گلشنِ دولت سے اب دوچار
نانا کو جس کے پوچھو تو راکب براق کا
دادا جو دیکھو، مشرق و مغرب کا شہ سوار
بد خواہِ دولت ایسے کا ہووے جو کوئی شخص
اُس پر نہ صف کشی کرے خاور کا تاج دار؟

آخر وہ اِس گھرانے کا بندہ ہے زرخرید
پس کیوں نہ وہ کرے جسے اتنا ہو اقتدار
ایسا یہ خانداں ہے کہ ہر پُشت سے فلک
کرتا ہے جس جگہ کی غُلامی کا افتخار
رکھّے جہاں کے داغِ غُلامی، جبینِ ماہ
ماہی کے دل میں جس کی اطاعت کا خار خار
اثبات تجھ پہ جُرم نہیں اُس کا اب تلک
اپنے تو اعتقاد ہے اِتنی گناہ گار
یک بار لعن گر کرے طوطی یزید پر
بے اختیار ہو کے کرے اُس پہ سو ہزار
لیکن یہ دیکھیو، کوئی دن میں بہ ضربِ کفش
گلشن سے اس کو کھینچ نکالے ہیں، کرکے خوار
سُن کر غرض یہ پیکِ صبا سے، میں یوں کہا
ہے کون، ٹک بتا تو مجھے، وہ بزرگوار
کہنے لگا کہ تجھ سے تعجب ہے یہ سخن
اِتنا تو ہو کے عاقل و دانا و ہوشیار
یہ رمز اب تلک نہیں سمجھا، ہزار حیف!
ہے یہ وہ، جس کے خوانِ کرم کا تو ریزہ خوار
یعنی وہ سیف دولہ بہادر کہ جس کی تیغ
کرتی رہے سدا سرِ اعدا پہ کارزار
جب میں سنا زبانِ صبا سے یہ نامِ پاک
دو ہیں پڑھا یہ مطلعِ رنگین و آب دار

مطلعِ سوم

دیوے نہ تیرے نام سے گلشن میں گر بہار
پھولوں کو آب و رنگ کا لینا ہو ناگوار
تیری سخا کی یاد سوا، خاک پر نہال
بٹھلا وے باغ باں، تو ثمر دے نہ شاخسار
ناخن بغیر غنچوں کی گانٹھیں نہ کھل سکیں
تیری سخا جو بادِ سحر سے نہ ہوئے یار
مے خانۂ جہاں میں کرم سے ترے، نہیں
کوئی شکستہ حال، بہ جز توبہ د خمار
برسا ترا سحابِ کرم یاں تئیں کہ اب
ہوتا ہے رنگِ آتشِ یاقوت، آب دار
جو کچھ کہا میں، اُس کو خوشامد نہ بوجھیو
یاں اِرث ہے شجاع و سخی ہونے کا شعار
دادا ترے کا دستِ کرم کیا بیاں کروں
سائل کو نان و حلوے کے اونٹوں کی دی قطار
رکھیو اب آگے مطلعِ تازہ پہ گوشِ جاں
خورشید کی ثنا کوئی سنتا ہے ذرّہ دار

مطلعِ چہارم

موجِ گہر سپہر سے ادھر کرے گزار
گر اپنے ابرِ فیض سے اتنا کہے، ببار

اور اُس کی پوچھیے جو شجاعت، یہ سُن رکھو
اژدر کے جبڑے چیرے کہ جب تھا وہ شیرخوار
یک دم جو اُس کی تیغ کی بُرّش زراہِ سہو
دل میں اگر خیال کرے اپنے کوہسار
اجزا جو منجمد ہیں جمادات کے، یہ سب
پا جاویں جوں حواسِ جہاں، پل میں انتشار
جس تودے پر کہ تیرِ قضا کارگر نہ ہو
خاکے کو اپنے اُس میں سے پھوڑے ہے وہ دوسار
تیرے بھی تیر و تیغ کی ہیبت ہے یاں تلک
تا وحش و طَیر نے کی سِلَح پوشی اختیار
دُرّاج کون سا ہے کہ پہنے نہیں زرہ
ہر ایک کرگدن کے بدن پر سپر ہیں چار
ارجن کہے کماں کو تری دیکھ، بھیم سے
اپنے تئیں تو کھینچنا اِس کا ہے سخت کار
جس سمت رُخ کریں گے تو میدان ہے وسیع
گر زندگی عزیز ہے بھیّا تو کر فرار
روئیں تن اس کے آگے پس و پیش ہوں کھڑے
لے شرق تا بہ غرب اگر باندھ کر قطار
سوفارِ تیر بولے کہ سینے پہ اگلے کے
پیکاں کو رکھ کے، جاؤں میں پچھلے کی پشت پار
دل پر مرے یقیں ہے کہ میدان میں جس گھڑی
للکارے تو یلوں کے تئیں، کھینچ کر کٹار

گو بر کرے اُس آن میں رستم کا گاؤ سر
بیت الخلا کو یاد کرے سام بار بار
مر مٹنے کا جو بہمن و برزو، دغا کے روز
ہو جائیں تیرے سامنے، آپس میں کر قرار
پتلا زیادہ پانی سے ہو کر، ترے حضور
ڈالے ہر ایک اپنی سپر کو حباب وار
ہو جسم سے علاحدہ، پا دے سرِ عدو
نیزے ترے پہ، گر چمنِ رزم میں قرار
قمری ہر ایک بول اُٹھے یوں کہ اب کے سال
لایا ہے کس کے یُمنِ قدم سے یہ سرو، بار
یوں ہر عدو کے سینے کو اُس میں پروئے تو
جوں سیخ میں کباب کے تکّوں کو بادہ خوار
وصفِ سپر تو کیا کروں جس کا ہر ایک پھول
ہو جاوے روزِ رزم، عدو کے گلے کا ہار
گل گوں کے تیرے وصف میں کیا کیا بیاں کروں
گرد اُس کے کھینچے جب گلِ رنگِ حنا، حصار
اُس حصر میں کرے ہے وہ اِس طرح شوخیاں
تڑپے ہے جوں نسیم چمن میں ہو بے قرار
رانوں میں یہ سبک، جو پھرے سطحِ آب پر
ٹوٹے حباب، اُس سُم تلے آ کر نہ زینہار
مشرق کی سرزمین سے مغرب کی سمت کو
اُس برق وَش کو پھینک دے گر ہو کے تو سوار

اِس عرصے میں پھر آئے کہ شاید نہ بجھنے پائیں
گر پھینکتے میں، نعل سے اُس کے جھڑیں شرار
پر میں ہوں بیتروں کا عدو کے ترے غُلام
میدان کے روز تجھ سے جو ہو جائے وہ دوچار
ڈپٹے اِسے تو اُس پہ، تو جاتا وہ یوں رہے
اُڑ جائے بادِ تند کے آگے سے جوں غبار
رُتبے کو تیری جاہ کے میں کیا بیاں کروں
جس کے تئیں نہ وہمِ فلک کر سکے حصار
ہوتا نہ رنگِ اطلسِ گردوں جو ماتمی
خیمے کے آستر کو ترے تھا یہ جامہ وار
شہ تیرِ کہکشاں کے تئیں بھی، برائے چوب
دو کرتے چیر کر تو نہ بنتے وہ اُستُوار
تھے مہر و مہ بھی خوب ہی کچھ بادریسے کو
پر مُندَرِس ہیں برسوں کے اتنے کہ بے شمار
لے کر مگر خطوطِ شعاعی کو اس میں سے
بٹوائیے طنابیں سو کتنا یہ پود و تار
سرکارِ عالمِ فلکی میں تو کچھ نہیں
میخوں کے واسطے ہے زمیں پر یہ کوہ سار
قالی کا اُس کے فرش کی اِتنا ہے عرض و طول
صد فصلِ گل نہ ہو سکے جس کی نمو نہ دار
جتنا ہے سطحِ روے زمیں، اُس پہ گر اُسے
جس فصل میں بچھاوے، تو ہے موسمِ بہار

جس آن تو قدم رکھے اُس پر برائے جشن
کُھل جائے دیکھتے ہی تجھے چشمِ روزگار
اور ہوئے گا بھی یوں ہی، تو خاطر کو جمع رکھ
صدقے سے پنج تن کے، بہ تائیدِ کردگار
سودا کرے ہے عرض کہ تیرے خزانے سے
بھر بھر سپر ہی لینا ہے مجھ کو زرِ عیار
بالفعل اِس قصیدے کا مانگے ہے یہ صلہ
اِس کے تئیں خطاب دے "رزمیۂ بہار"
کیسے میں دوستوں کے ترے، شکلِ ماہ و مہر
ہو سیم و زر ہر آن میں، کیا لیل و کیا نہار
ہاتھی کے ساتھ ساتھ یہ کہتا چلے عدد
مفلس ہوں، کچھ دلا مجھے نوّابِ نام دار!

ایضاً در مدحِ نوّاب سیف الدّولہ بہادر

ہنجوش کا ہو دل، تو رہے دہر سے بہ تنگ
باور نہیں، تو دیکھ، کہ نالاں سدا ہے زنگ
فرزند کی رکھے نہ یہ دل میں پدر رکے مہر
ہے درپئے شکست سدا آئنے کے، سنگ
کر دے بسانِ شیشۂ ساعت، عجب نہیں
اک پل میں تل کی ماٹی کو اوپر جو یہ گڈ ھنگ

آمادہ مہر و کیں پہ سدا اِس کے دل کی لہر
ہے مستعدِ لطف و غضب اِس کی ہر ترنگ
قطرے سے کرتے دانۂ گوہر، اِسے ہے دیر؟
یا برق کو ہے بھیجتے خرمن پہ، کچھ درنگ؟
ٹک دیکھ چشمِ دل سے تو اُس کی یہ کروڑیں
ہر یک میں شکلِ بو قلموں ہے ہزار رنگ
شاکی تو ہوں زمانے سے ہر چند، پر مجھے
اہلِ جہاں کے بخل و حسد نے کیا ہے تنگ
سمجھیں اُسے نگینِ سلیماں، یہ تنگ چشم
دیکھیں کسی کا ہاتھ گر آپس میں زیرِ سنگ
اِتنا حسد ہے عاشق و معشوق میں کہ نور
مُنہ پر جو ہو چراغ کے، تو جل مرے پتنگ
مہر و وفا کو دل سے ہے اُن کے ہمیشہ عار
بنتِ چشم سے اُنھوں کی مروّت رکھے ہے ننگ
احساں کوئی کسو سے جہاں میں تمام عُمر
دیکھے کبھو نہ خواب میں جوں مخملِ فرنگ
معدوم دست گیری کا شیوہ ہے اِس قدر
نزدیک ہے، نہ ہاتھ کو پکڑے حنا کا رنگ
ہوتا نہ اِتنے ناخلفوں میں جو یک خلف
مرجاتی غم سے مادرِ ایّام، کھا شرنگ
یعنی وہ سیف دولہ بہادر کہ جس سوا
پاوے کوئی نہ لطف و کرم کا کسی میں ڈھنگ

ہمّت کے عُظم و شان کو جس کی، دُرِ یتیم
تعدادِ موجِ بحر تلک بخشنا، ہے ننگ
نوّاب! مدحِ حاضر و غائب تری اگر
بولے نہ جو زباں، ہے وہ گویا دہن میں سنگ
بیضے سے اُس کی نسل کے نکلا کرے ہُما
تجھ مزرعِ کرم سے چُنے دانہ گر کُلنگ
جس دشت کی طرف ہو تری یک نگاہِ مہر
اے بوستانِ چشمِ مروّت کے آب و رنگ!
پائے غزالہ دام میں واں بند ہو اگر
ناخن سے اپنے کھول دے جا کر گرہ، پلنگ
حکمِ صلاح سے ترے، اے صالحِ زماں!
عرصہ اب اس قدر مَنہیّات پر ہے تنگ
ہے کش مکش شراب کو، جب کیجیے نظر
جس وقت دیکھیے، تو ہے خُنکوں کے نیچے بنگ
سیّد! میں کیا بیان کروں تیری کماں کا زور
سینہ عدو کا توڑ کے، جس کا کبھو خدنگ
بیٹھے زمیں پر، تو پھر اُس کو نہ پایئے
گر سو کروڑ کوس تلک کھودیے سُرنگ
خلقت کا برّ و بحر کی ہیبت سے ہو یہ حال
شمشیر گر علم کرے اپنی تو روزِ جنگ
مانگے پناہ پشّے سے اُس آن فیلِ مست
بہ جائے آب ہو کے دد، ہیں زَہرۂ نہنگ

رہنے نہ دے صفائے بُرش اُس کی ضرب کی
باقی کسو ہی طرح سے ضارب کے دل میں زنگ
گر پشتِ آسماں پہ وہ آوے، تو پھر حکیم
ہو خرق و اِلتیامِ فلک دیکھ کر کے دنگ
ہے دل کو یہ یقین کہ ہنگامِ کارزار
روئیں تنوں کی صف پہ اگر ڈانٹ کر تُرنگ
مارے تو جس کے خود پہ اُس کو، تو کیا عجب
ٹھہرے نہ قاشِ زین میں، اور کاٹ کر کے تنگ
لیتی ہوئی زمین کو تحت الثریٰ تلک
چھوڑے نہ کچھ جو مُنہ پہ چڑھے، کوہ خواہ سنگ
تصویر کھینچنے کے تئیں رخش کی ترے
دل میں ہو آوے گر کسی نقّاش کے اُمنگ
گزرے تمام عمر اِسی سوچ میں اُسے
سبزہ، سمند، بُوزِ بناؤں میں یا سُرنگ
آخر قلم کو ہاتھ سے رکھ دے کے، یہ کہے
کس سے بہ جز خدا، بندھے صورت، ہَوا کا رنگ
افواجِ قاہرہ کا تری کیا بیاں کروں
لرزے صدائے پاشنہ سے جس کی رومِ و زنگ
شادی کی نقل سمجھے ہے جن کی دلاوری
ہنگامِ کارزار، صدا گولہ و تفنگ
اِتنے وہ جاں نثار ہیں تیرے کہ تجھ طرف
آسیب کیا مجال کرے مُنہ جو روزِ جنگ

ہو جائے کوٹ گرد ترے، گر یہ بیٹھ جائیں
صف باندھ کر کھڑے ہوں، تو ہے قلعے کی النگ
اتنا ہر ایک میں ہے تری پرورش سے زور
لپکے کسی پہ اُن میں اگر ببر یا پلنگ
ہو جائے ایک مُشت سے اُس کی، زمیں پہ فرش
جوں شیرِ قالی پھر نہ رہے طاقتِ شَلَنگ
پس جو کوئی کہ تجھ سا ہو، اُس کی ثنا و مدح
چاہوں کہ میں تمام کروں، ہے یہ مجھ میں ڈھنگ؟
اوراقِ آسماں پہ کبھو لکھیے تیرے وصف
ہے دل کو یہ یقیں کہ ہو لفظوں کو جائے تنگ
لیکن قسم ہے خاکِ قدم کی تری، اگر
اس گفتگو سے، دل میں ہو سودا کے یہ اُمنگ
دینارِ سُرخ لیجیے یا درہمِ سفید
یا خلعت و جواہر دیا فیل یا تُرنگ
شایستہ ہے تو اتنا ہی اِس کے، کہ کام میں
کہیے نہ یوں تجھے، تو ہو شہدِ زباں، شَرنگ
شہبازِ بخت کے ترے، اپنے تئیں سدا
دیکھے ہُمائے اوجِ سعادت میانِ چنگ

ایضاً در مدحِ نوّاب سیف الدّولہ بہادر

ہے سخن سنج یک جوانِ متیں ۔۔۔ فخرِ صائب، جو وہ کرے تحسیں

رات جا کر میں اُس کی خدمت میں — اُسے دیکھا تو تھا نپٹ غم گیں
میں جو پوچھا سبب، کہا، مت پوچھ — خُبث کرنا کسی کا خوب نہیں
نہ کچھ اِس سے حصول دُنیا کا — نہ کچھ اِس سے بر آوے مطلبِ دیں
لیکن اے یار، تجھ سے کہتا ہوں — مل کے گو مجھ پہ سب کریں نفریں
داغ ہوں اِن سے اب زمانے میں — شعراؤں میں ہیں جو صدر نشیں
یعنی سودا و میر و قائم و درد — لے ہدایت سے تا کلیم و یقیں
کیا غرور و دماغ و کیا نخوت — کون سا کبر ہے جو اِن میں نہیں
مثلِ شیرازۂ کتابُ اللہ — سمجھے ہر ایک اپنی چینِ جبیں
ننگ جانیں، جو بزم کا اُن کی — بوعلی ہو صفِ نعال نشیں
بعد صد منّت و سماجت کے — جاویں گر یہ مشاعرے میں کہیں
میرِ مجلس کی تاب و طاقت کیا — کرے تکلیفِ شعر اِن کے تئیں
شعر اپنا پڑھے جو اِن کے حضور — کر کے سرگوشی یک دگر دو ہیں
ایک کہتا ہے، یہ تو بارِد[1] ہے — دوسرا بولے، اُفّ ری تمکیں
خلق کو انتظار کش کر کے — یک دو مصرع پڑھیں جو آپ کہیں
درد کس کس طرح ملاتے ہیں — کر کے آواز منحنی و حزیں
اور جو احمق ان کے سامع ہیں — دم بہ دم ان کو یوں کریں تحسیں
جیسے سُبحانَ مَن یَّرانی پر — لڑکے مکتب کے کہتے ہیں آمیں
کوئی جو پوچھتا ہو عالم میں — فخر کس چیز کا ہے اِن کے تئیں
شعر و تقطیع ان کے دیواں کی — جمع ہو وے، تو جیسے نقشِ نگیں
اِس میں بھی دیکھیے تو آخرکار — یا توارُد ہوا ہے یا تضمیں
اِتنی کچھ شاعری پہ کرتے ہیں — میخ در گونِ آسمان و زمیں

---

[1] نسخۂ مصطفائی: توارُد - فارسی میں بارد کے معنی بے مزہ کے بھی آتے ہیں۔

غرض اِس خبث کے تئیں سن کر
ہو کے بے اختیار مَیں وہ ہیں

کہا، سودا کو اِن بزرگوں میں
مست، گنو، اُس کا ہے یہ کب آئیں

اور جو ہووے بھی، تو لائق ہے
فخر کرنا پھبے ہے اُس کے تئیں

ہے وہ مدّاح ایک ایسے کا
مسندِ جاہ جس کی عرش قریں

یعنی نوّاب سیف دولہ، سدا
جس کی شمشیر و فرقِ دشمنِ دیں

رفعتِ دستِ جود سے جس کی
دامنِ خلق کا ہے یہ آئیں

پنجۂ آفتاب سے جس طرح
بہرہ ور ہو ہمیشہ پہنِ زمیں

گلشنِ دہر میں چہار طرف
ایک مفلس جو ڈھونڈھیے تو نہیں

غنچے کی بھی گرہ میں بندھوا یا
اُس کی بخشش نے، مشتِ زر کے تئیں

ہو ٹک اے خامہ، باریابِ حضور
مدحِ غائب سے کس کو ہے تسکیں

اِس چمن میں غرض ترا محتاج
ہے تونگر سے لے کے تا مسکیں

لالہ ساں گر ہے پیالہ میرے ہاتھ
کفِ نرگس پہ کاسۂ زریں

دست و پا اپنے گم کرے ہے عدو
یاد کر تیری تیغ و خنجرِ کیں

پوچھتا ہے ہر ایک سے، سچ کہہ
سر مرا ٹنگڑیوں میں ہے کہ نہیں؟

فکر میں قہر کی ترے ہر شب
حالتِ نزع سے زبس ہے قریں

نیند اُس کو نہ آوے تا نہ پڑھیں
جائے افسانہ، سورۂ یٰسٓ

تیرے شب رنگ کا کروں کیا وصف
تو ہے جس کا چراغِ خانۂ زیں

جوں پتنگ، اُس پہ تجھ کو دیکھ سوار
جل کے بھسمنت ہو عدوے لعیں

غرض اِس گفتگو سے اے نوّاب
نہیں ہے اسپ و خلعتِ سنگیں

کیا کروں گا میں، تو سلامت رہ
تیرے دروازے کا ہوں خاک نشیں

خوانِ نعمت سے تیرے، مجھ کو سدا
صبح، شیریں ملے ہے، شب، نمکیں

سنگ تجھ آستاں کا، بعد از نوش
خواب کرنے کو ہے مجھے بالیں
جامہ پہنے ہوں، جس کے دامن کو
ذرۂ آلودگی کہیں سے نہیں
تو ہی اب دل میں اپنے کر انصاف
کمی کس چیز کی ہے میرے تئیں
یا کچھ اظہارِ شاعری تجھ پاس
سو تو لازم کسو ہی طرح نہیں
متصل تجھ زباں پہ ہے جاری
خوبیِ لفظ و معنیِ رنگیں
اِس سوا کچھ نہیں مجھے منظور
ذکر تیرے سے ہو زباں شیریں
جُز دعائیہ، اِس قصیدے سے
نہیں کچھ مطلب اور اپنے تئیں
ہر زبردست، زیر دست ترا
رہے، جب تک ہے آسمان و زمیں
تا قبول دعا ہو سودا کی (کذا)
تو بھی اپنی زباں سے کہہ آمیں

درمدحِ بسنت خاں خواجہ سرا

کل حرص نام شخصے، سودا پہ مہرباں ہو
بولا، نصیب تیرے سب دولتِ جہاں ہو
گر اشرفی، روپے کی خواہش ہو تیرے دل میں
ظاہر ترے پہ ہر جا گنجینۂ نہاں ہو
لعل و گہر کی ہووے تجھ کو اگر تمنّا
مصرف کے بیچ تیرے اشیاے بحر و کاں ہو
عُمدہ تو اِس قدر ہو (ل) سرکار بیچ تیری
مور و ملخ سے زیادہ خیلِ ملازماں ہو

جاہ و جلال یاں تک دیوے تجھے زمانہ
جب ہو تری سواری، صد فیل پر نشاں ہو
گر مُلک چاہتا ہے، تو تخت بیچ تیرے
ہندوستاں سے لے کر اور تا بہ اصفہاں ہو
آگے تو کیا کہوں میں، دل چاہتا ہے تیرے
قبضے میں لے زمیں سے اور تا بہ آسماں ہو
سُن کر یہ حرف بولا سودا کہ قدر و رتبہ
کب اشرفی رُوپے کو نزدیکِ عاقلاں ہو
یہ تو بُرے ہیں اِتنے آفاق میں کہ جن کو
کیسے سے دور کیجے، کام اپنا تب رواں ہو
لعل و گُہر جو پوچھو، پتھّر ہے اور پانی
رتبہ نہ اِن کو پیشِ اربابِ ہمتاں ہو
عمدہ تو وہ کوئی ہے نزدیکِ فہم، جس کی
اہلِ کمال آگے دُنیا میں عزّ و شاں ہو
نامِ نکو سے بہتر دُنیا میں کیا نشاں ہے
وہ بھی کوئی نشاں ہے جو فیل پر رواں ہو
مُلکوں کی سرزمیں سے حاصل یہی ہو آخر
دو مشتِ خاک، جس میں یک مشت استخواں ہو
ارض و سما کا ہونا قبضے کے بیچ اپنے
بے دعوئِ خُدائی کیوں کر مجھے گماں ہو
جو کچھ کہا ہے تو نے، تجھ کو یہ سب مبارک
میں اور میرے سر پر میرا بسنت خاں ہو

دیکھے سے جس کا جلوہ، پاکیزہ طینتوں کی
آنکھوں کو امن ہووے، جی کے تئیں اماں ہو

جو مرتبہ جہاں میں ہے بے نیازیوں کا
سمجھے ہے وہ جو کوئی اُس کا مزاج داں ہو

یہ وضعِ لاابالی رکھتا ہے وہ کہ جس کا
اشعار میں غزل کے ممکن نہیں بیاں ہو

مطلعِ ثانی

بلبل کو گاہ سُن کر، انعام بوستاں ہو
پھولوں کی بُو سے گاہے گلشن میں سرگراں ہو

لاکھوں دے جس جگہ میں وہ گرگ کو خریدے
بکتا ہو یک نگہ پر یوسف، تو واں گراں ہو

جس قدر و مرتبے میں ہے بے دماغی اُس کی
پروا و اعتنا کی قدرت کہاں کہ واں ہو

رخصت نہ دیوے خاطریاں گوشۂ نگہ کو
عالم کا گو کہ اِس میں برباد خانماں ہو

گر معدلت پہ آوے وہ گلشنِ جہاں میں
آنکھوں میں باغ باں کی بلبل کا آشیاں ہو

مُشتِ حبابِ جُو سے مُرغِ ہوا نہ چھوٹے
شبنم کے دانوں میں سے دانے کا گرزیاں ہو

جب ناتواں کی اُس کو منظور پرورش ہو
مور اُس کے سایے نیچے آوے، تو پہلواں ہو

خورشید اُس کی خو کا ذرّہ جو ہو مُعاتب
ہیبت سے دن بہ دن وہ جوں بدر ناتواں ہو
میداں میں جب کھڑا ہو اِستادے وہ اپنی
حلقہ بگوش اُس کی ہر چند داں کماں ہو
بندہ ہوں لیک اُس کے میں تیر کی وفا کا
بیٹھے ہے خاک و خوں میں، اُس سے جُدا جہاں ہو
جوہر تو کیا بتاؤں شمشیر کا میں اُس کی
جس کی بُرِش، اِسی سے دانا کو امتحاں ہو
کرتا ہوں ذکر جس سے اُس کا، وہ یوں کہے ہے
چُپ رہ، کسی کے جی کو یوں ہی کہیں اماں ہو
سُن کر وہ شخص بولا، ہم بھی ملیں گے اُس سے
یا سودِ دل ہو اِس میں، یا جان کا زیاں ہو
یہ حرف اُس کے مُنہ سے نکلا، تو سُن کے سودؔا
کہنے لگا، غلط ہے، اے یار یہ کہاں ہو
گہ دل میں ہو، گاہ جی میں، گہ چشم میں بسے ہے
ملنا ہو تب، معیّن اُس کا اگر مکاں ہو
ہو وے بھی گر مُعیّن اُس کا مکاں، تو کس کے
واں چھوٹنے کا ناداں دل کے تئیں گماں ہو
مجلس کے داب سے یہ واں دُور ہے کہ وارِد
پروانہ بے اجازت نزدیکِ شمع واں ہو
طاقت ہے یہ کہ باہم حُضّار ہوں مخاطب
ہر یک کے گو دہن میں جوں غُنچہ صد زباں ہو

ایسا ہوں ایک میں ہی، جا کر حضور اُس کے
مطلع اگر پڑھوں یہ، دل اُس کا شاد ماں ہو

مطلعِ سوم

صحنِ چمن میں گل گوں گر تیرے زیرِ راں ہو
ہر گُل پیادہ ہو کر واں طرّۂ قُوا کُناں ہو
ٹک چھیڑیے روِش پر اُس کو تو آب جو تک
جس جس طرف وہ پلٹے، اُس اُس طرف رواں ہو
انداز چھیڑنے کا یہ کچھ ہے، جو کہا میں
ٹک وہم ڈانٹنے کا دل کے جو درمیاں ہو
اِس سُرعتوں سے تڑپے، تنگی سے اُس کے اوپر
عرصہ یہ شش جہت کا، دامِ کبوتراں ہو
کہتا ہے وہ، جو دیکھے اُس پر سوار تجھ کو
یارب! ہمیشہ جگ میں یہ اسپ و یہ جواں ہو
شان و شکوہ تیرے ہاتھی کی کیا کہوں میں
چرخی، بجا ہے، اُس کی گر چرخِ آسماں ہو
ہے سر بلند اِتنا، یہ بھی عجب نہیں ہے
آنکس پہ ماہِ نَو کے گر دستِ پیل باں ہو
مستک پہ رنگ اُس کی جس طرح جلوہ گر ہے
گو سانجھ لاکھ پھولے، یہ لطف پر کہاں ہو
دانتوں کے بیچ اُس کے، ہے جس قدر بھسونڈا
وصفِ ضخامت اُس کا کیجے تو کیا بیاں ہو

اِس دانت سے تو ہم اُس دانت تک جو گزرے
پہنچے نہ ایک دن میں، تا شب نہ درمیاں ہو
ابرِ سیہ ٹپکتا آوے ہے جس طرح سے
مستی میں حُسن اُس کے چلنے کا یوں عیاں ہو
اِس قدّ و قامت اوپر یہ حُسن ہے کہ اُس کی
زنجیرِ پا، بجا ہے گر زلفِ مہ وشاں ہو
پائل، نجھول، سائز، کیا کیا کہوں میں خوبی
اصلا کہیں جو اُس میں شوخی ہو یا تکاں ہو
گج باگ ٹک مہاوت چھیڑے، تو یوں چلے ہے
عاشق کی وصل کی شب جس طرح سے رواں ہو
ہاتھی میں یہ چُلاوا کب ہے سوائے اُس کے
تشبیہ یاب جس سے رفتارِ خوش قداں ہو
رکھے خُدا جہاں میں اُس کو بہت وگرنہ
تشبیہ یہ مسلّم کب نزدِ شاعراں ہو
جس وقت تھان پر سے کھولے اُسے مہاوت
ہمت سے تیری اُس کو خطرہ یہ اُس زماں ہو
دیویں گے بخش مجھ کو ناحق کہیں صلے میں
یارب! حضور جاؤں، تو واں نہ مدح خواں ہو
اور دیکھیے تو سچ ہے خطرہ یہ اُس کے دل کا
کس طرح سے کہو تو اُس کو نہ یہ گماں ہو
ادنا جو مرتبہ ہے ہمّت تری کا، اُس کو
پہنچے نہ وہم حاتم، جب تک نہ نردباں ہو

آبِ ہِمَم سے تیرے گر بخششِ گُہر پر
یک قطرہ جوش مارے، تو بحرِ بے کراں ہو
خورشید، دستِ سائل ہو جائے آسماں پر
تیرا عُلوِّ ہمّت جس وقت زرفشاں ہو
لیکن نہ سمجھیو یہ اِس گفتگو سے ہرگز
منظور مجھ کو تیری ہمّت کا امتحاں ہو
کس واسطے کہ مجھ کو اِتنا ہی چاہیے ہے
جامہ ہو ایک تن پر، کھانے کو نیم ناں ہو
سو تو زیادہ اِس سے تیرا کرم ہے مجھ پر
کفرانِ نعمت اوپر قادر نہ یہ زباں ہو
اِتنی ہی آرزو ہے، کچھ عُمر ہو جو باقی
مصرف جہاں میں اُس کا تیرے قدم کے یاں ہو
کب جا سکے ہے کوئی دروازے تیرے آکر
بیٹھے جو تیرے در پر، وہ سنگِ آستاں ہو
تا مہر و مہ فلک پر یارب رہے (رہیں) درخشاں
یہ آستانِ دولت مسجودِ دو جہاں ہو

درمدحِ بسنت خاں بہادر

تاثیرِ گردش آج کواکب کی صبح کو
کہتی تھی، دو جہان کی خوبی کے رد بہ ر
دل چاہتا ہے یوں کہ بنائیے ایک باغ
وہ گُل زمین زیرِ فلک کر کے جستج

فیضِ دمِ مسیح کا، جس کی ہوا ہے فخر
آب اُس جگہ کا، آبِ خضر کی ہو آبرو

لاوے نہ اُس زمیں کے درختوں کی ایک شاخ
غیر از برِ اُمیدِ خلائق، ثمر کبھو

ہووے ازل سے تا بہ ابد ہر چمن کے بیچ
سرسبز واں کی خاک سے صد تخمِ آرزو

تا نا فراغِ خاطرِ آسودہ سے ہو گُل
جمعیّتِ دلی سے پڑے غنچہ ہُو بہ ہُو

بینائیٔ و مَشام کو عیسیٰ کے تقویت
دیوے ہمیشہ واں کے گلستاں کا رنگ و بو

مُرغ اُس چمن کے بیچ ہوں ایسے غزل سرا
مطلع یہ جن کے حق میں سخن کی ہو آبرو

مطلعِ ثانی

بلبل ہو واں کی بلبلِ آمُل سے دو بدو
طوطی کرے ہمیشہ فصیحی سے گفتگو

یوں منعکس صفائے عمارت میں ہو چمن
جو یک رُوا مکاں ہو، سو معلوم ہو دو رُو

آئینہ خانہ اُس میں ہو ایسا کہ ایک بیت
موزوں نہ اِس صفا سے گلستاں میں ہو کبھو

ایسا ہو سطحِ کرسی پہ اُس گھر کی ایک حوض
کوثر ہو آب، شرم سے واں جس کے رو بہ رُو

چادر تلے ہو آب کی یوں سنگِ آبشار
چیں بر جبیں نقاب تلے جوں رُخِ نکو

پاکیزگی سے جاری ہو ایسی ہی ایک نہر
خوبی کا جس کی ذکر نہ کر سکیے بے وضو

جو بیچ ہر چمن کی، رواں یوں ہو اُس کا آب
جوں روح دوڑتی ہو رگِ جاں کی سمت کو

کنکر ہر ایک جُو میں، جھکولوں سے آب کے
شفّاف یاں تلک رہیں، کھا کھا کے شُست شو

جلوہ اُنھوں میں ہو جو رگِ گُل کے عکس کا
آدے نظر وہ جوں رگِ یاقوت ہو بہ ہو

یوں جلوہ گر ہو سرو کا سایہ کہ جس طرح
کوئی سیاہ مست پڑا ہو کنارِ جُو

موسم چہار فصل کا اِتنا بھرا رکھے
کیفیتِ بہار سے نرگس کے غنچے کو

یوں ہو کٹوری اُس میں کہ جوں مُغ کے ہاتھ سے
مستی میں چھُٹ کے جا رہے ساغر تہِ سبو

پی پی شرابِ سُرخ جوانانِ سبز فام
واں موسمِ بہار میں آدیں جو سیر کو

باہم گلے میں ڈال کے باہیں بہ رنگِ تاک
مستی میں وہ چلیں کج و واکج ہر ایک سو

القصہ سُن کے خوبی نے تاثیر سے کہا
جو مدعا ہو باغ سے، کر اُس کی گفتگو

بولی کہ مدّعا تو یہی ہے کہ تا ابد
اُس میں بسنت خانِ بہادر ہو اور تو

اُس میکدے میں، فیض سے جس کے، شکستہ حال
غیر از خمار و تو بہ نہ دیکھا کوئی کبھو

مطلب کو اس طرح سے وہ پہنچے ہے خلق کے
تاثیر جوں دوا کی پہنچتی ہے درد کو

کیسے سے گر نکالے تھا حاتم گہر تو کیا
عالم کے دل کی اُس سے نکلتی ہے آرزو

دل مدحِ غائبانہ سے کیوں کر کھُلے مرا
تا اِس غزل کو پڑھیے نہ جا اُس کے رُو بہ رُو

مطلعِ سوم بہ طرزِ غزل

طرّے کی تیرے، نکہتِ سنبل میں دے کے بُو
بھیجے تھی ہم کو بادِ شمالی کبھو کبھو

پائی بہت چمن میں، و لے اپنی تشنگی
چاہے کہ آبِ رفتہ ہی آوے بہ سوے جو

اپنا جنوں نہ بادِ بہاری سے ہو بر آر
ہم آتشیں مزاج، وہ بسیار تند خو

جس دشت میں ہے اِن دنوں سودا کی بود و باش
دیکھا جو میں، تو ہے وہ عجب اک مقامِ ہُو

اور اُس جگہ وہ یوں نظر آیا کہ کیا کہوں
نے طاقتِ شنود ہے، نے تابِ گفتگو

گزرا ہے سر سے، پانو کا اُس کے ہر ایک خار
اور پانو سے گزر گیا سر کا ہر ایک مُو

ہم صحبتانِ بزم سے اُس کا (کے؟) اگر کوئی
واں جا کے پوچھتا ہے کبھو اُس کے حال کو

مانندِ شیشۂ مے گل گوں دہن کو کھول
چاہے کہ کچھ کہے، تو ہلو کے ہے وہ لہو

احوال تو یہ کچھ ہے جو میں نے کیا بیاں
اِس میں حواس اُس کو جو آجائے ہیں کبھو

اُڑتا ہے جو پکھیرو، تو کہتا ہے اُس سے یہ
جاوے بسنت خانِ بہادر کنے جو تو

بعد از سلامِ شوق یہ کہیو ہمارے دوست
کا ہے بوستانِ دل کی تمنا کے رنگ و بو!

پر تو نہیں کہ پہنچے، وہ پانو ہیں مگر
گوڑے رگڑنے کی ہے سدا جن کو آرزو

جب سے ترے قدم سے جُدا ہو کے رہ گئے
نے دیں کی ہے تلاش، نہ دُنیا کی جستجو

مانندِ برگِ خشک کہ ہو نخل سے جُدا
کرتے پھرے ہیں دشت میں نالے ہر ایک سو

اب آرزو یہی ہے کہ آوے جو بادِ تُند
جوں شعلہ آگ اپنے تئیں دے زِلُشت و رُو

تقصیرِ عفو کی ہے ترے، یا مرا گناہ؟
انصاف یہ نہیں مجھے مجرم جو سمجھے تو

تیرے کرم نے مجھ کو بد آموز کر دیا
تھی ورنہ معصیت کی کب اِس روسیہ کو خو

تیری ہی ذات سے متعلّق ہے جرم و عفو
آنکھوں میں، دل میں، چشم میں، ہر جا ہے تو ہی تو

لیکن غلط یہ حرف کیا بندگی میں عرض
کس طرح سے محیط سمندر یہ ہو سبو

مولا! میں سچ کہوں، یہ ہوئی مجھ سے کیوں خطا
مدّت سے دل میں تھی مرے بخشش کی آرزو

اے دل! تو بعدِ ختمِ غزل، کر حضور میں
پاکیزگی سے، اُس کی طبیعت کی گفتگو

مطلعِ چہارم

ابرِ بہار باغ کو تا دے نہ شُست و شُو
مقبول تجھ مشام کی ہووے نہ گُل کی بُو

پاکیزہ طینت اِس قدر انساں نہ ہووے خلق
دھو دھو کریں خمیر جو آدم کی خاک کو

شب رنگ کی ترے کوئی اب کیا ثنا کرے
جس کا چراغِ خانۂ زیں تا ابد ہو تو

اُس بادپا کے وصف میں مطلع پڑھیں ہم ایک
گر سرسری نہ سمجھے ہماری تو گفتگو

مطلعِ پنجم

شرمندہ ہو جمال سے حور اُس کے رو بہ رُو
جلدی میں وہ طبیعتِ محبوبِ تند خو

جوہر میں تیری تیغ کے کیا کیا بیاں کروں
کہتے ہیں جس کو، ہے وہ تہوّر کی آبرو

اکثر ہوا ہے یوں، سرِ اعدا کو کاٹ کر
میدانِ کارزار سے تیں لے گیا ہے گو

القصّہ جس کسی کا سرِ عافیت کھُجائے
آوے ہے روزِ رزم وہی اُس کے رُو بہ رُو

دریا دل اِس قدر ہے کہ جگ میں تمام خلق
بحرِ سخا کی سمجھے ہے تجھ کو ہی آبرو

حرفِ سوال پہنچنے پاوے نہ لب تلک
موجِ گہر پہنچتی ہے سائل کے تا گلو

یاں شعر و شاعری سے ادا ہو نہ حقِّ مدح
تن پر اگر زباں ہو بجائے ہر ایک مو

اِس نظم سے غرض نہیں مدح و ثنا ہمیں
ہے تیرے ذکرِ خیر سے اپنی زباں کو خو

سوداؔ اگر ہے ختم دعائیہ پر سخن
لائق تری ثنا کے نہیں ہے یہ گفتگو
تا زیرِ آسماں ہو زمانے میں شام و صبح
اپنی ہے یہ جنابِ الٰہی سے آرزو
روشن ہو تیرے دوست کا ہر شب چراغِ عیش
بدخواہ کے نصیب نہ ہو روزِ خوش کبھو

قصیدہ در نصائحِ فنِ شعر و طعن بر شاعرے و در مدحِ مہربان خاں

جب کیے موردِ تحسین میں اکثر اشعار
کہا اُستاد نے مجھ سے، مرے سُن کر اشعار
اے پسر، چار نصائح میں کروں ہوں، اُن کو
کر کے تحویلِ دل اپنے، تو کہا کر اشعار
ہیں جو خاقانی و فردوسی و سعدی مشہور
کیا عجب ہے کہیے اُن کے جو برا بر اشعار
اوّلاً یہ کہ مجالس میں زباں دانوں کی
تیرے آگے جو پڑھے کوئی سخن در اشعار
سخن ایسا نہ ہو سر زد کہ دل اُس کا ہو دو نیم
گو ہوئے تیغِ زباں کا تری جوہر اشعار
دوسرے، یہ جو تو چاہے کہ نہ مجھ سا ہو کوئی
شعر سے میرے کسی کے نہ ہوں برتر اشعار

شعرِ تحسیں پہ بھی ناداں کی نہ پڑھیو یک بار
پڑھیو دانا کی تو نفریں پہ مکرّر اشعار
سیومی، گر کہے تجھ سے کوئی نادان کہ ہیں
تیرے دیواں میں، دواوین کے افسر اشعار
شعرا میں تو نہ پڑھیو جز اُمیدِ اصلاح
ہوئیں بالفرض ترے اُن سے بھی بہتر اشعار
چار میں، بال زن اُن کو نہ سمجھیو بہ فلک
مُرغِ معنی سے ترے پا دیں جو شہ پر اشعار
بوجھ کر اپنی ترقّی کو تنزّل، تیرے
عرش پر ہوں، تو سمجھ فرش کے اوپر اشعار
اِن نصائح کی سند پھر ز کلامِ عرفی
لاکے وہ میرے لیے یہ زجواہر اشعار
لگے فرمانے کہ اُستاد اُنھوں کا سُن کر
دیے شعروں کو، کہے تھا نہ کہا کر اشعار
مرتبہ شعر کا زنہار نہ سمجھے گا تو
فائدہ کیا جو کرے داخلِ دفتر اشعار
اِس طرح کے جو سُنے طعن و تعرّض اُن نے
اور کے نام سے اپنے پڑھے اکثر اشعار
آفریں آفریں ہر شعر پہ دے کر اُستاد
لو!! یہ خوب پڑھے تو نے سراسر اشعار
سُن کے تحسین یہ، عرفی نے کی استاد سے عرض
میرے ہی گزرے تھے یہ میری زباں پر اشعار

پڑھ کے نام اپنے سے تھا مورد نفریں ورنہ
کسی دیواں میں نہیں اِن سے تو بہتر اشعار

یہ سخن سُن کے، تامّل سے دیا اُس کو جواب
یوں جو سمجھے تو کہاں شاعری، کیدھر اشعار

میں تو چاہا تھا کہ ہوویں ترے آفاق کے بیچ
نورِ معنی میں، بہ از خسرو خاور، اشعار

پر ہوئے جتنے کہ ہونے تھے، ترقی نہ کریں
اب جو چاہو تو سرِ مُو کے برابر اشعار

غرض اِس نقل و نصائح سے مرا ہے یہ مآل
نیک تو سب میں ہو، اور تجھ سے نکوتر اشعار

بزمِ اربابِ سخن میں جو کبھو حاضر ہو
پڑھیو واں بیٹھ کے تو سب سے فروتر اشعار

یہ نہ ہووے کہ مُسلّح کئی اشجع لے ساتھ
پھرے پڑھتا ہوا اِس وضع سے گھر گھر اشعار

آتے ہی، چشم تو لے موند، دہن کو دے کھول
باوجوں چلتی ہو، پڑھتے چلے فرفر اشعار

اور بشرے سے یہ پیدا، جو کرے حرف کوئی
تو پڑھیں یار بہ شمشیر و بہ خنجر اشعار

دل میں لاحول ہے سامع کی زباں پر تحسیں
جی میں یوں، جلد اُٹھے یاں سے یہ پڑھ کر اشعار

اہلِ مجلس تو دعا کرتے ہیں چپ رہنے کی
صاحبِ خانہ جو ہو سُن کے مُکدّر اشعار

بولے؛ کیا آپ میں صنعت ہے کہ سُبحان اللہ

لب چپکتے نہیں اِس پر کہ ہیں شکرّ اشعار
یہ کنایہ نہ سمجھ کر، جو پڑھا سب دیواں
آئے دو چار ہی فہمید میں مرمر اشعار
مطلب، اِس وضع سے پاتا نہیں شاعرِ شہرت
بلکہ اِس سے تو ہوں رُسوائی پہ مُنجرَ اشعار
نطق کے باغ کا پھل نام نکلتا ہے سو یہ
خاک ساروں کو ہی دے ہیں ثمر و بر اشعار
عجز ہو تو بہ جہاں پائے سخن حُسنِ قبول
یوں نہ ہوں نقشِ دلِ کہتر و مہتر اشعار
خزفِ دل کو کہا گو کہ صدف کا موتی
کب مصنّف کے کہے سے ہوئے گوہر اشعار
نہیں آفاق میں دل کش سخنِ بے تاثیر
گر اثر ہو تو کریں دل کو مُسخّر اشعار
بے اثر جس کے سخن ہوئیں، وہ شہرے کے لیے
پڑھے گو ملک بہ ملک اپنے مُکرّر اشعار
آوے جو مُنہ میں، نکالے وہ کسی کے حق میں
پر نہ نکلیں کبھو جُزدان کے باہر اشعار
حق کی امداد ہے، مقبول سخن کا ہونا
یوں تو کہتے ہیں سبھی بہتر و بدتر اشعار
آدمیت ہے بڑی شے، نہ کہا شعر تو کیا
کِس پہ واجب ہے زار شادِ پیمبر اشعار

شاعری سے نہ طلب کیجے یہ فوقیت
خلق کی نظروں میں کر دے ہیں جو احقر اشعار

مہرباں خانِ بہادر میں ہے کیا خوبیِ خُلق
جس کے ہیں بحرِ معانی کے شناور اشعار

اِس کمال اپنے پہ، آگے وہ سخن سنجوں کے
ڈرتے ڈرتے بہ زباں لائے ہے اکثر اشعار

یوں کہے فہم کا غوّاص کہ دل میں اپنے
رکھے موتی کی جگہ اُس کے صدف بھر اشعار

کس زباں داں سے کہوں اُس کی میں تاثیرِ کلام
عاشقوں کی ہیں رگِ جان کو نشتر اشعار

شیوہ جور کرے ترک وہ ہیں، گر اُس کے
سُنے عُشّاق سے معشوقِ ستم گر اشعار

اُس کے دیوان کی خوبی میں کہوں کیا جس میں
دل کش اک خلق کے ہیں صورتِ دل بر اشعار

کون خوش قد ہے نہیں جس کی زبان و دل پہ
اُس کے تو پہنچے ہیں تا سرو وصنوبر اشعار

کیا تعجب ہے، زباں سے جو سُنے طوطی کی
پڑھتی ہے اُس کے تو بلبل چمن اندر اشعار

ہو کے مصروف دل وجاں سے کہے ہیں اُن نے
بس کہ در منقبتِ حیدرِ صفدر اشعار

نظم اُس کی رکھے ہے حکمِ دعائے جوشن
بہرِ حرز اُس کے پڑھیں، عازمِ لشکر اشعار

اُس کی ہمت نے کیا ایک جہاں کو شاعر
کہتے ہیں اب سبھی لینے کے لیے زر اشعار

سیم و زر ہی پہ فقط کچھ نہیں موقوف صلہ
لینے کو لعل و گہر کہتے ہیں گھر گھر اشعار

وصفِ شمشیر کیا چاہے تو صورت نہ بندھے
ہو کے دو لوٹ کہے تا نہ سخن ور اشعار

جمع ہو وے نہ کبھو یاد میں اُس کی دیواں
رہیں تا حشر خیال اُس کے میں ابتر اشعار

س کے توسن کا چلاوا ہے یہ موزوں جیسے
طبع شاعر کی چلے کہنے کو ہر پھر اشعار

شرق سے غرب تلک آن میں پہنچیں، یہ جان
وصف میں اُس کے اگر پھینک دوں کہہ کر اشعار

در مدحِ رچرڈ جانسن

دیکھا نہ جائے اِس سے روئے گُل رخاں پہ رنگ
غنچے کے بھی دہن سے ہے چشمِ زمانہ تنگ

شیشہ نہ توڑے شہ کی بے عیش کا فقط
کاسے پہ بھی گدا کے یہ وارد کرے ہے سنگ

گر خاک سے اُٹھا کے یہ دیوے کسی کو اوج
سو یوں کہ جیسے چیونٹی کو پر دے ہے یہ کُڈھنگ

اِس کے حسد کی تلخی کا اب کیا کروں بیاں
پہنچے جو شہد لب تئیں، کر دے اُسے شرنگ
مشتِ صدف میں قطرے کو کرتا ہے یہ گہر
جو یا کو بھیجے اُس کے، سو ے کلّۂ نہنگ
جو ولولہ ہے اِس کا، سو فتنہ ہے اس کے ساتھ
خالی نہیں فساد سے، اِس کی ہے جو ترنگ
پہنچاتے یہ کرے نہ فلک تک کسی کو دیر
اور اس کو کچھ پٹکتے زمیں پر نہیں درنگ
ہے یہ زمانہ اور جو اہلِ زمانہ ہیں
اُن کا (کی؟) جہاں میں چشمِ مروّت کا ہے یہ رنگ
مفلس پدر ہو اور پسر جس کا ہو غنی
بیٹے کو باپ کی ولدیّت سے آئے ننگ
پس اب کوئی کسو سے رکھے کس طرح اُمید
بیٹے کا باپ سے ہو زمانے میں جب یہ ڈھنگ
ہے اب مگر وہ ایک کہ جس کا ہے یہ خطاب
ممتاز دولہ، فخرِ جہان و حُسام جنگ
پا جائے شکلِ مہر نگہ اُس کی سے جِلا
سینے پہ آئنے کے اگرچہ رہا ہو زنگ
جوہر سے گو کہ چار ہی عنصر کے سب ہیں خلق
جلوے کو اُس کے دیکھ، ہیں جوہر شناس دنگ
دل! مدحِ غائبانہ سے حاصل نہیں ثمر
مت کر حضور جا کے ثنا کرنے میں درنگ

تیری وہ ذات، گو تو نہیں ہے شہِ فرنگ
کرسی میں تیری، پایہ اورنگ کا ہے ڈھنگ

باعث یہ تیرے دستِ کرم کا ہے دہر میں
خالی جو دُرسے، لے کے جمن سے ہیں تا بہ گنگ

خوں میں عدو کے تیغ کی تیری شناوری
ہے اِس طرح کہ بحر میں پیرے ہے جوں نہنگ

سایے تلے سپر کے تری جس کو ہو پناہ
اودھر نہ رُد کمانِ فلک کا کرے خدنگ

سرعت یہ بادپا کی ترے، جس کے سامنے
موجِ ہوا ہے اسپ، ہوا کے قدم میں لنگ

تو وہ خلیق، لذّتِ شہد آئے کام میں
چکھیے بیانِ خُلق میں تیرے اگر شرنگ

شائق کے، جاے ہر بنِ مُو، چشم ہو اگر
تب اُس کے دل سے نکلے ترے دید کی امنگ

دور از ادب ہے طولِ سخن، اس کے اب عوض
سوؔدا! نکال دل کی، دُعائیہ سے، اُمنگ

یارب! تمام دوست رہیں تجھ سے فیض یاب
جاری ہے جب تلک کہ جہاں بیچ آبِ گنگ

در مدحِ طبیب (میر محمد کاظم)

علمِ ظنّی ہے طبابت، تو یہ سُن رکھ ہم دم
متفق اس پہ اطبا ہیں جہاں میں باہم

قاعدہ فنِّ طبابت کا بیاں تجھ سے کروں
فہم کے گوش تو اپنے جو نہ رکھتا ہو اصم

کام اِس فن میں بڑا سب سے ہے تشخیصِ مرض
یہ نہ ہو جس میں، تو پھر سیف سمجھ اُس کی قلم

فی الحقیقت ہے اطبا میں وہی شخص طبیب
جو کما ینبغی اِن چیزوں کا ہووے اعلم

جنبشِ نبض سے اور لَون سے قارورے کے
ہووے فی الفور جسے اصلِ مرض مستفہم

اَدوِیہ میں کرے تنقیحِ خواصِ مفرد
ہو وہ ترکیبِ مرکّب کے وزن سے محرم

سنِّ بیمار پہ کر غور، مُداوا وہ کرے
اور ملحوظ رکھے آب و ہوا و موسم

چار چیزوں سے مرکب بدنِ انساں ہے
دم و سودا ہے ہر اک جسم میں، صفرا، بلغم

حد سے اِن چاروں میں ہووے متجاوز جو چیز
حُکما کرتے ہیں انساں کی مزاج اُس سے ضم

ہے یہ لازم کہ کسل کا سبب اِن میں ڈھونڈھیں
ٹھہرے جو خلط، کریں اُس کا تدارک پیہم

بعدِ تشخیص، دوا کیجے مرض کی بالضد
حفظِ صحت کے لیے نسخہ ہو بالمثل رقم

غورِ اَخلاط کی کیفیت و کمّیت ــــ پر
ہو نہ منظور جسے، اُس کی دوا ہوتی ہے سَم

زیادتی چاروں میں جس کی، ہو مرض کا موجب
عقل کی رُو سے یہ تدبیر ہے اُس کی اُس دم

رکھ کے منظور طبیعت کی مرض پر قوت
تنقیہ کر کے مناسب، کریں اُس خلط کو کم

قاعدہ یوں ہے، پھر آگے ہے شفا اُس کے ہاتھ
جس کے ہے قبضۂ قدرت میں علاجِ عالم

سو تو، اِن باتوں پہ ہے خوض طبیبوں میں کسے
اِس زمانے میں، بہ جز میر محمد کاظم

خالق اُس کے تئیں دُنیا میں سلامت رکھے
ایسے انسان خلائق میں بہت ہوتے ہیں کم

شرف اُس کو ہے سیادت سے، نہ اِس فن کا فخر
اُس کا اک گوشہ نشینی میں ہے یہ فیضِ قلم

حق تعالا نے دیا اپنے کرم سے اُس کے ‏ ‏ دستِ تدبیر میں دامانِ شفا مستحکم
دفترِ عمرِ طبیعی میں بحالی کی سند ‏ ‏ ہے وہ نسخہ، قلم اُس کی جسے کرتی ہے رقم
وصف میں اُس کی طبابت کے، کسی شاعر کی ‏ ‏ فکرِ عالی سے ہوا مطلعِ تازہ یہ رقم

مطلعِ ثانی

نسخہ میرے، نہیں نقش سے عامل کے کم ‏ ‏ کہ مرض جن ہو، تو اُس کا نہ کہیں ٹھہرے قدم
یہ عجب کیا ہے جو اِحیا وہ کرے موتیٰ کو ‏ ‏ نامے میں اُس کی قلم کے ہے مسیحا کا دم
چلتی ہے عہد میں اُس کے رہِ ہر شہر و دیار ‏ ‏ ہے جو مسدود جہاں میں تو رہِ شہرِ عدم
گھر تک آتے کرے پیدا وہ خواصِ تریاق ‏ ‏ اُس کے کوچے سے پڑی باندھ جو لے آئے سم
بولے ہیں جس کو کہ تشخیص وہ کہے ہیں تدبیر ‏ ‏ دو کنیزیں ہیں گھر اُس کے میں یہ بے دام و درم
ہوش اِس فن میں تو ہے یہ، پہ حواسِ خمسہ ‏ ‏ ہے نصیبوں کے علاج اپنے میں درہم برہم
عہد میں اُس کے ہے وہ، خوانِ کرم پر جس کے ‏ ‏ ریزہ چیں ہند میں ہے لاکھ طرح کا عالم

اسمِ پاک اُس کا ہے نوّاب شجاع الدولہ
منبعِ جود و سخا یعنی وزیرِ اعظم

شہر آشوب

اب سامنے میرے، جو کوئی پیر و جواں ہے
دعوا نہ کرے یہ کہ مرے مُنہ میں زباں ہے
میں حضرتِ سوداؔ کو سُنا بولتے یارو!
اللہ ہی اللہ ہے، کیا نظمِ بیاں ہے!
اِتنا میں کیا عرض کہ فرمایئے حضرت!
آرام سے کٹنے کی طرح کوئی بھی یاں ہے؟
سُن کر، یہ لگے کہنے کہ خاموش ہی رہ جا
اِس امر میں قاصر تو فرشتے کی زباں ہے
کیا کیا میں بتاؤں کہ زمانے میں کئی شکل
ہے وجہِ معاش اپنی، سو جس کا یہ بیاں ہے
گھوڑا لے، اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی
تنخواہ کا پھر عالمِ بالا پہ مکاں ہے
گزرے ہے سدا یوں عَلَف و دانے کی خاطر
شمشیر جو گھر میں تو سپر بنیے کے یاں ہے
ثابت ہے جو دگلا، تو نہیں موزوں میں کچھ حال
تیروں میں ہے پَر گیری، تو بے چلّہ کماں ہے

کہتا ہے نفر، غرّے کو، صرّاف سے جا کر
بی بی نے تو کچھ کھا یا ہے، فاقے سے میاں ہے

یہ سُن کے دیا کچھ، تو ہوئی عید، دگر نہ
شوّال سے پھر ماہِ مبارک رمضاں ہے

اِس رنج سے جب چڑھ چکے چھتّیس مہینے
تنخواہ کا پھر بیٹھنا اس شکل سے یاں ہے

لیتے ہیں بہ ایں رُوسیہی دہ تو دہ ما ہ
ٹک دھونس دھڑتے کی جنھیں تاب د تواں ہے

قاضی کی جو مسجد ہے، گدھا باندھ کے اُس میں
بیٹھا ہوا اِس شکل سے ہر پیر و جواں ہے

مُلّا جو اذاں دیوے، تو مُنہ موند کے اُس کا
کہتے ہیں کہ خاموش، مسلمانی کہاں ہے؟

بو لا جو خطیب اِس میں، تو ماری اُسے یک دَھول
ہاتھ آ گیا واعظ، تو تھپیڑ اور دہاں ہے

رینکے ہے گدھا آٹھ پہر گھر میں خُدا کے
نے ذکر، نہ صلوات، نہ سجدہ، نہ اذاں ہے

اور وہ جو ہیں کم زور، سو واں آن کے بیٹھے
ریتی کے جو آگے کی یہ ہر ایک دُکا ن ہے

اُٹھ اُٹھ کے دکھاتے ہیں اُنھیں حال وہ اپنا
دربار رَوا اِس عہد میں جو خُرد د کلاں ہے

یوں بھی نہ ملا کچھ تو ہر اک پالکی آ گے
اِس سچ سے رسالے کا رسالہ ہی دواں ہے

کوئی سر پہ کیے خاک، گریباں کسو کا چاک
کوئی رووے ہے سر پیٹ، کوئی نالہ کُناں ہے
ہندو و مُسلماں کا پھر اُس پالکی اُوپر
ارتھی کا تو ہم ہے، جنازے کا گماں ہے
یہ مسخرگی دیکھ کے، جا صاحبِ ارتھی
کرتا ہے جو واں عرض، تو نے نا نہ، نہ ہاں ہے
گر ہو جیے جا کر کسی عُمدہ کے مُصاحب
اُس کی تو اذیّت نری ہی آفتِ جاں ہے
وہ جاگے جو راتوں کو، تو بیٹھے ہیں دوزانو
کیسا ہی اگر اپنے تئیں خوابِ گراں ہے
بے وقتِ خورش اُس کے، جو ہو اپنے تئیں بھوک
سو کیا کہوں تجھ سے کہ مصیبت کا بیاں ہے
گھڑیال کی، چُپ بیٹھے ہوئے، گنتے ہیں گھڑیاں
اور ریحِ خلا رُو دوں میں جوں اسپ دواں ہے
خمیازے پہ خمیازہ ہے اور حُرت اُپر حُرت
مُنہ صورتِ سوفار، کمر شکلِ کماں ہے
صیغے پہ طبابت کے بھلا آدمی نوکر
سَو دو سَو رُپے کا جو کسی عمدہ کے یاں ہے
صُحبت ہے یہ اُس سے، اگر آقا کے تئیں چھینک
آوے، تو وہ اُس کو بہ خشونت نگراں ہے
دیتے ہیں منگا تیر و کماں ہاتھ میں اُس کے
ٹھنڈی ہوا آنے کا گر اُس وقت گُماں ہے

اور ما حضر اوپر جو وہ نواب کو دیکھے
کھانا تو یہ کھاتے ہیں، پر اُس کو خفقاں ہے
مطبوخ یہ ہے خربزہ اور خربزے پر دودھ
ہے دودھ پہ مچھلی، تس اُپر گاوزباں ہے
یہ بھی تو نہیں ہے کہ اِسی سے ہو تسلّی
اِس سب پہ تفنّن کے لیے بینی ناں ہے
اِس میں جو کہیں درد اُٹھا پیٹ میں اُن کے
پھر بو علی سینا ہے تو وہ ہیچ مداں ہے
رکھتے ہیں غرض مرگ سے لڑنے کو سپاہی
گر نوکری سمجھو یہ طبابت کی کہاں ہے
سوداگری کیجے تو ہے اُس میں یہ مشقّت
دکھن میں بکے وہ، جو خریدِ صفہاں ہے
ہر صبح یہ خطرہ ہے کہ طے کیجیے منزل
ہر شام یہ دل وسوسۂ سودوزیاں ہے
لے جا کسی عمدہ کی جو سرکار میں دی جنس
یہ درد جو سُنیے تو عجب طرفہ بیاں ہے
قیمت جو چُکاتے ہیں سو اِس طرح کہ ثالث
سمجھے ہے، فروشندہ پہ دُزدی کا گماں ہے
جب مول مُشخّص ہوا مرضی کے موافق
پھر پیسوں کا جاگیر کے عامل پہ نشاں ہے
پروانہ لکھا کر گئے عامل کنے جس وقت
کہتا ہے وہ، پیسا ابھی مجھ پاس کہاں ہے

اُدھر سے پھر آئے تو کہا جنس ہی لے جا
دیوان و بیوتات یہ کہتے ہیں: گراں ہے
آخر کو جو دیکھو تو نہ پیسے ہیں نہ وہ جنس
ہر یک متصدی سے میاں اور تیاں ہے
ناچار ہو پھر جمع ہوئے قلعے کے آگے
جو پالکی نکلے ہے، تو فریاد و فغاں ہے
دو بیل کی جا کر جو کہیں کیجیے کھیتی
اور مینہ بھی موافق ہی پڑے تو تو سماں ہے
نہیں، خشکی و غرقی کے تفکّر میں شب و روز
نے امن ہے دل کے تئیں، نے جی کو اماں ہے
گر خان و خوانین کی لے کوئی وکالت
اُس کا تو بیاں کیا کروں تجھ سے کہ عیاں ہے
ہر عمدہ کے دروازے پہ زیں پوش پہ بیٹھا
پوچھے ہے، اجی مردھے جی! نوّاب کہاں ہے؟
ہر گھر میں وہ چاہے کہ میں فوّارہ سا چھوٹوں
ہر کوچے میں جوں آبِ چکا بو وہ رواں ہے
دیوان کے، بخشی کے، بیوتات کے حاضر
مانند کنھیّا کے جہاں دیکھو تہاں ہے
ہر بات پلٹتا ہی رہے صبح سے تا شام
پیپل کے پتوّے کی طرح مُنہ میں زباں ہے
لادے جو کچہری سے وہ داموں کا سیاہا
للچا دے مُوکّل کو، یہ کیا خوب مکاں ہے

پوما ہہ یہ بیٹھے ہے، دے پانسو ہے خرچ
اور زر کے اِجارے کا بھی اُردو میں نشاں ہے
دُھتے دے غرض پیسے اُڑا کر ہوئے روپوش
گھر جا کے پکارے جو کوئی لالہ، کہاں ہے؟
جس وقت سُنا یہ، وہیں آواز بدل کر
آپی کہا گھر میں سے، کشن چند کے یاں ہے
پھر ہو جو مُوکّل سے کہیں راہ میں بھینٹا
اَسناد کا جاگیر کی یہ اُس سے بیاں ہے
عرضی پہ ہوا میم، سیاہے پہ کیا سے
پروانہ میں تم پر ہوں، تصدّق مری جاں ہے
کاہے کی غرض عرضی وہ اور کس کا سیاہا
کیدھر کا وہ پروانہ و جاگیر کہاں ہے
انصاف جو کیجے تو نہیں اُس کی بھی تقصیر
سب ماحصل اِن باتوں کا یک پارچہ ناں ہے
شاعر جو سُنے جاتے ہیں مُستغنیُ الاحوال
دیکھے جو کوئی فکر و تردّد کو تو یاں ہے
مشتاقِ ملاقات اُنھوں کا کس و ناکس
ملنا اِنھیں اُس سے جو فُلاں ابنِ فُلاں ہے
گر عید کا مسجد میں پڑھیں جا کے دوگانہ
نیّت، قطعۂ تہنیتِ خانِ زماں ہے
تاریخِ تولّد کی رہے آٹھ پہر فکر
گر رحم میں بیگم کے ہُنیں، نطفۂ خاں ہے

اِسقاطِ حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا
پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے
مُلّائی اگر کیجیے، تو مُلّا کی ہے یہ قدر
ہوں دو رُپے اُس کے جو کوئی مثنوی خواں ہے
اور ما حضرِ آخوند کا اب کیا میں بتاؤں
یک کاسۂ دالِ عَدَس و جَو کی دو نان ہے
دن کو تو وہ بے چارہ پڑھایا کرے لڑکے
شب خرچ لکھے گھر کا، اگر ہندسہ داں ہے
تس پر یہ ستم ہے کہ نہالی تلے اُس کی
لڑکوں کی شرارت سے سدا خار نہاں ہے
بھاگے یہ عمل کر کے جو شیطان کا لشکر
دیوالی کو لے ہاتھ، تعاقب میں رواں ہے
اب کیجیے انصاف کہ جس کی ہو یہ اوقات
آرام جو چاہے وہ کرے، وقت کہاں ہے
جس روز سے کاتب کا لکھا حال میں، تب سے
ہر صفحۂ کاغذ پہ قلم اشک فشاں ہے
وہ بیت ٹکے سیکڑے لکھنے کا ہے محتاج
خوبی میں خطِ اب جس کا بہ از خطِ بتاں ہے
یہ بھی میں تکلف ہی سے کہتا ہوں، وگرنہ
آفاق میں اِن چیزوں کی اب قدر کہاں ہے
اِحیا ہو جو موتیٰ کا زمانے میں نئے سر
خطّاط کی اُتنی ہی رہے قدر جو یاں ہے

ہدیہ ہو سوا پانچ ٹکے گذری میں آ کر
یاقوت پکارے جو، بکاؤ قرآں ہے
دمڑی کو کتابت لکھیں، دھیلے کو قبالہ
بیٹھے ہوئے واں میر علی، چوک جہاں ہے
چاہے جو کوئی شیخ بنے بہرِ فراغت
چھٹتے شعرا ہی کے وہ مطعونِ زباں ہے
دیتا ہے دُمِ خر سے کوئی شملے کو نسبت
گمبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہ کناں ہے
اور اُس کو جو دیکھے کوئی، وہ بہرِ معیشت
اِس فکر و تردّد ہی میں ہر ایک زماں ہے
پوچھے ہے مریدوں سے یہ ہر صبح کو اُٹھ کر
ہے آج کدھر عُرس کی شب، روز کہاں ہے
تحقیق ہوا عُرس، تو کر ڈاڑھی کو کنگھی
لے خَیلِ مُریداں گئے، وہ بزم جہاں ہے
ڈھولک جو لگی بجنے تو واں سب کو ہوا وجد
کوئی کودے ہے، کوئی رووے ہے، کوئی نعرہ زناں ہے
بے تالے ہوئے شیخ جو ٹک وجد میں آ کر
سرگوشیوں میں پھر بد اُصولی کا بیاں ہے
گر تال سے پڑتا ہے قدم، تو سبھی ہنس ہنس
کہتے ہیں: کوئی حال ہے یہ، رقصِ زناں ہے
اور ماحصل اِس رنج و مشقت کا جو پوچھو
ڈالا ہوا واں دالِ نخود تلیہ و ناں ہے

سب پیشے یہ تج کر، جو کوئی ہو مُتوکّل
جورو تو یہ سمجھے کہ نکھٹّو یہ میاں ہے
اور بیٹے کے دل کو ہے خُرافت کا تیقّن
بیٹی کو جنوں ہونے کا بابا کے گماں ہے
پھر چوم کے، جب لڑکے لگے بھوک سے مرنے
ہر خانِ دخوَانین کے ہم راہ رواں ہے
جب راہِ خدا پیسے نکالے کوئی نوّاب
تب اُس کی سفارش میں اِسے رقعۂ خاں ہے
مضموں یہی رُقعے کا کہ کچھ دیجیے اس کو
مدّاح اماموں کا ہے اور مرثیہ خواں ہے
بالفرض اگر آپ ہوئے ہفت ہزاری
یہ شکل بھی مت سمجھیو تو راحتِ جاں ہے
ٹک دیکھ کچہری میں تو حافظ کا تو احوال
چھاتی پہ کڑک بجلی ہے اور شیر دہاں ہے
آرام سے کٹنے کا سُنا تو نے کچھ احوال
جمعیّتِ خاطر، کوئی صورت ہو، کہاں ہے؟
دُنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام
عقبا میں، یہ کہتا تھا کوئی، اس کا نشاں ہے
سو اِس پہ تیقّن کسی کے دل کو نہیں ہے
یہ بات بھی گوینده ہی کا محض گماں ہے
یاں فکرِ معیشت ہے تو واں دغدغہ، حشر
آسودگی حرفیست نہ وہ یاں ہے نہ واں ہے

مخمس در ویرانیِ شاہ جہاں آباد

کہا میں آج یہ سودا سے: کیوں تو ڈانواڈول
پھرے ہے، جا کہیں نوکر ہو، لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے کہ اس کے جواب میں دو بول
اگر کہوں میں تو سمجھے گا تو کہ ہے یہ ٹھٹھول
بتا کہ نوکری بکتی ہے ڈھیریوں یا تول؟

سپاہی رکھتے تھے نوکر امیر، دولت مند
سو آمد اُن کی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
کیا ہے مُلک کو مُدّت سے سرکشوں نے پسند
جو ایک شخص ہے بائیس صوبے کا خاوند
رہی نہ اُس کے تصرّف میں فوجداریِ کول

قوی ہیں ملک میں مُفسد، امیر ہیں سو ضعیف
ٹکے کہاں جو ہمیں دے کے، ہوں انھوں سے حریف
نہ کچھ ربیع میں حاصل، نہ درمیانِ خریف
جو عامل اب ہیں محالات پر، سو یوں ہیں خفیف
کہ جس طرح کسی حاکم کے گھر گنوار ہوں اُدل

پس اُن کا ملک میں کارِ نَسَق جو یوں ہو تباہ
کہ کوہِ زر ہو زراعت میں، تو نہ دیں پرِ کاہ
جگہ وہ کون سی، نوکر رکھیں یہ جس پہ سپاہ
کہاں سے آئیں پیادے، کریں جو پیش نگاہ
کدھر سوار، جو پیچھے چلیں وہ باندھ کے غول

رہی فقط عَرَبی باجے پر اُنھوں کی شان
جو چاہو اُس کو نہ بجوادیں یہ، سو کیا امکان
پر اُن کو فکر ہے تخفیفِ خرج کی ہر آن
رہے گا حال اگر مُلک کا یہی، تو ندان
گلے میں تاشا کہاروں کے، پالکی میں ڈھول

اُنھیں ہے اپنی امارت سے اب یہی منظور
کہ ہوں دو مورچھل اور ایک کا تبیچ سمور
نہ رسم صلح کا سمجھیں، نہ جنگ کا دستور
جو ان میں قاعدہ داں تھے، ہوئے وہ اِن سے دور
رقماش اِن کی طبیعت کا سب طرح سے ٹٹول

امیر اب جو ہیں دانا، انھوں کی ہے یہ چال
ہوئے ہیں خانہ نشیں، دیکھ کر زمانے کا حال
بچھی ہے سوزنی، تو جا کھڑا اچھلے ہے رُمال
حُضور بیٹھے ہیں اک دو ندیم اہلِ کمال
دھری ہے رو بہ رو اک پیک دان واک بطنول

جو کوئی ملنے کو ان کے انھوں کے گھر آیا
ملے یہ اُس سے گر اپنا دماغ خوش پایا
جو ذکرِ سلطنت اِس میں وہ درمیاں لایا
انھوں نے پھیر کے اودھر سے مُنہ، یہ فرمایا:
خُدا کے واسطے بابا کچھ اور باتیں بول

جو مصلحت کے لیے جمع ہوں صغیر و کبیر
تو ملک و مال کی فکر اِس طرح کریں ہیں مُشیر
وطن پہنچنے کی بخشی کو سوجھے ہے تدبیر
کھڑا یہ اُٹکلے دیوانِ خاص بیچ وزیر
کہ شامیانے کے بانسوں پہ روپے کے ہیں خول

خجل ہو یہ نہ سمائے، زمیں بہت پھاٹی
کیے وہ مشورے، کھیلے ہیں جوں شوا پاٹی
تمام عمر ہے تدبیرِ ملک میں کاٹی
ندان کر اُٹھے مل کر گھر اینٹ کا، ماٹی
پھر اپنے زعم میں ہر یک برائے خود بہلول

پڑے جو کام اُنھیں تب نکل کے کھائی سے
رکھیں وہ فوج جو موتے بھری[1] لڑائی سے
پیادہ ہے سو ڈرے سر مُنڈاتے نائی سے
سوار گر پڑے سوتے میں چارپائی سے
کرے جو خواب میں گھوڑا کسی کے نیچے اُلول

---

[1] اس کو "موتی پھرے" اور "موتے پھرے" بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

نہ صرفِ خاص میں آمد، نہ خالصہ جاری
سپاہی تا مُتصدّی سبھوں کو بے کاری
اب آگے دفترِ تن کی میں کیا کہوں خواری
سوالِ دستخطی پھاڑ کر کے پنساری
کسی کو آلو لے دے باندھ کر کسی کو کٹول

یہ جتنے نقدی و جاگیر کے تھے منصب دار
تلاش کر کے ڈھلیتی انھوں نے ہو ناچار
ندان قرض میں بنیوں کے دی سپر تلوار
گھروں سے اب جو نکلتے ہیں لے کے وہ ہتھیار
بغل کے بیچ تو سونٹا ہے، ہاتھ میں کچکول

کروں معاش کا حضرت کی تجھ سے کیا میں بیاں
کہ توشہ خانہ ہے اُن کا، پر ایچے کی دُکاں
نکل تنور کے مُنہ سے کہے ہے گاد زباں
بکی ہوں تب میں کہ جب کاتبِ خُلد مکاں
بکی ہے تیسرے فاقے میں کوڑیوں کے مول

کہو جو مُودی سے جاکر دواب کے حالات
جواب دے ہے کہ ہیں اونٹ تو فرشتے کی ذات
ہَوا پہ چھٹی ہے بَیلوں کی، اور بھُس پہ برات
جو خچریں ہیں، پیا ہے انھوں نے آبِ حیات
تمھارے کھانے کو دانہ، کہو تو دیجے تول

جو اصطبل میں کئی گھوڑے ہیں سو کیا امکان
کہ ہوئے گھاس کے تنکے کا ان کے آگے نشان
کسی کی ٹوٹی ہے ٹنگڑی، کسو کا جھڑ گیا کان
طویلہ اُس کو کہوں یا میں پنج پیر کا تھان
اسی خیال میں رہتی ہے عقل ڈانوا ڈول

اور اب جو زعم میں آقا کے فیل خانا ہے
جو ہتھنی اندھلی ہے اس میں تو ہاتھی کانا ہے
نہ ٹھور چارے کا، راتب کا نے ٹھکانا ہے
ہر ایک بھوک سے سوئے عدم روانا ہے
اب اُس کو خواہ تو پائل سمجھ لے خواہ نجھول

کرے ہے بھوک سے شاگرد پیشہ اب یہ معاش
کہیں پلاؤ، تو باورچی واں پکا دیں آش
کریں تناتوں میں دربان بیٹھے پردہ فاش
تلے سے کھینچ لے مسند کو آن کر فراش
اگر کہیں کہ مٹا اُٹھ کے چاندنی کا جھول

یہ خادمانِ محل کی ہے اِن دنوں صورت
نہ خوان ڈھونے کا کشمیرنی میں باقی ست
نہ اُٹھ کے ہلنے کی ہرگز رَدَوتی کو طاقت
بنی ہے بھوک سے درباریوں کے مُنہ کی یہ گت
کہ بوڑھی ہتھنی کے جس طرح بیٹھ جائیں کپول

مچا رکھی ہے سلاطینوں نے یہ تو یہ دھاڑ
کوئی تو گھر سے نکل آئے ہے گریباں پھاڑ
کوئی درا پنے پہ آ، دے دے مارتا ہے کواڑ
کوئی کہے ہے: جو ہم ایسے چھاتی کے ہیں پہاڑ
تو چاہیے کہ ہمیں سب کو زہر دیجے گھول

غرض مآل ہے اِس گفتگو سے یہ میرا
کہ بے زری نے جب ایسا گھر آن کر گھیرا
تو کوئی فکر کرے نوکری کا بہتیرا
نہیں ہے فائدہ کچھ، تا وہ چھوڑ کر ڈیرا
کرے نہ عزم سوے اصفہان و استنبول

جو نوکری ہے کہیں زیرِ چرخِ نیلی فام
سو جایداد کا اُس کی ہے پرگنہ سرسام
دبا کا جب سے ہے دارالخلافے میں ہنگام
گھروں کی ضبطی کا رسم اِس قدر ہوا ہے عام
اِدھر کسی کا دُکھا سر، اُدھر سے دوڑے قُول

سو کیا وہ نوکری، کٹتی ہو جس میں یوں اوقات
ملے ہے پیٹ کو روٹی، سو رُو رُو آدھی رات
جو چاہو تن ڈھنپے اِس میں، تو آگے پیچھے بات
اور اِس پہ یہ کہ وہ تب ٹھہرے روزِ موجودات
جو پانچوں باندھیے ہتھیار اور چھٹے پستول

وہ نوکر اب جسے آقا ہر آن پہچانے
جو پوچھو اُس سے کہ تم کچھ رُپے لگے پانے
کہے ہے آہ وہ بھر کر، سوائے آٹھ آنے
رُپے کی شکل ہی دیکھی نہیں، خدا جانے
کہ اِس زمانے میں چپٹا بنے ہے یا وہ گول

غرض کہ جب تئیں ملتا ہو پاؤ بھر بھی چون-
کرے یہ نوکری وہ ہی جسے ہو خبط و جنون
نہ سمجھیو کہ اِنھیں جب سپہ گری کے فنون
نہ آئے سیکھ، تو یہ باندھنے لگے مضمون
زمانہ دیکھ کے، ہتھیار ہم نے ڈالے کھول

سخن جو شہر کی ویرانی سے کروں آغاز
تو اُس کو سُن کے، کریں ہوش چُغد کے پرواز
نہیں وہ گھر نہ ہو جس میں شغال کی آواز
کوئی جو شام کو مسجد میں جائے بہرِ نماز
تو واں چراغ نہیں ہے بہ جُز چراغِ غول

کسی کے ہاں نہ رہا آسیا سے تا بہ اُجاغ
ہزار گھر میں کہیں ایک گھر جلے ہے چراغ
سو کیا چراغ، وہ گھر ہے گھروں کے غم سے داغ
اور اُن مکانوں میں ہر سمت رینگتے ہیں الاغ
جہاں بہار میں سُنتے تھے بیٹھ کر ہنڈول

خراب ہیں وہ عمارات، کیا کہوں تجھ پاس
کہ جن کے دیکھے سے جاتی رہے تھی بھوک اور پیاس
اور اب جو دیکھو تو دل ہوئے زندگی سے اُداس
بجائے گُل، چمنوں میں کمر کمر ہے گھاس
کہیں ستون پڑا ہے، کہیں ڈھے مرغول

رکھے تھے سیر یہ پنگھٹ کی، گرد کے دیہات
کہ لب جہاں کی تھے پنہاریوں کے آبِ حیات
اور اُن درختوں کی دے چھائیں، دے گھنے گھنے پات
نہ دے درخت ہیں واں اب، نہ آدمی کی ذات
کنووں میں مُردے پڑے ہیں، نہ رسیاں ہے نہ ڈول

یہ باغ کھا گئی کس کی نظر، نہیں معلوم
نہ جانے کن نے رکھا یاں قدم، وہ کون تھا شوم
جہاں تھے سرو و صنوبر، ہے اُس جگہ میں زقوم
مچی ہے زاغ و زغن سے اب اُس چمن میں دھوم
گلوں کے ساتھ جہاں بلبلیں کرے تھیں کلول

جہاں آباد تو کب اِس ستم کے قابل تھا
مگر کبھو کسی عاشق کا، یہ نگر، دل تھا
کہ یوں مٹا دیا گویا کہ نقشِ باطل تھا
عجب طرح کا یہ بحرِ جہاں پہ ساحل تھا
کہ جس کی خاک سے، لیتی تھی خلق موتی رول

دیا بھی واں نہیں روشن تھے جس جگہ فانوس
پڑے ہیں کھنڈروں میں آئینہ خانوں کے مانوس
کروڑ دل پُر از اُمّید، ہو گیا مایوس
گھروں سے یوں نُجبا کے نکل گئے ناموس
ملی نہ ڈولی اُٹھیں، جو تھے صاحبِ جونڈول

نجیب زادیوں کا اِن دنوں ہے یہ معمول
وہ بُرقع سر پہ کہ جس کا قدم تلک ہے طول
ہے ایک گود میں لڑکا، گلاب کا سا پھول
اور اُن کے حُسنِ طلب کا ہر ایک سے یہ اُصول
کہ خاکِ پاک کی تسبیح ہے جو لیجے مول

غرض میں کیا کہوں یارو کہ دیکھ کر یہ قہر
کروڑ مرتبہ خاطر میں گزرے ہے یوں لہر
جو ٹک ہی امن دل اپنے کو دیوے گردشِ دہر
تو بیٹھ کر کہیں یہ رویئے کہ مردمِ شہر
گھروں سے پائی کو باہر کریں جھکول جھکول

بس اب خموش ہو سوداؔ کہ آگے تاب نہیں
وہ دل نہیں ہے کہ اِس غم سے جو کباب نہیں
کسی کی چشم نہ ہو گی کہ وہ پُر آب نہیں
سوائے اِس کے تری بات کا جواب نہیں
کہ یہ زمانہ ہے بے طرح کا، زیادہ نہ بول

درہجوِ اسپ
(مسمّٰی بہ تضحیکِ روزگار)

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار — رکھتا نہیں ہے دست عناں کا بہ یک قرار

جن کے طویلے بیچ، کوئی دن کی بات ہے — ہر گز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار

اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے — موچی سے کفشِ پا کو گٹھاتے ہیں وہ اُدھار

تنہا دے نہ دہر سے عالم خراب ہے — خسّت نے اکثروں سے اُٹھایا ہے ننگ و عار

ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں — یا دے سزا، جو اُن کا کوئی نام لے نہار

نوکر ہیں سو رُپے کے، دنایت کی راہ سے — گھوڑا رکھے ہیں ایک سو اِتنا خراب و خوار

نے دانہ و نہ کاہ و نہ تیمار دے سئیس — رکھتا ہے جیسے اسپِ گِلی طفلِ شیر خوار

ناطاقتی کو اُس کی کہاں تک کروں بیاں — فاقوں کا اُس کے اب میں کہاں تک کروں شمار

مانندِ نقشِ نعل، زمیں سے، بہ جز فنا — ہرگز نہ اُٹھ سکے وہ، اگر بیٹھے ایک بار

اِس مرتبے کو بھوک سے پہنچا ہے اُس کا حال — کرتا ہے راکب اُس کا جو بازار میں گذار

قصّاب پوچھتا ہے، مجھے کب کرو گے یاد؟ — امیدوار ہم بھی ہیں، کہتے ہیں یوں چمار

جس دن سے اُس قصائی کے کھونٹے بندھا ہے وہ — گزرے ہے اِس نمط اُسے ہر لیل و ہر نہار

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر — دیکھے ہے آسماں کی طرف، ہو کے بے قرار

خطِ شعاع کو وہ سمجھ دستۂ گیاہ — ہر دن زمیں پر آپ کو پٹکے ہے بار بار

تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھاس کا — چڑکے کو آنکھ موند کے دیتا ہے وہ پسار

دیکھے ہے جب وہ توبڑے ادر تھان کی طرف — کھودے ہے اپنے سُم سے گنوئیں، ٹاپیں مار

فاقوں سے ہنہنانے کی طاقت نہیں رہی
گھوڑی کو دیکھتا ہے، تو پادے ہے بار بار

ہے اِس قدر ضعیف کہ اُڑ جائے باد سے
میخیں گر اُس کے تھان کی ہوویں نہ استوار

نے استخواں، نہ گوشت، نہ کچھ اُس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لہار

پیدا ہوئی ہے تس پہ اگن باد اِس قدر
ہرگز دروغ اِس کو تو مت جان زینہار

گزرے وہ جس طرف سے کبھو، اُس طرف نسیم
بادِ سموم ہووے وہیں، گر کرے گُذار

سمجھا نہ جاوے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سُرنگ
خارشت سے زبس کہ ہے مجروح بے شمار

ہر زخم پر زبس کہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اُس کے رنگ کو مگسی اِس اعتبار

یہ حال اُس کا دیکھ غرض یوں کہے ہے خلق
چنگل سے موذی کے تو چھڑا اِس کو، کردگار!

لے جاویں چور، یا مرے، یا ہو کہیں یہ گم
اِس تین بات سے کوئی بھی ہوئے آشکار

تنہا نہ اُس کے غم سے ہے دل تنگ زین
خوگیر کا بھی سینہ جو دیکھا تو ہے فگار

القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور
آیا یہ دل میں، جایئے گھوڑے پہ ہو سوار

رہتے تھے گھر کے پاس قضارا وہ آشنا
مشہور تھا جنھوں کنے وہ اسپِ نابکار

خدمت میں اُن کی میں نے کیا جا کے التماس
گھوڑا مجھے سواری کو اپنا دو مُستعار

فرمایا تب اُنھوں نے کہ اے مہربانِ من،
ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار

لیکن کسو کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ہے، اِس کو نہ جانو گے انکسار

صورت کا جس کی دیکھنا، ہے گورخر کو ننگ
سیرت سے جس کی، نت ہے سگِ خشمگیں کو عار

بد رنگ جیسے لید ہے، بدبو ہے جوں پشاب
بد یُمن یہ کہ اصطبل اُوجڑ کرے ہزار

مانند مینچو کے لکد زن ہے تھان پر
لاجنب وہ زمیں سے ہے جوں میخ استوار

حشری ہے اس قدر کہ بہ حشر اس کی پشت پر
دجّال اپنے منہ کو سیہ کر کے ہو سوار

اتنا وہ سرنگوں ہے کہ سب اُڑ گئے ہیں دانت
جبڑے پہ بس کہ ٹھوکروں کی نت پڑی ہے مار

ہے پیر اِس قدر کہ جو بتلادے اُس کا سِن
پہلے وہ لے کے ریگِ بیاباں کرے شمار

لیکن مجھے زروئے تواریخ یاد ہے
شیطان اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار

کم رو ہے اس قدر کہ اگر اس کے نعل کا
لوہا منگا کے، تیغ بناوے کوئی لہار

ہے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روزِ جنگ
رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقتِ کارزار

مانندِ اسپِ خانۂ شطرنج، اپنے پاؤں
جز دستِ غیر کے، نہیں چلتا ہے زینہار

اک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
دولھا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار

سبزے سے خط سیاہ وسیہ سے ہوا سفید
تھا سرو سا جو قد، سو ہوا شاخِ باردار

پہنچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجواں
شیخوخیت کے درجے سے کر اس طرف گذار

مٹھا تو اس قدر ہے وہ جو کچھ کہ تم سنا
لیکن اک اور دن کی حقیقت کہوں میں یار

دلی تک آن پہنچا تھا جس دن کہ مرہٹا
مجھ سے کہا نقیب نے آکر، ہے وقتِ کار

مدت سے کوڑیوں کو اڑایا ہے گھر میں بیٹھ
ہو کر سوار اب کرو میداں میں کارزار

ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اس پہ زین
ہتھیار باندھ کر میں ہوا جا کے پھر سوار

جس شکل سے سوار تھا اس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار

چابک تھے دونوں ہاتھ میں، پکڑی تھی منہ میں باگ
تک تک سے پاشنے کی، مرے پاؤں تھے فگار

آگے سے توبڑا اسے دکھلاوے تھا سئیس
پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار

ہرگز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا رو بہ راہ
ہلتا نہ تھا زمیں سے مانندِ کوہسار

اس مضحکے کو دیکھ، ہوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار

پہیے اسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ رواں
یا بادبان باندھ، پون کے دو اختیار

میں کیا کہوں غرض کہ ہر اک اس کی شکل دیکھ
تیغِ زباں سے کاٹ کے کرتا تھا گل نثار

کہتا تھا کوئی مجھ سے بزِ کوہی، نہیں یہ اسپ
کہتا تھا کوئی، ہوگا ولایت کا یہ حمار

پوچھے تھا کوئی مجھ سے، ہوا تجھ سے کیا گناہ؟
کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار؟

کہنے لگا پھر آکے اس اجماع میں کوئی
مرکب نہ یہ گدھا، نہ یہ راکب گناہ گار

سمجھوں ہوں میں تو یہ کہ سپاہی کے بھیس میں
ڈائن چلی ہے سیر کو، ہو چرخ پر سوار

اِس مخمصے میں تھا ہی کہ ناگاہ ایک اور
فتنے کو آسماں نے کیا مجھ سے پھر دوچار

دھوبی، کمھار کے گدھے اس دن ہوئے تھے گم
اِس ماجرا کو سن، کیا دونوں نے واں گذار

ہر یک نے اُس کو اپنے گدھے کا خیال کر
پکڑے تھا دھوبی کان، تو کھینچے تھا دُم کمھار

دریائے کشمکش ہوا اُس آن موج زن
تھا عن قریب ڈوبیے، خفت بہ یک کنار

بدپشمی اُس کی دیکھ کے، کر خرس کا خیال
لڑکے بھی واں تھے جمع تماشے کو بے شمار

رکھتا تھا کوئی لا کے سپاری کو مُنہ کے بیچ
مُوا اُس کے تن سے کوئی اُکھاڑے تھا بار بار

کہتا تھا کوئی مجھ سے کہ تو مجھ کو بھی چڑھا
دوں گا ٹکا تجھے مَیں، ہے تو چندا ایتوار

کُتے بھی بھونکتے تھے کھڑے اُس کے گرد پیش
ساتھ اُس سمندِ خرس نما کے ہو چشم چار

اُس وقت میں نے اپنی مصیبت پہ کر نظر
کہنے لگا خُدا سے یہ، رو رو کے زار زار

جھگڑوں میں دھوبیوں سے کہ لڑکوں کو دوں جواب
کُتوں سے یا لڑوں کہ مروں اپنا پیٹ مار

بارے دعا مری ہوئی اُس وقت مستجاب
واں سے بہ ہر نمط کیا جنگاہ تک گذار

دستِ دُعا اُٹھا کے میں پھر وقت جنگ کے
کہنے لگا جنابِ الٰہی میں یوں پکار

پہلی ہی گولی چھوٹتے اِس گھوڑے کے لگے
ایسا لگے نہ تیر کہ ہووے نہ تن سے پار

یہ کہہ کے میں خُدا سے، ہوا مستعد بہ جنگ
اِتنے میں مرہٹا بھی ہوا مجھ سے آ دوچار

گھوڑا تھا بس کہ لاغر و پست و ضعیف و خشک
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقتِ کارزار

جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اُس کو حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پانوں سے جوں طفلِ نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں یہ بندھی ہے شکل
لے جوتیوں کو ہاتھ میں، گھوڑا بغل میں مار

دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

گھوڑے مرے کی شکل یہ ہے، تم نے جو سُنی
اِس پر بھی دل میں آوے تو اب ہوجیے سوار

سُن کر تب اُن سے میں نے یہ قصہ، دیا جواب
اِتنا بھی جھوٹ بولنا کیا ہے ضرور یار!

گفتن ہمیں بس است کہ اسپِ من ابلق است / سمجھوں گا دل میں اپنے، اگر ہوں میں ہوشیار

سودا نے تب قصیدہ کہا، سُن یہ ماجرا
ہے نام اِس قصیدے کا "تضحیکِ روزگار"

مثنوی در بی نسقیِ شاہجہان آباد

کیا ہوا یارو وہ نَسَق، ہیہات! / لیموں کے چور کا کٹے تھا ہات
باندھا جاوے تھا چور ٹکڑی کا / مارا جاوے تھا دُزد ککڑی کا
تھا نہ رشوت سے کوتوال کو کام / نہ تھا عالم میں چوٹٹے کا نام
شہر میں کیا رہے تھی امن و امان / کیسی کرتی تھی خلق خوش گذران
اب جہاں دیکھو واں جھمکّا ہے / چور ہے، ٹھگ ہے، اور اُچکّا ہے
دیکھی ہم نے جو راہ چاوڑی کی / پشتم ہے رہ زنی تلاوڑی کی
فیض بازار کا جو سُنیے بیان / اُن نے نزدک کے کاٹ ڈالے کان
دمڑی کے سودے کو جو واں جاوے / پگڑی کھو، سر کو پیٹتا آوے
کس طرح شہر کا نہ ہو یہ حال / سیدی کافور ہووے جب کُتوال
چور کب اُس کا زور مانے ہیں / کالا بال اپنا اُس کو جانے ہیں
ہو یہ کُتوال، تو وہ مانیں زور / یہ تو مچھڑ کی جھول کا ہے چور
اُن سے رشوت لیے یہ بیٹھا ہے / اس کے تو دل میں چور بیٹھا ہے
باندو کا مفسدوں کے، زور ہے یہ / چور کا بھائی گٹھی چور ہے یہ
اپنے دروازے آگے رکھ نٹ کھٹ / کیے ہیں اِن نے گھر کے گھر چوپٹ

ٹھگ نہ تنہا چڑھے ہیں اس کی آنٹ
مل رہی ہے اُچکّوں سے بھی سانٹ

سر پہ یہ جس کے دیکھے اچھی شال
گویا وہ اِس کے باپ کا ہے مال

گشت جب اِس کا پھرنے آتا ہے
یہی نرسنگیا بجاتا ہے

سُن لو چورو! ہے مختصر قصّہ
صبح کو بھیج دیجیو حصّہ

جو نظر باز اُس کا چترا ہے
خوب دیکھو تو جیب کترا ہے

جتنے نوکر ہیں اس کے خدمت گار
فنِ دزدی میں سب ہیں بانی کار

کسو کا گٹھ کٹی د تیرا ہے
کوئی بھڑوا اُٹھائی گیرا ہے

جس کے گھر بیچ اُن کا آقا جائے
صاحبِ خانہ پر یہ آفت آئے

تا خبردار گھر کا ہو صاحب
جو گھڑے، پان دان تک غائب

ہیں گے از بس یہ ہاتھ کے چالاک
ڈالے ہیں اُس کی آنکھوں میں بھی خاک

ٹک جو غافل یہ اُن سے ہوتا ہے
تن کے کپڑوں کو اپنے روتا ہے

ایک دن اُن نے سب سے طنز کی راہ
کہا: تم ہو مرے نپٹ دل خواہ

چیز میری جو اب چُراؤ تم
بیچنے چوک میں نہ جاؤ تم

قیمت اُس کی جو کچھ مشخص ہو
اُتنے کو تم اُسے مجھی کو دو

ایک اُن میں سے، یہ سخن سُن کر
لگا کہنے کہ اِس سے کیا بہتر

کیا جب آپ ہی نے یہ انصاف
میں بھی کرتا ہوں عرض، رکھیے معاف

آپ کے سر پہ یہ جو پگڑی ہے
دو خریدار اِس کے ہیں درپے

دس رُپے وہ مجھے دلاتے ہیں
کہیے، اب آپ کیا لگاتے ہیں؟

دوسرے نے کہا کہ میں وہ غُلام
نہیں ہوں، جس سے ہووے ایسا کام

پگڑی آقا رکھے نہ سر سے اُتار
اور قیمت کا اُس کی ہو تکرار

پر دوشالے کی میں لگا کر گھات
آج جاگا کیا ہوں ساری رات

میری محنت پہ ٹک نظر کیجے
آگے جو دل میں آئے سو دیجے

غرض اس گفتگو سے ہے یہ مآل
واہ وا واہ وا، زہے کتوال!

شہر کے بیچ، کیا کہوں میں اب
روزِ محشر کی دھوم ہے ہر شب

شب ہے زرشگوں کی یہ قال و قیل
گویا پھنکتی ہے صورِ اسرافیل

کتے آہٹ سے ایسے بھونکے ہیں
مُردے خوابِ عدم سے چونکے ہیں

آنکھ تو کس بشر کی لاگے ہے
چوروں کے ڈر سے فتنہ جاگے ہے

آسماں پر بھی مُنعدم ہے خواب
کھلا رہتا ہے دیدۂ مہتاب

لاکھ بند دق رات کو چھوٹے
کوٹھی، پر، ساہوکار کی پھوٹے

ہیں یہ سرگرمِ دُزدیِ بد انجام
لوٹے ہے تا خزانۂ حمام

بزم میں شب ہر ایک پیر و جواں
بیٹھے ہیں، کر کے رزم کا ساماں

تس پہ ہے یہ کہ بہرِ طرۂ زر
لگے ہے چور شمع کو آکر

طرۂ شمع یک طرف اے یار
گم ہے خورشید کی بھی شب دستار

شام سے صبح تک یہی ہے شور
دوڑیو گٹھری لے چلا ہے چور

صبح شبنم جو گل پہ ہوتی ہے
بقچے کو غنچے کے وہ روتی ہے

مال صندوق میں رہے کس بھانت
تن کے لتّوں پہ چور کا ہے دانت

اب تو دُزدی کا کچھ نہیں ہے ڈھنگ
کتنے پھرتے ہیں چور، ہو کے سرہنگ

رکھ سکے کون ہم سے ہو کے کرخت
جو نہ دے کپڑے ہم کو، ہے کیا رخت

رات جو اپنے گھر میں کھنکارے
چور دروازے پر یہ بنکارے

ہو گی کب تک بچا! خبرداری
چور جاتے رہے کہ اندھیاری

صاحب خانہ جو کوئی ہے اب
ہے خبرداری ہی میں روز و شب

آئینہ تک اگر تو دیکھے یار
اپنے گھر میں ہے وہ بھی چوکیدار

بے خطر دُزدی سے کوئی نہ رہا
اہلِ ے خانہ میں بھی ہے ہُو ہا

نہ ریاضت کو جاگتا ہے شیخ
ڈرے ہے، چور آنہ ماریں میخ

خلق جب دیکھ کر کے یہ بیداد
کرتی ہے کوتوال سے فریاد

بولے ہے وہ کہ میں بھی ہوں ناچار
گرم ہے چوٹٹوں کا یہ بازار

کرتے ہیں مجھ سے وہ، بجاکر ڈھول
میری پگڑی کا میرے سر پہ مول

یارو! کچھ چل سکے ہے میرا زور
دیکھو تو ٹک کہاں کہاں ہے چور

مٹ سکے مجھ غریب سے یہ خلل
ہے امیروں کے گھر میں چور محل

دیکھیے گر بتاں کو بھی، یہ خدا
ہاتھ میں ہے اُنھوں کے دُزدِ حنا

کس کو ماروں میں، کس کو دوں گالی
چوری کرنے سے کون ہے خالی

چڑھ کے جب مفسدے پہ جاتا ہوں
وقت پر میں بھی دل چُراتا ہوں

بچ رہا ہے اب اس طرح کا سانگ
ہے خدا کے بھی گھر میں چور کی تھانگ

بچ سکے کیوں کے اب کسی کی شے
ملّا مسجد کا، صبح خیز یا ہے

کریں انصاف اب جوان و پیر
کیا ہے اس میں بھلا مری تقصیر

رتبۂ دُزدی اِس قدر ہے بلند
چرخ کے گھر پہ کہکشاں ہے کمند

یہ جو سودا بکے ہے لا یعنی
آپ کرتا ہے دُزدیِ معنی

ہجوِ بخیل

ہے خدا کا یہ ایک شمّۂ نور — جس سے روشن ہے آسماں کا تنور
کرتے اُس کو لگے نہ ذرّہ دیر — مہر و مہ کو بہ شکلِ نان و پنیر
کیا اُن نے بہ عرصۂ یک آن — نُقلِ اختر سے پُر سپہر کا خوان
کس زباں سے ہو اس کا شکر ادا — نعمتیں کیا کیا اُن نے کیں پیدا
میوے ہیں باغ میں زمانے کے — واسطے کھانے اور کھلانے کے
فضل سے اُس کے کچھ نہیں ہے کمی — لیک وہ کیا کرے جو ہم ہوں دُنی
سُنیو یارو، کروں ہوں میں اک نقل — جس کو باور کرے نہ ہرگز عقل
اتفاقاً اک آشنا میرے — گئے تھے ایک عُمدہ کے ڈیرے
جوں ہی وارد ہوئے یہ واں ناگاہ — اُٹھا چاروں طرف سے ابرِ سیاہ
اِن کے ہوتے جو ابر گھر آیا — صاحبِ خانہ سخت گھبرایا
نہ خبر پوچھی اِن کی، نے احوال — بیٹھتے ہی کیا یہ ان سے سوال
کچھ ہوا پر بھی تم رکھو ہو نگاہ — گھونگھری، پٹّو کچھ بھی ہے ہم راہ
بولے یہ، ہنہ نہ تھا مجھے معلوم — ورنہ لاتا میں ساتھ اے مخدوم
جب نہ سمجھے یہ اُس کی رمز کے تئیں — سوجھی یہ بات اُس کے تئیں وہیں
جوں لگی ہونے قطرہ افشانی — لا رکھی اُن کے آگے بارانی
پھر لگا کہنے، یہ بھی اپنے نصیب — آوے مدّت کے بعد اپنا حبیب

در مِنہ آسمان برسادے
بھیگتا اپنے گھر کو وہ جاوے

یہ تو سادے غریب کیا جانیں
اُس مُزوّر کو کیوں کے پہچانیں

بولے یہ سادگی سے، کیا ہے ضرور
بھیگتا جاؤں گا میں اِتنی دور

رکھے خالق سلامت آپ کی ذات
نہ کھُلے گا تو میں رہوں گا رات

یہ سخن جوں ہی پہنچا اُس کے کان
لگی اُس کی وہ ہیں نکلنے جان

سُنتے ہی اِس کے یوں ہوا مضطر
اپنے بے گانے کی رہی نہ خبر

جس کے مُنہ کی طرف کرے تھا نگاہ
یہی کہتا تھا اُس سے بھر کر آہ

کیوں میاں، ابر اِس قدر چھایا
حرف رہنے کا درمیاں آیا

مضطرب برق سے نہ ہو یوں حال
بادلوں سے جو اُس کا تھا احوال

کبھو کہتا تھا، یارو، نیل جلاؤ
کبھو کہتا تھا، شیخ ڈونڈو بناؤ

گاہ بولے تھا، دیکھیو اوپر
آوے ہے آسماں کہیں سے نظر

بولا نوکر ہے ایک یوں فی الفور
کچھ نظر آوے ہے جو کیجے غور

کہا اُن نے، یہ سچ ہے میری جاں
اے میں تیری زبان کے قرباں

لیک پرنالے جب لگے بہنے
تب تو جھنجھلا کے یوں لگا کہنے

کیا یہ برسے ہے، یوں برس کم بخت
کوہ سے ڈوب جائیں لے کے درخت

نہ رہے عرب، نہ رہے اب شرق
چاہیے، ہو تمام عالم غرق

غرض اپنی سی وہ تو کر گزرا
ہوگئی رات اور مِنہ نہ کھُلا

آخرالامر کر کے دل کو کرخت
کہنے لاگا کہ سنگ آمد و سخت

کر چکا اپنے جب اصول و فروع
کیا مہماں سے اختلاط شروع

وقت آیا جب اُس کے کھانے کا
مرتکب ہو کے اِس بہانے کا

لگا کہنے کہ کوئی ہے حاضر
بولا اُس وقت ڈیوڑھی کا ناظر

کہا اُس سے کہ بھر کے افتابا — محل کی جا ضرور میں رکھوا
غرض اُٹھ کر چلا یہ جب واں سے — کہہ گیا کان میں یہ مہماں سے
چاہو جو کچھ کہ اب تناول کو — کہہ دو بُلوا کے تم بکاول کو
اُنھوں نے اُس کے موجبِ ارشاد — کی بکاول کے تئیں دوہیں فریاد
آیا بعد از سماجتِ بسیار — اِنھوں نے پوچھا، کچھ ہے اب تیار؟
بولا، تیار تو نہیں ہے کچھ — جاؤں ڈھونڈوں اگر کہیں ہے کچھ
تو تو لاتا ہوں آپ کی خاطر — ورنہ کھاؤ چنے، ہوں میں حاضر
بولے یہ، کچھ اگر نہیں تیار — دیکھو ہووے گا مودیِ سرکار
اُس سے تم جا کے جنس منگواؤ — واسطے میرے کچھ تو پکواؤ
لگا کہنے، وہ کوئی مانے ہے — آپ ہی بھڑوا خاک چھانے ہے
جب کہ اُس کا حساب ہوتا ہے — جان کو وہ بُروں کی روتا ہے
اور قصّاب بھی جو آوے ہے — چھُری بُغدا مجھے بتاوے ہے
جب میں کچھ کونجڑے سے کہتا ہوں — لوہو پی پی کے اپنا رہتا ہوں
بخشے ہے مجھ سے یوں وہ دو بر دو — بیچو ترکاری کی جگہ کدو
اہلِ مطبخ کی جب سنوں آواز — کتریں آقا کے چوتڑوں پر پیاز
سُفرہ چیں دے ہمیشہ یوں گالی — مُنہ رکھیں چکنا اور شکم خالی
مجھ کو بادرچی یوں دھراتے ہیں: — رہ تری آتش کیا پکاتے ہیں!
کیا کہوں میں رکاب دار کی بات — اُس کی گزرے ہے کس طرح اوقات
نوکری سے نہیں کچھ اُس کو حصول — کاٹے ہے میرے حق میں نت گل پھول
نان با کو جو دیکھوں بھر کے نظر — مجھ سے کہتا ہے یوں وہ گیدی خر
تِکّے مُشرف کے گھر لگاؤں گا۔ — اور پلیتھن ترا نکالوں گا

کیا کہوں تجھ سے میں غرض اے یار / دے کے خدمت کیا ہے مجھ کو خوار
کبھو حاصل نہیں ہوا اک دام / مفت رسوا ہوں نزدِ خاص و عام
کوئی شاعر جو یاں گزرتا ہے / ہجو میری ہی وہ بھی کرتا ہے
کون جانے کہ آپ کیسے ہیں / جی مرا جانتا ہے جیسے ہیں
پیر ان کا گر آئے وقتِ طعام / جائے نُقطے کے کھائے وہ دُشنام
بس کہ مطبخ میں سردی رہتی ہے / ناک باورچیوں کی بہتی ہے
اِن کے مطبخ سے دُود اٹھے ہے اگر / سقّے لے دوڑتے ہیں مشکیں بھر
لگے ہے دینے کوئی اُٹھ کے اذاں / کوئی دکھلائے کھول کر قرآں
ڈالے ہے کوئی چھپّرا اپنے کاٹ / کوئی پھرے سر دھرے کھٹولا کھاٹ
یاں پکانا ہے خانۂ خالا / خلق ہو جاوے ہے تہ و بالا
ان کے باورچی خانے کا احوال / چولھے ہر گھر کے جب کرے ہیں خیال
ڈالے ہیں سر پہ خاک ماتم سے / لکڑی جلتی ہے آتشِ غم سے
سینے دیگوں کے مارتے ہیں جوش / روتے ہیں ڈھانپ ڈھانپ مُنہ سرپوش
روز باورچی کرتے ہیں فریاد / کبھی تو کچھ ہمیں کرو ارشاد
کیا ترے بعد کر کے کھاویں گے / جب کسَب اپنا بھول جاویں گے
کی زمانے نے لاکھ ہی تدبیر / نہ ملا دیگچے سے یاں کفگیر
شادی پر شادی یاں ہوئی ہے سدا / دستہ ہاون سے پر کبھو نہ بجا
کرے سو عید گُنبدِ گرداں / نہ ٹلے ان کے گھر سے پر رمضان
الغرض مطبخ اِس گھرانے کا / رشک ہے آبدار خانے کا
جس سے طوفان نے کیا تھا ظہور / اِن کی نانی کے گھر کا تھا وہ تنور
اور کیا کیا میں کھولوں اِس کے بھرم / کہتے بھی آتی ہے مجھے تو شرم

ایک فرزند یہ رکھے ہے اُلاغ
سارے گھر کا ہے اِس کے چشم و چراغ

اُن نے اک روز یہ حماقت کی
آشنا اپنے کی ضیافت کی

نہ ضیافت کہ جس میں ہو رنگ رس
اک رکابی طعام دو دیگر بس

تس پہ یوں پیش آیا یہ مردود
یاد آیا اُسے چھٹی کا دود

چاہتا تھا کرے یہ اُس کو عاق
اور ماں کو بھی اُس کی دیوے طلاق

بارے لوگوں نے آ کے سمجھایا
تب یہ جورو کے حق میں فرمایا

پتھر اِس کے عوض یہ کیوں نہ جنی
کاش پھنس مرتا واں یہ ناشُدنی

یارو، مجھ سے تو لاولد بہتر
میرا بیٹا اور اِس قدر ابتر!

اِس کا دادا بھی گرچہ تھا عیاش
اِس سلیقے سے پر کرے تھا معاش

جو کوئی اُس کے گھر میں نوکر تھا
رات کو اُس پہ یہ مُقرّر تھا

پھرتا وہ ٹکڑے مانگتا گھر گھر
لاتا آقا کے آگے جھولی بھر

اچھے چُن چُن کے آپ کھاتے تھے
بُرے، تنخواہ میں لگاتے تھے

پیدا کر گئے تھے اِس طرح اجداد
سو یہ بدبخت دے ہے یوں برباد

میں تو آپی کو جانتا تھا فضول
پر یہ مجھ سے بھی نکلا نامعقول

گڑے پیسے یہ سب اُڑا دے گا
اینٹوں تک بیچ بیچ کھاوے گا

اِس کے دادے کے باپ کا اک روز
آشنائے سفر، نپٹ دل سوز

لایا کھچڑی پکا شراکت سے
دونوں کھانے لگے رفاقت سے

اُن نے اک دو لیے نوالے بڑے
جدِّ مرحوم ہو کے وہیں کھڑے

لگے کہنے، نہیں یہ شرکت نیک
میرے سَو لُقمے اور تیرا ایک!

تھی بزرگوں کی اپنے تو یہ چال
کرتی ہیں یاں ضیافتیں پامال

خوب، جو کچھ اُٹھا خزینے سے
لو اتالیق کے مہینے سے

سُنا اِس گھر کا یار تو نے حال — مجھ سے کھانے کا پھر نہ کیجو سوال
ایسی ہی بھوک ہے جو میری جاں — بندہ خانہ بھی دور نہیں چنداں
ٹک قدم رنجہ واں تلک کیجے — کھانے کو چاہیے جو کچھ لیجے
بولے یہ، خانہ شُما آباد — ہے کرم آپ کا تو اس سے زیاد
ہے غنیمت ہمیں تو آپ کی ذات — کٹ گئی اب تو باتوں ہی میں رات
غرض اُس آشنا نے صبح کو آ — مجھ سے یہ ماجرا تمام کہا

بھیجو یارو اب ایسے عُمدہ پر
لعنتِ کردگار شام و سحر

بیاہ رچاتے ہیں شیخ جی

جب میں سنا کہ بیاہ رچاتے ہیں شیخ جی
نسبت کو اپنی آپ ڈھنڈھاتے ہیں شیخ جی
مشاطوں کو گھر سے بُلاتے ہیں شیخ جی
سنِ شریف اُن سے چھپاتے ہیں شیخ جی
جانا کہ مسخرے ہیں، کہاتے ہیں شیخ جی

ہم نے کہا کہ شیخ جی، تم بیاہ مت رچاؤ
نوّے برس کی عمر تمھاری ہے، باز آؤ
کہنے کو دوستوں کے بھی خاطر میں اپنی لاؤ
ایسے لگو گے جورو سے تم دقتِ راد چاؤ
گویا کہ اپنی پوتی کھلاتے ہیں شیخ جی

مارے تھا میری بات کوئی شیخ بے حیا
سمجھا وہ یہ کہ بیاہ بھی چھوے کی ہے دغا
بھڑوے نے جا کے چوک میں چوکا لیا بندھا
پھر بعد چند روز کے میں دیکھتا ہوں کیا
ڈاڑھی، منڈھی کے نیچے رنگاتے ہیں شیخ جی

القصہ شیخ جی کی جو حرمت خدا گنوائے
بارہ برس کی چھوکری باجن بجاتے لائے
آئے دُلھن کے ڈیرے سے مقنع میں منہ چھپائے
جیسا ہمارے کہنے کو خاطر میں وہ نہ لائے
ویسا ہی کرتب اپنے سے پاتے ہیں شیخ جی

تھے بس کہ شیخ بات سے دنیا کی پاک وصاف
مسواک لے کے کرنے لگے جورو کا زفاف
چوٹی سے اپنی کھول کے اُن نے وہیں مُباف
مشکیں جکڑ اُنھوں کی، کہا، کیجیے معاف
مجھ کو تو کچھ ولی نظر آتے ہیں شیخ جی

لایا غضب میں شیخ کو گھر کا یہ بندوبست
مشکیں تڑا، بچ گئے جورو سے، کر کے جست
بال اُس کے اِن کے ہاتھ تھے، ریش اِن کی اُس کے دست
عہدے سے بر نہ آئے، تھے از بس ضعیف و پست
پاپوشیں تب سے جورو کی کھاتے ہیں شیخ جی

دہشت سے گھر میں جورو کی، اُن کا ہے اب یہ ڈول
مکتب میں جیسے طفل کو آخوند سے ہو ہول
بے رخصت اُس کی، ٹک یہ ہلیں گر براے بَول
ایسی ہی ایک آن کے سر میں جڑے وہ دھول
تحتَ الثریٰ کو پھر چلے جاتے ہیں شیخ جی

یہ تو ہیں بوڑھے خرس، وہ ہے شوخ، اُچپلی
ماری کبھو تو دھول، کبھی ڈاڑھی نوچ لی
اِن کو تو جانتی ہے کہ شیخوں میں ہیں ولی
کِھلتی ہے اِن کی جورو کی جب اِس طرح کلی
پھولے نہیں بدن میں سماتے ہیں شیخ جی

اک روز شیخ چوہے کو جورو سے جا اَڑے
کہنے لگی کہ تم ہو بڑوں کے مرے بڑے
اب بس ڈھنکے رہو، کہیں چوکا نہ گر پڑے
ڈرتا نہیں ہے مجھ سے تو اے بھڑوے مُنہ سڑے
کہہ دوں ابھی دَدا سے، ستلتے ہیں شیخ جی

جورو کہے ہے شیخ سے، اے شیخ، تم سنو
پھوے کو تم نے دی ہے دغا، چپکے ہو رہو
میں جانتی ہوں تم کو کہ تم فیلسوف ہو
سوؔدا زیادہ کیا کہے، ہے بات گو مگو
جیسے ہیں تیسی جوتیاں کھاتے ہیں شیخ جی

زن مریدی کا دُکھ

جوں گھٹا شادی اُٹھی ہے تری گھنگھور، بنے!
منہدی دُلہن کی ہے سا چق ہے تری اور بنے!
رات دن رنگ میں رہتا ہے تو شر بور، بنے!
عرش تک بیاہ کا پہنچا ہے ترے شور، بنے!
کہتے ہیں حور و ملک، شیخ جی، اب زور بنے

پیرزادی سے تم اپنی بہ دغا پیش آئے
ملّا اک کر کے، جو اس دام میں اپنے لائے
نام سے اوروں کے نسبت کے رقعے بھجوائے
صورتِ نحس جب اپنی تم اُسے دکھلائے
بولی سر پیٹ کے وہ، ہائے تری گور بنے

سُہلے یہ ڈومنیاں گاتی ہیں لے کر جب ڈھول
شیخ جی، تم بھی سمجھتے ہو کچھ اُن سُہلوں کے بول
مسخرا بوجھ تمھیں، کہتی ہیں از راہِ ٹھٹھول
دیکھ لی تیری جو لٹّو سی بڑی پگڑی گول
جوں چلتی پھرتی ہے اب تجھ یہ ہوئی ڈور بنے!

بنری کہتی ہے، بنے! تجھ کو میں چاہوں سو کیا
ڈاڑھی ایسی ہے تری جیسے روئی کا گالا
اس کو تُموا کے کتا چرخے میں، ڈوری بٹوا
ہاتھ سے سات سہاگن کے ابھی بنوا لا
واسطے میرے میانے کے تو اک تور، بنے!

زن مریدی کا دُکھ اِس عمر میں ہے یوں بھرنا
پیر سے آپ کو جوں پیر کا گھوڑا کرنا
بیاہ کے روز یہ عمامہ سر اوپر دھرنا
زین کا ہو گئی گردن تری جھک کر ہرنا
شکلِ خوگیر ہے ڈاڑھی تری چوکور، بنے!

تجھ کو حجلے میں جو دُلہن سے ہے منت داری
خانقہ بیچ نہ تھی وقتِ دُعا یہ زاری
عیش کی رات تری کٹتی ہے جب یوں ساری
کہنے لگتی ہے دُلھن، دے کے تجھے چُمکاری
چل رے اُٹھ، پڑھ لے نماز اب کہ ہوئی بھور، بنے!

معتقد مُنہ پہ ترے کہتے ہیں یہ حرفِ قبیح
لاغری تجھ کو عبادت سے نہیں ہے یہ صریح
فکرِ تسخیر میں جورو کی ہوا ہے تشریح
ہاتھ پر تیں یہ پڑھے اسم سوائے تسبیح
انگلیوں کی بھی تری گھس گئی ہر پور، بنے!

کوئی کہتا ہے کہ بھُس آگے بنے کے ڈالو
کوئی کہتا ہے کہ بوڑھا ہے، کھلی کوٹ کے دو
بغلوں میں ہاتھ مریدوں نے دیے ہیں کہ اُٹھو
اب جو یاں بیٹھے ہو، کچھ اور بنا چاہتے ہو
پیر سے گھوڑے بنے، گھوڑے سے تم ڈھور بنے
تیس جو کہتا ہے کہ میں یہ جو بنی بیاہی ہے
تخت کی رات، سلیماں کی مجھے شاہی ہے
سُن کے اِس حرف کو سودا نے کہا، واہی ہے
زور اور ظلم نہیں، عقل کی کوتاہی ہے
دیکھ کر ہنستے ہیں تجھ کو ملخ و مور، بنے!

مرید شیخ ہوا

عروسِ شیخ سے پوچھا یہ ایک زاہد نے
سبب یہ کیا ہے کہ دل تجھ سی کا اُٹھوں پہ چڑھا
ہزار حیف کہ اے شمعِ مجلسِ صُلحا
کیا نکاح تو اُن سے جو ماٹی کے ہیں کُھوا
نہ ہنستی بولتی ہے تو، نہ ہلتے ڈلتے ہیں وہ
پلنگ پہ یوں رہو جیسے غُلام کا ہو دُوا
دیا جواب کہ اے بھڑوے، ہے خبر تجھ کو
فرشتے نے مرے دامن کو آج تک نہ چُھوا

سو ایسے خرس سے میں بیاہ کرنے بیٹھوں گی
کہ جس کی ڈاڑھی کا ہر بال، جیسے ہووے سُوا
جہاں دھوئے مری دائی نے ہاتھ بیٹھ کے، واں
میں کانوں اُس کے تئیں صدقے وہ کیا تھا مُوا
جو یوں ہی گردشِ دوراں سے ہو خدا نہ کرے
تو وہیں ڈوب مروں جا کے واں جہاں ہو کُوا
میں پیرزادی بکر اُس کی جہاں میں تھی مشہور
جو کہتی ہوں اُسے بھائی، تو وہ کہے ہے بُوا
سُنی نہیں تو مرے اُس کے وصل کی تاریخ
کہی ہے آج کسو نے، "مرید شیخ ہوا"

در عذرِ دوست داشتنِ سگ

ایک عاقل نے یہ سودا سے کہا از سرِ پند
دل میں پاتا ہوں ترے الفتِ سگہا بہ وفور

نجس العین فقیہوں نے انھیں لکھا ہے
اِن سے، جو ہوئے مسلماں، اُسے دوری ہے ضرور

صحبت ان سے تو نہ رکھ اِتنی، وگرنہ اے یار
حشر کے دن بھی تو ہووے گا اِنھیں سے محشور

سُن کے بولا کہ تو اے دوست یہ سچ کہتا ہے
پر جواب اِس کا تجھے دوں ہوں میں، ہو کر مجبور

مَس سے ان کے نجس ہوئے بدن میں جو عضو
دھونے سے پانی کے وہ پاک ہوا اہلِ شعور

ایسی کہ کیا ہے نجاست وہ کہ میرا تیرا
پاک کرنے پہ کسی طرح نہ ہووے مقدور

میرے نزدیک ہے یوں، یہ جو ہیں اپنے ہم جنس
حق، نجاست سے رکھے اُن کے سگِ نفس کی دور

غیرِ خونابِ جگر، یار! ملوّث اِس کا
پانی سے چاہیے ہو پاک، سو یہ کیا مذکور

اور جو اس سے کسی جی کو اذیّت پہنچے
عاقبت پالنے والے کی تب آوے یہ ظہور

سو تو یہ سگ نہ جدا تجھ سے ہوا نے مجھ سے
اِس نصیحت سے مگر دل شکنی تھی منظور

کاٹا، بے کاٹا، ترے سگ نے مجھے زور اے یار
سگ مرا بھی جو تجھے کاٹے، مجھے رکھ معذور

عیب گو

عیب گو کی جو ہوئی اِن دنوں تجھ سے درخور د
دلِ من ہیچ از ین حال غم و غصہ نخورد
سُن لے اک بات مری، گو کہ میں تیرا ہوں خرُد
ہر کہ عیبِ دگران پیشِ تو آورد و شمرد

بیگمان عیبِ تو پیشِ دگران خواہد برد

کیا ہوا مجھ سا اگر ایک ہے جگ میں معیوب
نہ میں طالب ہوں کسی کا، نہ کسی کا مطلوب
یا مجھے بد کوئی سمجھا کرے، یا جانے خوب
کروں وہ ہی ہو جو کچھ طبع کے اپنی مرغوب

پشم از خایۂ رندان کم اگر کس بد برد

معصیت ہی میں گزرتی ہے جو میری اوقات
لیکن اِس سے نہیں تقوے پہ کسی کے آفات
یارو انصاف کرو، کچھ بھی ہے معقول یہ بات
ورد اپنے کے عوض، شیخ نے کل ساری رات

سبحہ در دست گرفت و گنہِ من بشمرد

اِس عداوت کا میں یارو نہیں پاتا کچھ بھید
کر کے دیوار میں اپنی وہ سرِ شام سے چھید
صبح تک جھانکے تھا بیٹھا خرفِ ریش سفید
کر کے گنتی سے فراغت، مجھے دی آ کے نوید

چشمِ ما را بتماشای تو شب خواب نبرد

جی میں آتا ہے کہوں جا کے میں اُس احمق سے
تیری محراب ہے دیوار کے کیا کم شق سے
کون جا بھٹے پر اب ایسے خرِ مطلق سے
لیکن اِتنا تو کہوں گا کہ گزر مت حق سے

جرمِ ما روزِ قیامت بتو خواہند سپرد

کیا کہوں اِن کے غرض کشف و کرامات کی بات — چھپے ان سے نہ خصوصاً مرے اوقات کی بات
پہنچنا عرش تلک اِن کو ہے اک بات کی بات — ٹک یہ وہم نے اِن کے، ہے یہ کس رات کی بات
کہ ازین ہر دو یکی را بسوی عرش نبرد

جلوہ گر رات جوان دونوں نے دیکھا مہتاب — کر کے یہ حدث، کہ پی ہوگی فلانے نے شراب
مانگا قاضی سے جو اعلام، دیا اُن نے جواب — زاہدِ خشک ہوا غم کے انگاروں پہ کباب
عابدِ پاک بجز خونِ جگر، ہیچ نخورد

شیخ جا گاہی کرے جرم مرے گننے کو — زاہدِ خشک کی ٹپکا کرے آنکھوں سے لہو
عابدِ پاک بہ جز غم کے نہ کچھ کھائے کبھو — بہتر آنست ازین کار بگردانم رو
ورنہ زین غصۂ بیہودہ کسی خواہد مرد

سودا اِس قوم سے کہ، بھاگیں اب اِس پیشے سے — رگڑیں فرہاد صفت سر نہ مرے تیشے سے
دل کو اپنے نہ رکھیں دور اِس اندیشے سے — میں بھی ہر ایک کے واقف ہوں رگ و ریشے سے
خاطرِ ہمچو منے یار نباید آزرد

ہجوِ فیل

کیا ساقی نے گو مجھ کو سیہ مست
تو کر فکرِ بلند اے ہمتِ پست

قلم سے کہہ کہ ہو سر گرمِ تحریر
بنے تا صفحۂ کاغذ پہ زنجیر

قوی ہاتھی سے بھی اپنا سخن ہے
زبانِ خامہ پریاں کجلی بن ہے

اگر ہم پیلِ معنی کا بنا دیں
تو بہتر ہاتھیوں سے کر دکھا دیں

پھر اُس کو جو کوئی سمجھے سو جھومے
قدم آ حضرتِ سودا کے چومے

یہ دعوا گو کوئی شاعر نہ مانے
پر اِس کو، جو سخن رس ہو، سو جانے

کہ طرزِ شاعری انسب یہی ہے
سخن کا ہے جو کچھ فن، سب یہی ہے

کہوں میں پیلِ معنی کی جو اوقات
تو شیخی ہے کہ چھوٹا منہ، بڑی بات

بندھے ہے وہ سدا آ کر مرے یاں
جگہ ہے گشت کی، فہمِ سخن داں

تو اُڑ دے اگر وہ چھوٹ جاوے
کوئی شاعر ہی اُس کو باندھ لاوے

بنا ہے پاک طینت اس قدر وہ
قدم ہرگز نہ رکھے خاک پر وہ

سبک چلنا کوئی کیا اُس کا بتلائے
جہاں تک بھیجو، کاغذ پر چلا جائے

غرض ہاتھی خدا دیوے تو ایسا
نہ فیلِ راجہ پربت سنگھ جیسا

مچائی جس کے کٹھرا پے نے یہ دھوم
کہ لرزے ہے پڑا لے شام تا روم

کوئی ہاتھی ہے یا آفت وہ چنڈال
مہاوت پر گرہ، آقا کے سر کال

کلا دے کو نہ سمجھو اُس کے گل گوں
یہ گردن پر ہے اُس کی خلق کا خوں

کہے کون اُس کو بچۂ فیل کا ہے
وغا کے رد زٹیکا نیل کا ہے

پکڑ خرطوم میں اُس وقت زنجیر　　رپلے ہے فوج پر اپنی ہی بے پیر
جو ہتیائی پہ آ جاوے وہ خوں خوار　　ہزاروں نیزے ماریں بھالے بردار
چھُٹیں گر لاکھ اُس پر چرخی و بان　　نہ چھوٹے وہ جو اُس کافر کی ہے بان
سروں کو یوں قدم نیچے ملے ہے　　چنوں کو جس طرح چکّی دلے ہے
مہاوت کیا جو پھر اُس کو سنبھالے　　جو آوے شیخ بھینا، پہ چیر ڈالے
جو کوئی دیکھے اُس سوہانِ جاں کو　　تو یہ کہتا ہے مُنہ کر آسماں کو
خُداوندا! یہ آرہ ہے کہ خرطوم　　یہ ظالم چیرتا ہے جس سے مظلوم
غرض ہوئی تھی باقی ماندوں کی خیر　　بسانا تھا خُدا کو کعبہ و دیر
ہوئی آقا پر اُس کے تنگ دستی　　کیا کرتا ہے اب وہ فاقہ مستی
لگے ہے راتب اُس کے اس طرح ہاتھ　　جو بھاڑے دیں کسی تابوت کے ساتھ
بدن پر اب نظر آتی ہے یوں کھال　　طنابِ سُست سے خیمے کا جوں حال
نمودار اِس طرح اب استخواں ہے　　گویا ہر پسلی اُس کی نردباں ہے
نہ بیڑی ہے، نہ کٹ بندھن، نہ لکڑا　　رکھے ہے ناتوانی اُس کو جکڑا
گرفتار اپنے فعلوں کا ہے ناپاک　　کیا کرتا ہے سر پر روز و شب خاک
ضعیفی نے کی اُس کی فربہی گُم　　گیا ہاتھی نکل اور رہ گئی دُم
ہوئی یہ ناتوانی اُس کے درپے　　کہ وہ ڈیل، اب دُھویں کی سی گرہ ہے
پر اُس کے دل میں اب بھی یہ غضب ہے　　کہ آتش بازی کا ہاتھی وہ اب ہے
تماشا ہو اگر وہ چھوٹ جاوے　　کہ گھر کو آگ کس کس کے لگاوے
کہا اُس کے مہاوت سے میں یک روز　　اگر آقا کا اپنے ہے تو دل سوز
تو کہہ اُن سے کہ اِس کو بیچ ڈالیں　　عوض کاش اِس کے، چڑھنے کو گدھا لیں
کچھ ایسے پیل کے رکھنے میں ہے شان　　سواری جس کی ہووے خطرۂ جان

دیا اُن نے جواب، اے میرے مخدوم
خریداری تو اِس کافر کی معلوم

بڑا ہی بد قوارہ ہے یہ ناپاک
کہ پیٹھ اِس کی بلند اور پیٹ کاواک

بِکانے کی نہیں اِس کے کوئی بات
نصیبوں سے مگر آ جائے شبرات

سمجھنا فیل اِسے دیوانہ پن ہے
کسی مدّت کا یہ بامِ کہن ہے

ستوں اِس کے نکلے یہ پانو ہیں چار
رہے دو دانت آگے، سو ہیں اڑدار

جو بیٹھے یہ، تو اُٹھنا اِس سے ہے دُور
لگیں جب تک نہ اِس کو راج مزدور

اٹم ہے خاک کا یا راکھ کا ڈھیر
کہے ہیں اِس کو ہاتھی، ہے یہ اندھیر

ہلاتا یوں ہے یہ کانوں کو ہر بار
کہ دھونکیں پنکھوں سے کولوں کا انبار

ہے اِتنا چلنے میں بجز یہ بدذات
نہیں ہاتھی، صعوبت کی ہے یہ رات

یہ عالم چلنے میں خرطوم کا ہے
کہ دستِ کور میں گویا عصا ہے

جو کہیے فیل اِسے، بہتان ہے یہ
عجائب تودۂ طوفان ہے یہ

خورش کے وقت بولے، فیل ہوں میں
مجھے من بھر ملیدہ روز دے تیں

عماری کس کے گر چلیے کہیں کو
جتا دے فیل مُرغ اپنے تئیں کو

یہ ہے اِس مرتبہ بدیُمن و منحوس
سنیچر جس کے ہوتا ہے قدم بوس

جسے لا پیٹھ پر اِس کی بٹھایا
گویا بارود پر دھر کر اُڑایا

گرا جس روز سے یاں اِس کا بھُتناس
کیا حلقے کا سارے ستیاناس

مرے یہ آپ یا کوئی مار جاوے
جہاں کے سر سے بوجھ اور بھار جاوے

غرض تھا جس جگہ یہ ذکر و اذکار
سُنے تھا اُس کو واں اک مردِ ہشیار

ہوئی اِس ذکر سے یہ اُس میں تاثیر
کہ اُس کا ہو چلا احوال تغیر

ہُوا اُس کے سمجھنے کے میں درپے
کہا اُن سے کہ حضرت، خیر تو ہے!

لگے کہنے وہ، کہ میری طرف رُو
مگر اب تک اِسے سمجھا نہیں تو

کہ یہ جس پیل کا کرتا ہے مذکور ۔۔۔ اِسے ہیں نفع کیا کیا اُس سے منظور
اگر اب حسب ظاہر کیجیے غور ۔۔۔ اُسی پر اِس کی روزی ہے بہ ہر طور
دِلے ازبس کہ اُس کے فعل ہیں بد ۔۔۔ اِسے مرنے کی اُس کے کتنی ہے کد
جو کچھ اُس پیل میں اِن نے بتایا ۔۔۔ سو اپنے نفسِ ظالم میں مَیں پایا
یہ اُس کی مرگ کے اِتنا ہے درپئے ۔۔۔ مجھے اِتنی ہی اُس کی پرورش ہے
جو خوب اپنے تئیں دیکھا میں اِس دم ۔۔۔ عبادت سے بھی ہمّت اپنی ہے کم
تغیرِ حال کا باعث مرے ، یار ۔۔۔ یہ تھا، جو کچھ کیا میں تجھ سے اظہار

اگر دریافتی ، بردانشت بوس
دگر غافل شُدی، افسوس افسوس

در تعریض بہ میر

اک مشفق کے گھر گیا تھا میں
سنیو ٹک، نقل یہ عجائب ہے

اُن کے گھر میں ہے ایک مردِ بزرگ
خوش نویسی کے فن سے کاسب ہے

راقمِ سرنوشت کا اُس کو
ہے بجا، گر کہوں کہ نائب ہے

کہنے لگا وہ آ کے مجلس میں
آہ یہ نفسِ شومِ غالب ہے

ورنہ لکھنے سے ہاتھ اُٹھاؤں میں
کیا کروں فکرِ قوت واجب ہے

میں جو پوچھا سبب، کہا، مت پوچھ
بات کہنی یہ نا مناسب ہے

لیکن اِس واسطے میں کہتا ہوں
دردِ سُننے کا تو جو طالب ہے

ہے جو کچھ نظم و نثر عالم میں
زیرِ ایرادِ میر صاحب ہے

ہر ورق پر ہے میر کی اصلاح
لوگ کہتے ہیں، سہوِ کاتب ہے

سگِ نفس

کر شیخ زباں اپنی مرے خُبث سے کوتاہ
نے گُل ہوں میں اِس باغ میں، نے خارِ سرِ راہ
خوبی سے نہ شہرہ، نہ بدی سے ہوں بہ افواہ
مستی بہرہ میکدہ ہر شام و سحر گاہ
واقف نہ کسی سے میں، نہ مجھ سے کوئی آگاہ

جویائے مشیخیت کے تئیں تجھ سے ارادت
خدمت میں مجھے پیرِ خرابات کی بیعت
ہے کیا سبب اِس خبث کا، جُز یہ کہ حماقت
حوروں کا نہ عاشق ہوں کہ موجب ہو رقابت
دل کش بُتِ ہندی مرے، حوریں تری دل خواہ

یہ فرض کیا بد ہوں میں، سچّا ہے ترا قول
پر بد مجھے کس طرح تو نظروں میں لیا تول
صُحبت مری تیری کا تو اِتنا ہی رہا ڈول
تیں دیکھ مجھے حرز پڑھا، میں پڑھا لاحول
سو بھی کسی کوچے میں، گلی میں، گہ و بے گاہ

اکثر تو مرے خبث میں کہتا ہے یہی بات
کُتّوں میں گلانے کی شب و روز ہے اوقات
نزد اُس کے نجاست کا نہیں کُتّے پہ اثبات
لازم ہے مسلماں نہ کرے اُس سے ملاقات
یہ چاہیے صُحبت سے رکھے ایسے کی اکراہ

یہ سچ ہے جو کہتا ہے تو، مجھ پر بھی یقیں ہے
کُتّے کو کہے پاک، سو وہ دشمنِ دیں ہے
لیکن وہ سگِ نفس نجس اس سے کہیں ہے
تجھ پر جو ہر اک لحظہ و ہر آن تعیں ہے
تو اُس کا نہ کہنا کرے، تب پاک ہے واللہ

دُنیا کے بھی جیفے کا سگِ نفس ہے طالب
شیروں پہ جو گیدڑ کو یہ کرداتی ہے غالب
وہ مرد ہے جو اِس میں کرے فوتِ مطالب؟
نے، خر ہے وہ، گو اُس پہ ہوا مرد کا قالب
اِس حرف میں نے شک عُقَلا کو ہے نہ اشباہ

سمجھا ہے سگِ نفس کو تو اپنے شکاری
اِس واسطے اُس ساتھ تجھے دل سے ہے یاری
تو پرورش اُس کی میں ہے با ذلّت و خواری
مردار سوا، صیدِ حلال اُس نے نہ ماری
گیدڑ کبھو کھلوائے ہے تجھ کو، کبھو رد باہ

جھگڑا کوئی حق اپنے پہ تجھ ساتھ جو ٹھانے
اور حق طرف اُس کے ہے، تو سب طرح سے جانے
پر سنگ ترا ہرگز سخنِ حق کو نہ مانے
سو طرح سے ظالم لگے حق اُس کا مٹانے
سمجھا ہے سیہ روئی تو اپنی کلفِ ماہ

کُتّے سے شب و روز جو رکھتا ہوں میں صحبت
دیتا ہے مجھے یادِ وفا اور قناعت
دُنیا کے وہ جیفے کو سمجھتا ہے نجاست
یک پارچہ ناں پر ہے مرے ساتھ رفاقت
کس طرح بتا اُس کی مرے دل میں نہ ہو چاہ

سوؔدا بہ زباں جز سخنِ راست نہ لاوے
احمق ہو جو تجھ سا کوئی تو اُس کو نہ بھاوے
کُتّے کا مُلوّث تو بہا پاک ہو آوے
علّت ہے مشائخ کی، جو دھووے سے نہ جاوے
خالی کریں دھو دھو اُسے زمزم کا اگر چاہ

ہجوِ مرزا فاخر مکینؔ

" برای تنبیہِ مرزا فاخر صاحب ۔ مردم میگویند شخصی نقل میکرد کہ مرزا فاخر صاحب خود را برابرِ شیخ علی حزیں میشمارند و تمام وضعِ نشست و برخاستِ او را پیش گرفتہ اند بلکہ خود را در فضل و کمال از و بہتر میدانند و اکثر اشعارِ فارسیِ او را اصلاح میدہند ، چنانچہ ایں بیتِ مثنوی حسبِ حالِ ایشانست ، مثنوی در ہجوِ مرزا فاخر مکینؔ :

ایک نقل اِس پہ مجھ کو آئی یاد
سچ ہو وہ یا کسی کا ہو ایجاد

ایک مُلّا بہ عہدِ شاہجہاں
نہ تو عالم ہی وہ ، نہ ہیچ مداں

بَین بَین اُس کو کچھ کچھ آتا تھا
لڑکے مکتب میں وہ پڑھاتا تھا

بس کہ تھا وہ شعور سے معذور
لڑکے تھے اُس سے خرّم و مسرور

اُس سے دہشت کو تھی نہ دل میں راہ
صحنِ مکتب تھا اُن کا بازی گاہ

ایک جو اُن میں تھا فہیم و زکی
مصلحت اُن نے لڑکوں سے یوں کی

یارو، ہم کھیلے سو طرح کا کھیل
دیکھے ہم نے سبھی وہ بے جا کھیل

کھیل اب میں نیا نکالا ہے
سارے کھیلوں سے وہ نرالا ہے

لڑکے بولے کہ بھائی جی ، فرماؤ
کیا ہے وہ کھیل، تم ہمیں بھی بتاؤ

کہا اُس نے کہ بادشاہ و وزیر
لڑکے جو بنتے ہیں صغیر و کبیر

اس میں چنداں تو یارو لطف نہیں
کھیل اس سے یہ خوب تر ہے کہیں

میاں جی کو کسی طرح پھسلاؤ
مل کے ، شاہِ جہاں سب ان کو بنلاؤ

ہنس کے وہ بولے، ہوئے یہ کس طرح
کہا اُس نے کہ تم سنو، اِس طرح

صبح مکتب میں پڑھنے جو آئے منہ میاں جی کا تک کے رہ جائے
پوچھیں جو، کیا ہے دیکھنے کا سبب کہے، قدرتِ خدا کی دیکھوں ہوں اب
ہوگئی شب میں آپ کی صورت کچھ سے کچھ، حق کی ہے یہ کیا قدرت
کیا کہوں میں کہ آج کیسی ہے شکل شاہِ جہاں کی جیسی ہے
بحرِ حیرت میں ہوں یہ دیکھ کے غرق سرِ مُو کچھ رہا نہ باہم فرق
پر یہ ہے شرط، جائے جوان کے پاس (کذا) کہے کھا کھا قسم بلا وسواس
تم تو سمجھو ہو اُن کا عقل و شعور بنیں گے، جو بناؤ گے، بہ سُرور
مطلب اُن نے جو کچھ کہ ٹھہرائی لڑکوں سے بات سب وہ بن آئی
نہ رہا اِس کو، یہ بنایاں تک شکل شاہِ جہاں کی ہونے میں شک
نہ کہ ٹھہرا ہے اس کے دل میں خیال (کذا) ہوگا شاہِ جہاں کا جب کہ وصال
اُس کے ارکاں، نہ لاکے تابِ فراق میرے دیدار کو ہوں سب مشتاق
آئیں گے دیکھنے کو میرے گھر بس مرے واسطے ہے یہ بہتر
کہ میں پیدا کروں وہ خصلت و خو خلق، شاہِ جہاں سمجھ مجھ کو
کریں مجرا، سلام اور تسلیم نہ کروں میں فرشتے کی تعظیم
غرض آفاق میں جسے ہو عقل سمجھے اِن کے مطابق اب یہ نقل
بنے یہ شیخ اپنے یوں بہ گماں جیسے مُلّا بنا تھا شاہِ جہاں

شیخ کے سے نہ بخت ہیں نہ کمال
شیخ ہونا انھیں ہے امرِ محال

۲

کاملِ فنِّ سخن کہتے ہیں اُس کو اکمل
پرورشِ لفظ کی منظور جسے ہو اوّل
پر نہ یاں تک کہ عبارت ہی کو کر دے مہمل
اعتقاد اُن کا ہے یوں، دے جو کئی ہیں اَجہل
مُو نہ ہو پرورشِ شانہ میں تو ہو موسل
شعرِ مربوط پہ ایراد یہ کرتے نہ ڈریں
اپنے دیواں میں سے اُس شعر کو پڑھ پڑھ کے مریں
لفظ بے ربط تلازم کے لیے جس میں بھریں
چشم کو آہو سے بِن شاخ یہ نسبت نہ کریں
ابرو کو تیغ سے تشبیہ نہ دیں بے صیقل
ریش بابا جو سُنی ہے کوئی قسمِ انگور
شانہ، وسمہ بِن اُس کا وہ نہ لادیں مذکور
ربطِ الفاظ سے معنی کو نہ دیں تا مقدور
لفّ و نشر اُن کو مرتّب جو ہو کرنا منظور
رام پور کی یہ کٹاری لکھیں اور سیتا پھل

لفظوں سے اُن کا ارادہ نہ ہو مفہوم کہیں
آفریں کرنے میں وقفہ ہو تو ہوں چیں بہ جبیں
گورِ عرفیؔ سے طلب کرتے ہیں جا کر تحسیں
زلف و عارض کے جو ساماں میں کریں یہ تضمیں
شب شود نیم رخ و روز شود مستقبل

ہو عبارت میں کہیں اُن کی جو لفظِ در و گوش
آستیں لا کے نکالے ہیں یہ تجنیس سے گوش
معنی پوچھو تو یہ جھنجھلائیں کہ مجلس ہو خموش
پائے مطلب نہ کبھو مدرکۂ صاحبِ ہوش
لفظ لفظ اُن کا اگر ڈھونڈھے وہ لے کر مشعل

یاں تلک باک نہیں، ماہ کے گر ساتھ ہو شہر
زلف کے واسطے بندھ جاؤ کہیں سانپ کی لہر
چشم کے وصف میں گو ہوئے تو ہو گردشِ دہر
نہ تلاش اُن کے سخن کا سا کہ جس میں یہ قہر
باندھیں لب کو جو یہ اخگر تو دہن کو منقل

عالمِ ربط میں تھا اُن سے تو میرا یہ معاش
جائے دُشنام، کہا شعر سُن اُن کا، شاباش
لیکن اب کیونکے آنکھوں کا نہ کروں پردہ فاش
مبتذل کرنے کو جب ریختہ میرا بہ تلاش
باندھیں اُس فارسی میں وہ جو نہ ہو مستعمل

۳

میں ایک فارسی داں سے کہا کہ اب مجھ کو
ہوئی ہے بندشِ اشعارِ فُرس ذہن نشیں

جو آپ کیجیے اصلاح شعر کی میرے
نہ پائیے غلطی تو محاورے میں کہیں

ہے اور زیرِ فلک ذاتِ میرزا فاخر
سلامت اُن کو رکھے حق سدا بہ روے زمیں

سو کب انھوں کو ہے اصلاح کا کسو کی دماغ
قبول کب کرے اُن کی متانت و تمکیں

کہا یہ بعد تأمل کے، دوں جواب تجھے
جو میری بات کا اے یار تجھ کو ہوئے یقیں

جو چاہے یہ کہ کہے ہند کا زباں داں شعر
تو بہتر اُس کے لیے ریختے کا ہے آئیں

دگر نہ کہہ کے وہ کیوں شعرِ فارسی ناحق
ہمیشہ فارسی داں کا ہو موردِ نفریں

کوئی زبان ہو، لازم ہے خوبیِ مضموں
زبانِ فُرس پہ کچھ منحصر سخن تو نہیں

اگر فہیم ہے تو، چشمِ دل سے کر تو نظر
زباں کا مرتبہ سعدی سے لے کے تا بہ حزیں

کہاں تک اُن زباں تو درست بولے گا
زبان اپنی میں تو باندھ معنیِ رنگیں

دیارِ ہند میں دو چار ایسے ہو گزرے
جنھوں نے باز رکھا مضحکے سے اپنے تئیں

چنانچہ خسرو و فیضی و آرزو و فقیر
سخن اُنھوں کا مغل کے ہے قابلِ تحسیں

سواے ان کے کوئی اور بھی ہو، پر شاعر
سوادِ ہند میں وہ ہی تھے بامزہ، نمکیں

ہجوِ ضاحک

۱

ہے عجیب و غریب زیرِ سما | اک یہاں صورت آشنا اپنا
کہیے اس کے تئیں، قسم کھا کر | اُمّتِ دانیال پیغمبر
نہیں دینِ نبی کا اس میں اصول | اور دُنیا کے ہے چلن میں اَکُول
شاہ تابع اگر ولی ہو فقیر | اُس کو مانے کبھو نہ یہ بے پیر
کیا حریصِ طعام ہے یہ پلید | حارثِ سنگ دل کا ہے یہ مُرید
دھرنے یہ بڑی حماقت کی | اپنے گھر اُس کی لا ضیافت کی
لاکر ایسا ہی ایک دسترخوان | طُول و عرض اُس کا کیا کروں میں بیاں
شرق سے تا بہ غرب بچھوایا | اُس پہ تنہا اسی کو بٹھلایا
اُس پہ نعماتِ حق جہاں تک تھے | یاں سے آگے وہ اُس کے واں تک تھے
اِس میں کچھ اس سے ہوگئی اَن بَن | اس کو اُٹھوا دیا پکڑ گردن
ہاتھ بھی یہ نہ ڈالنے پایا | چاٹتا ہونٹھ اپنے گھر آیا
پھر گیا اس سے تو زمانۂ شوم | کھانے کا پکنا اس کے گھر، معلوم
کنکری چُننے پر ہے اب گُزران | معدہ اِس کا، ہے مُرغ کا سنگ داں
سنگ ریزے تلک نہ اِس سے بچے | معدے میں اِس کے تو پہاڑ پچے
آدھ سیر آٹے کا خُدا ہے کفیل | پیٹ اِس کا، عُمر کی ہے زنبیل
گھر میں اب جس کے دیگچہ کھڑکے | در پر اُس کے یہ بیٹھے یوں اَڑ کے

گورے پھر جو رستم اُٹھ کر آئے — میت اِس کی اُٹھائے یہ نہ اُٹھ آئے
خوردنی کی ہو جس زمیں پر باس — جمع واں کر کے اپنے ہوش و حواس
بیٹھ مکھی کی طرح، پےَ در پےَ — دونوں ہاتھوں سے سر کو پیٹے ہے
آگ لگ کر، کسی کے گھر سے دُود — ایک ذرّہ بھی گر کرے ہے نمود
لوگ تو دوڑے ہیں بجھانے کو — دوڑے یہ، لے رکابی، کھانے کو
ہر کسی بنیے کی دکان پہ جا — اپنی باتوں میں اُس کو لے ہے لگا
کام ہر دجہ اپنا کر لیوے — کلّے بندر کی طرح بھر لیوے
اِس لیے ہجوِ خلق کرتا ہے — گالیاں کھانے تک بھی مرتا ہے
شادی میں گر کسی کے گھر یہ جائے — صاحبِ خانہ رنڈیاں بُلوائے
کیا طمع اِس کی اُس گھڑی میں بتاؤں — کھچڑی، یہ چاہے بھڑوا، میں لے جاؤں
راگ گر ہو کلاونتوں کا وہاں — اُس جگہ گا رہا ہو جیون خاں
اور پکھاوج بجاوے دیبی داس — سُروں کی بندھ رہی ہو باہم آس
کیسی ہی دیبی داس، پرنیں لے — نہ سُنے آپ یہ، نہ سُننے دے
یہی پوچھے ہر ایک سے بے شرم — پُوری کا آٹا سخت ہے یا نرم؟
صاحبِ خانہ اِس میں گر جھنجھلائے — اپنے نفروں سے جوتیاں لگوائے
اس کو ہرگز نہیں حیا سے لگاد — جائے تو یہ، کہے: پُلاد پُلاد
نان بائے محلّہ یوں فریاد — کرے ہے: دیکھو یارو، یہ بے داد
چائے ہے چوری سے رفیدے کو — مار ڈالوں گا اِس ندیدے کو
جورو اپنی پہ جب کرے ہے نظر — اُس سے کہتا ہے تب یہ گیدی خر
کچھ ترے پاس اے حمیدہ ہے — تیری انگیا میں گا و دیدہ ہے!
یا چھپائے ہیں تونے قرصِ پنیر — سچ ہی کہہ، ورنہ ہوں گا میں دل گیر

اِس کی باتوں سے اُس پہ ہے یہ عذاب
کہ دل اُس نیک بخت کا ہے کباب

غرض اُس کو، یہ گھر جب آتا ہے
حاضری خلق (حلق؟) کی بناتا ہے

جو اسے میہماں بُلاوے ہے
آفت اپنے وہ گھر پہ لاوے ہے

یہی کہتا پھر اُس کے گھر پیٹھے:
اور کوئی نہ کھانے پر بیٹھے

بولتا آوے ہے قدم بہ قدم:
کہو، کھانے کو جلد دیویں دم

نے سلامُ علیک، نے کچھ بات
صاحبِ خانہ سے کرے بدذات

بیٹھتے ہی، نکالے ہے یہ ذِکر
پیٹ کی میرے کچھ تمھیں ہے فکر؟

بھوک کچھ اِن دِنوں ہے کم میری
روٹیاں سو پچاس ادھ سیری

نان با کو کہو یہ بُلوا کر
جلد اِن کو تنور لگوا کر

جب تلک کھانے پک چکیں سارے
انھی کو لا کے میرے سر مارے

سالن اِس وقت کچھ نہیں درکار
روکھیوں سے بھی کچھ تو ہوگا اُدھار

جتنی دنیا کے بیچ ہیں اِشکال
اِشتہا سب سے تھامنی ہے محال

جب تلک کھانا آوے ہی آوے
اِسی بک بک میں جان کھا جاوے

کھانا آوے تو اِس طرح ٹوٹے
جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے

مارے لُقمے تو اِس طرح بدذات
جیسے جھاڑے کوئی پٹے کے ہات

وہ جو نوکر کھڑے ہوں جس تس کے
مُنہ کو، حیراں ہو، تک رہیں اِس کے

دیگچے جب یہ چاٹ کر چھوڑے
مُنہ کو کھانے سے موڑے تو موڑے

کھانا کھاتے میں، ایک دن ناگاہ
پڑ گئی اس کی آئنے پہ نگاہ

بولا دیکھ اپنے عکس کو وہ لئیم
کب سے اے بھڑدے تو مرا ہے ندیم؟

غرض اِس طرح کا جو ہوئے بخیل
کب زمانہ کرے نہ اُس کو ذلیل

ایک تھا اس کا آشنا دل سوز
وارد اُس کے یہ گھر ہوا اک روز

ظاہر اُس کے گھر تھی کچھ شادی
سرِ مجلس بُلا اِسے جا دی

بیٹھے باہم تھے آشنا بہ تمیز
صاحبِ خانہ کا ہر ایک عزیز

اور وہاں ہو رہا تھا راگ و رنگ
ناچ ہوتا تھا، باجے تھی مردنگ

نہ تھی اِس کو کسی سے بات اور چیت
بھوک سے اِس کی لگ رہی تھی پیٹ

گاہ چونکے تھا، گاہ اونگھے تھا
گاہ مطبخ کی باس سونگھے تھا

اِس میں یہ سو گیا، تو دیکھا خواب
گویا بیٹھا ہوا ہے بر سرِ قاب

ناگہ اُس قاب پر اک اور آیا
تب یہ بے اختیار بَرّایا

جگ میں کھانا ہے اور میرا مُنہ
گیدی! یہ قاب اور تیرا مُنہ!

کہہ کے یہ، نیند میں جو مارا ہاتھ
پاس والے کی پگڑی ہاتھ کے ساتھ

اُڑ گئی سر سے، اور کیا میں کہوں
تھا یہ نزدیک، ہوئے کشت و خوں

صاحبِ خانہ درمیاں میں آ
پوچھا اِس سے، تمھیں ہوا ہے کیا؟

تم نے کیوں اِن کے سر پہ ماری دھول؟
تم پہ شیطاں چڑھا، پڑھو لاحول

خواب کی اپنے کر کے تب تقریر
کہا: اِس میں ہے میری کیا تقصیر!

سُن کے یہ خواب، اِس سے ہو کر صاف
سب نے ہنس کر کہا کہ تم ہو معاف

گھر کے صاحب نے دیکھ کر یہ طَور
ہو کے محجوب، یوں کہا ثانی الفور

حرکت تم سے تھی نپٹ یہ بعید
کی ہے کھانے کی میں ابھی تاکید

تب یہ ہنس کر زبان پر لایا
بارے کیا کیا، کہو تو، پکوایا؟

کہا: قلیہ، پلاؤ، بریانی
ہے یہ سب صاحبوں کی مہمانی

یہ سخن سُن کے، مثلِ تیرِ شہاب
دوڑا مطبخ کی سمت، ہو بے تاب

جا کے مطبخ پہ یہ پڑا اِس طرح
مَیں بیاں اُس کا اب کروں کس طرح

لاٹھیاں لے لے ہاتھ پیر و جواں
کرتے ہی رہ گئے سبھی، ہاں ہاں!

گوشت، چاول، مسالا، ترکاری — سب سمیٹ اِن نے ایک ہی باری
مطلق اِن نے نہ مانی ڈانٹ ڈپٹ — رکھ کے کلّے میں، کر گیا سب چپٹ
خرچ کر یہ سلوک دوست کے ساتھ — مانگی پھر یہ دعا، اُٹھا کر ہاتھ
یارب! اِتنی تو اب مری سُن لے — مجھ کو اک آسماں سا کلّا دے
وہ بھی یوں ہی چلا کرے دن رات — جو بہم پہنچے واں جماد و نَبات
چاب کر اُس کو اپنا پیٹ بھروں — تُف نہ جا کر کسی کے در پہ کروں
قصّہ مہمانی کا سُنا تم سب — پڑے اِس بھوک پر خُدا کا غضب
جاوے بازار کو اگر یہ لئیم — خلق سمجھے کہ پہنچی فوجِ غنیم
نان با، بنیے، کُنجڑے، حلوائی — کہیں: آفت کدھر سے یہ آئی!
جو ہے دو کانوں میں، سو اِس کو پچے — جان، یارب، ہماری اِس سے بچے
بھوک میں جب اِدھر یہ آتا ہے — لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ہے
جن ہے یا آدمی ہے یہ، کیا ہے! — یا کوئی دیو بو کھلایا ہے
نہیں ڈرتا یہ لاٹھی یا کاٹھی سے — کیا کرے لاٹھی اِس کی کاٹھی سے
بھوک کی جھانجھ گر رہے یک پہر — آوے پھر منڈیوں کے سر پر قہر
سیر یوں بھی نہ ہو، تو جنگل کو — تو لے جائے بھوک کے بل کو
کھا چکے کِشت جب اُکھاڑ اُکھاڑ — پھر تو نگلے ہے بھڑ واجھاڑ کے جھاڑ
غرض اِس بھوک پر کہ نگلے ہے روکھ — تس پر اِس فکر میں گیا ہے سوکھ
چار کے کاندھے جب یہ جاوے گا — توشے کی روٹی کون کھاوے گا؟

ایسے بھوکے پہ لعن کیجے مُدام
شام سے صبح، صبح سے تا شام

۲

جا صبا، ضاحک سے کہ بعد از سلام
کیوں کیا کرتا ہے ہجوِ خاص و عام؟
آپ کو کہتا ہے تو، سیّد ہوں میں
جَد مرا پوچھو تو ہے خیرُ الانام
پس دکھا تو اب کسی کی ہجو میں
ہو اگر ختمِ رسالت کا کلام
اُن کی تو اُمّت پہ اوقاتِ شریف
گزری ہے خُلق و کرم ہی میں مدام
کون ہے تیری سیادت کا مُقِر
جانتے ہیں خاص سے لے تا عوام
تیرے والد کو ہوئی تپ ایک سال
تب حکیموں نے بہ تشخیصِ تمام
دِق سمجھ کر، یہ دوا تجویز کی
شیرِ خَر، با قُرصِ کافور، ایک دام
مول لے اک مادہ خَر، پینے لگا
ہر سحر اُس شیر کا اک بھر کے جام
عُمر باقی تھی غرض، پائی شفا
پھر ہوا سوزاک، ہو بند احتلام
آخرِ کار اُس مرض کے بھی لیے
وہ جو مادہ خر تھی، اُس کے آئی کام

ریمِ سوزاکِ پدر ہے تو شریر!
رحمِ مادر میں پلٹ نکلا ہو میر

سُن تو مُنگ اے نصف الناس، نصف خر
ہم نے کیا سیّد نہیں دیکھے، مگر
ہتکِ حرمت پر خُدا کی خلق کی
کب کسی سیّد نے باندھی ہے کمر!
ریزہ چیں جس جس کے ہے تو خوان کا
ہجو کر اُس اُس کی ہر شام و سحر
رات دن پڑھتا پھرے ہے اے لعین
اِس کی اُس کے گھر میں، اُس کی اِس کے گھر
بیش و کم تجھ میں نہ دیکھا عقل و حُمق
نطفے کی ترکیب کا ہے یہ اثر
گھر سے اپنے کھا کے، جا وے جس کے یاں
جاتے ہی مانگے ہے اُس سے ما حضر

عقل کہتی ہے کہ کھانے پر نہ کھا
حمق کہتا ہے کہ ہیضے سے نہ ڈر

سیّد، اے میرِ مُثلّث، آپ کو
کہہ نہ، اِتنا ہو کے بے خوف و خطر

ریم سوزاکِ پدر ہے تو شریر
رحمِ مادر میں پلٹ نکلا ہو میر

اُس اَجنے کو بھی اکثر اے لئیم
کہتے ہیں سیّد کہ جس کا گھر ہو نیم

مُوری کا مطبخ کی اک بُھتنا ہے تو
گو تجھے بھی سمجھیں سیّد، نا فہیم

کہہ تو کس سیّد کو بر بوے طعام
گھر بہ گھر دوڑاتی پھرتی ہے نسیم!

کون سا سیّد بنا عاشورے میں
تجھ سوا، عارض بہ بشقابِ حلیم

فی الحقیقت ہے تو مُضحِک، ضاحکا!
پر تو سمجھے تب، جو ہو ذہنِ سلیم

وہ تو ہے ضاحک، ہنسے جو غیر پر
تو ہنساوے اُس کو، جس کا ہو ندیم

مسخرے! سیّد گنے تو آپ کو
سرد سمجھا ہے مگر نارِ جحیم!

ہے وہی سیّد کہ جو پُشتین سے
تا بہ پیغمبر گنا جاوے کریم

برخلاف اِس کے، سو با تیغِ زباں
دل خلائق کا کرے ہے تو دو نیم

اِس عمل پر تو کہے، سیّد ہوں میں
لعنت اے بھڑوے، جہنّم کے مُقیم

ریم سوزاکِ پدر ہے تو شریر
رحمِ مادر میں پلٹ نکلا ہو میر

ہجو میری ہجو تو اے بھڑوے نَٹ!
تو سہی، دوں بانس سے تجھ کو اُلٹ

جو ترے دل میں ہے، کہہ تو شوق سے
دیکھ تو ٹک یار بھی ہیں کیا اَکٹ

ہجو کی ہے اُن کی تو نے آج تک
جوں بھی جن سے مر نہیں سکتی ہے چَٹ

عیبِ دُنیا کیا ہے جو مجھ میں نہیں
جو تو چاہے کہہ، نہیں اِس میں کپٹ

بات کیا ہے وہ کہ اب میرے تئیں
جس کے ظاہر ہونے سے، لاگے گی چٹ

مولوی صاحب کو جو پھر کچھ کہا — دیکھیو کیسا کروں گا چپت و پٹ
آوے جو خاطر میں تیری، مجھ کو کہہ — دنّی کی شان اس میں کیا جاوے گی گھٹ
پھر نہ کہیو میر ہرگز آپ کو — یوں زبانِ خلق کو لاگے گی رٹ
ریم سوزاکِ پدر ہے تو شریر
رحمِ مادر میں پلٹ نکلا ہو میر

٣

یارب، تو مری سُن لے، یہ کہتا ہے سکندر — صناحک کے اَڑا دیوے کسی بن میں قلندر
گھر اُس کے تولّد ہو اگر بچّۂ بندر — گلیوں میں نچاتا پھرے وہ شہر کے اندر
روٹی تو کما کھائے کسی طرح مچھندر
گھر والی کی اُس کی بھی یہی فکر ہے دن رات — بچّہ کوئی بندر کا جو لگ جائے مرے ہات
سکھلا کے اُسے ناچ کی بندر کے دو اک بات — دوں بھڑوے نکھٹّو کو، جو اِس کی کٹے اوقات
روٹی تو کما کھائے کسی طرح مچھندر
اک ہانڈی پُرانی سی کا گھیرا میں منڈھا دوں — بکرا تو کہاں، لینڈی سا کتا ہی منگا دوں
ٹکڑوں کے لیے کھندڑی کی اک جھولی سلا دوں — پھر کیا کروں، اِتنا بھی جو ساماں نہ بنا دوں
روٹی تو کما کھائے کسی طرح مچھندر
کر ہجو مُوا لوگوں کی، ناحق مجھے پُنوائے — اور اپنے موئے جیتے کی گالی پہ نہ شرمائے
کوئی دوست ہو اِس کا، تو وہ اِس بھڑوے کو سمجھائے — اِس سے تو بھلا دو گھڑی بندر ہی نچا لائے
روٹی تو کما کھائے کسی طرح مچھندر

کر چرخہ و پونی، جو میں پیدا کروں چونی — کھا جائے ہے یہ، بھوک رکھے بیل سے دونی
جم جم رہے آباد، یہ بستی نہیں سونی — بندر کے نچانے میں بھلا کیا ہے زبونی

روٹی تو کما کھائے کسی طرح مچھندر

بندر تو ہے کیا، مرد ہو تو ریچھ لڑا دے — پیسا اُسے ملتا ہو، تو دو پیسے یہ یا دے
پر، میری نصیحت مُوا خاطر میں نہ لاوے — میں چاہتی ہوں، اِس سے کچھ اب ایسی بن آوے

روٹی تو کما کھائے کسی طرح مچھندر

مر جائے مُوا یہ، تو میں دوں بی بی کی پُڑیاں — دے روٹیاں روکھی نہ مجھے، مانگے چپڑیاں
لے لیں گی ٹکے پیسے کو سب شہر کی گڑیاں — سی سی میں اِسے دوں، جو یہ بیچا کرے گڑیاں

روٹی تو کما کھائے کسی طرح مچھندر

کہتی ہوں میں اِس سے، جو اِسے شرم ہو میری — تو ہجو نہ کرتا پھرے بھڑوا مری تیری
اِن باتوں سے ہونے کی نہیں پیٹ کو سیری — لے کر حلوا خا تو، کرے شہر میں پھیری

روٹی تو کما کھائے کسی طرح مچھندر

پایا یہ گدھا گانے میں بھی میں نے نہ پورا — گاتا جو یہ سُر سے تو میں لے دیتی طنبورا
جس کام میں دیکھا تو یہ چھوڑے ہے ادھورا — آخر میں بناؤں گی اِسے پوت زنبورا

روٹی تو کما کھائے کسی طرح مچھندر

گر ہجو کی لوگوں کی نہ کھاوے گا یہ سوگند — تو ماں ہی میں پھر اس کی ہوں، میرا ہے یہ فرزند
اب مجھ کو رکھا چاہے تو مُنہ اپنا کرے بند — ان کاموں سے جو کام کرے اس سے ہوں خرسند

روٹی تو کما کھائے کسی طرح مچھندر

خاموش ہو سودا، نہ زباں اپنی بہت کھول — جھگڑے میں خصم جورو کے آگے نہ تو اب بول
کچھ سیمو سُلو ہی نہ گا دیں گی بجا ڈھول — ڈنکا ہے دمامے کا یہی مصرعِ ان مول

روٹی تو کما کھائے کسی طرح مچھندر

ہجوِ ندرت کشمیری

۱

شعرِ ناموزوں سے تو بہتر ہے کہنا ریختہ
کب کہا میں، قتل کر مضموں کسی کا ریختہ
بے حیائی ہے یہ کہنا، سُن کے میرا ریختہ
خونِ معنی تا رفیعِ با دہیما ریختہ
آبروی ریختہ از جوشِ سودا ریختہ

قاضی اور کتوال سے لے، جانتے ہیں تا بہ صدر
جنگ کا مُبدء ترے گھر ہے وہ رشکِ ماہِ بدر
پھر مجھے کہتا ہے اے بھڑوے تو یہ از راہِ غدر
خود بخود در جنگ باشد آن رفیعِ پست قدر
بر سرِ سودای خود از جہل صفرا ریختہ

عُرس میں جا میرزا بیدلؔ کے تئیں باشدّ و مد
شعرِ ناموزون دیدہ پچ اُس رات کو پڑھتا تھا جد
کہتے تھے سُن سُن کے تیرے حق میں یوں سب نیک و بد
چوں وزغ امشب کہ مغزِ سامعان را میخورد
این لعین در بزم طرحِ شور و غوغا ریختہ

سود کھانا مولوی، ہے دین داری سے بعید
پیسوں کی خاطر کرے جس پر تقاضا تو شدید
وہ کہے تجھ کو کہ اِتنا روسیہ ہے یہ پلید
پیشِ رویش کی شبِ یلدا تو اند شد سفید
طرحِ ظلمت از سیاہی تا بدنیا ریختہ

حُمق میں اے مُرغ تو واقع ہوا ہے بے نظیر
کیوں اُڑا اِتنا کہ میرے دام میں ہے اب اسیر
اب تجھے کہتے ہیں یوں سب طائرانِ کاشمیر
می پر دیکن ببالِ پس روان مانندِ تیر
خویش را بر خاک از بالا دو یہا ریختہ

کوئی کہتا ہے جو اِس کو لادے تو کیا بعید
کوئی بولے ہے، لڑانے کو اِسے کیجے خرید
کس کے حق میں یہ سخن سجتا ہے کہ تو اے پلید!
درجہاں ہم رنگِ تو نامد شتر مرغی پدید
رنگِ ایجادِ جہاں تا حق تعالیٰ ریختہ

عالم و فاضل میں رہتا ہے یہ جھگڑا ہمدگر
کوئی کہتا ہے خچر تجھ کو، کوئی کہتا ہے خر
میں مُدلّل یہ سخن کہتا ہوں اُن سے بحث کر
ہم شتر دندان وہم اشتر بست ایں جانور
طرحِ نشخوارش زچا دیدن بہر جا ریختہ

ناک تو خرطوم سے ہاتھی کی تیری کم نہیں
پکڑے گر جورو کا دامن اُس سے تو، گر آستیں
دیکھ کر تیرا تلوّن، یہ کہے وہ نازنیں
ہست سودای مجسّم این سیہ رو ی لعیں
پیکرش اُستادِ قدرت فیل آسا ریختہ

جب تو مسجد میں اذاں دیوے بہ آوازِ شدید
یار کا جورو کے تیری، خواب ہووے ناپدید
لے چھُری بولے وہ، مُلّا کو کروں بِچلا شہید
چون خروسِ بے محل باید گلوی او بُرید
خونِ خود این خشک نی از شوربی جا ریختہ

جن نے دیکھا ہے ترے دیواں کو اے گندہ دہن
پوچھتا پھرتا ہے وہ کشمیر سے لے تا دکن
ہے مصنّف مرد اِن ابیات کا یا رو کہ زن
سیف باید کرد از جلدش زبان را بی سُخن
زانکہ زو شیرازہؑ املا و انشا ریختہ

آپ کو دو دنا نہ اوروں سے سمجھ اے بھڑوے پوچ
خیریت اس میں ہے کر کشمیر کو جلدی سے کوچ
حق میں سودا کے ترے خامے نے، اے خطّے کے قوچ
رنگِ مہمل دست گاہی ریخت تا از بیتِ پوچ
بود ہر جا ریختہ گویی دلش را ریختہ

۲

مولوی جی سے اب کوئی جا کے مرا پیام دو
کن نے کہا کہ یہ غزل پڑھنے کو اذنِ عام دو
لکھ لکھ اسے ہر ایک کو صبح سے تا بہ شام دو
مجھ سے جو پوچھو، شعر ہی کہنے کو انصرام دو
گھوڑے کو دو نہ دو لگام، منہ کو تنگ لگام دو

ایسی غزل کا عرس میں تم سے جب انصرام ہو
بحر میں جس کی ہر طرح شبہۂ خاص و عام ہو
تقطیع اُس کی جس کنے صبح سے تا بہ شام ہو
اُس کی طرف سے آخرش تم کو یہی پیام ہو
گھوڑے کو دو نہ دو لگام، منہ کو تنگ لگام دو

پڑھتے تھے تم جو یہ غزل آگے جوان و پیر کے
دیکھے تھا واں تمھیں ہر ایک اُنگلی سے آنکھ چیر کے
کیا کروں اِس کو میں جو آپ ہوں گدھے کاشمیر کے
کہہ رہا میں اشاروں سے، واسطے اپنے پیر کے
گھوڑے کو دو نہ دو لگام، منہ کو تنگ لگام دو

وضع کو شعر خوانی کی آپ کی گر بتایئے
کُپّی میں ڈال کنکری اُس کے تئیں ہلایئے
بزم میں شاعروں کی آپ ہوویں تو واں نہ جایئے
جایئے بھی تو آپ کے مُنہ پہ یہ کہہ کے آیئے
گھوڑے کو دو نہ دو لگام، مُنہ کو تنک لگام دو

فاضلوں کی تو بزم میں ہوتے ہو جا کے شعر خواں
شاعروں پاس آپ کو کہتے ہو نحو و صرف داں
دونوں ہوں جمع جس جگہ پھر تمھیں واں جگہ کہاں
بولو جو واں کچھ آن کر، سب کہیں تم کو، مہرباں!
گھوڑے کو دو نہ دو لگام، مُنہ کو تنک لگام دو

اتنا بھی جھوٹ بول بول چھاتی کو میری مت پکاؤ
بولو ہو جس کو تم پلو، کہتے ہیں اُس کو وہ چلاؤ
کا نہ کچھو سمجھ کے تم فارسی اتنی مت چباؤ
مغلوں کے آگے مسخرا اتنا نہ آپ کو بناؤ
گھوڑے کو دو نہ دو لگام، مُنہ کو تنک لگام دو

ہستو کرو نہ بولیں گے گا ہے وہ فیل واسپ کو
اُن کی زباں میں شانے کو کاہے کو کہتے ہیں کنکو
سُن کے ہنسے نہ کیوں مغل ایسی لچر یہ گفتگو
مغلوں کے آگے مولوی، اب ہے اِسی میں آبرو
گھوڑے کو دو نہ دو لگام، مُنہ کو تنک لگام دو

مُغلوں کے گرسئیں سے فارسی میں یہ تم کہو
گھوڑا مرا ہے شوخ، ٹک آ کے لگام اُس کو دو
اپنی زباں میں وہ کہے سُن کے تمھاری گفتگو
میں کہوں تم سے مولوی، مانو جو میری بات کو
گھوڑے کو دو نہ دو لگام، مُنہ کو تنک لگا دو

کس میں کروگے میری ہجو، فارسی کا تو ہے یہ حال
باقی رہا جو ریختہ، اُس میں کسی کی کیا مجال
بولی میں اپنی تم دُعا دو جو کسو کو میرے لال
جوتی کوے کے ہاتھ میں تم سے کرے وہ یہ سوال
گھوڑے کو دو نہ دو لگام، مُنہ کو تنک لگام دو

لڑکے جو تم سے پڑھتے تھے، آئے ہیں روٹھ مچھ کنے
کرتے ہیں یہ گلہ، جو ہم کھانے کو اپنے لیں چنے
روز میاں جی چھین کھائیں، کب تلک اِس طرح بنے
جا کے یہ اُن سے تم کہو، ہم اِسی شرط سے منے
گھوڑے کو دو نہ دو لگام، مُنہ کو تنک لگام دو

لڑکوں نے اب محلّے کے مل کے کیا ہے یہ قرار
آویں جو آج مولوی گھوڑے پہ اپنے ہو سوار
دُم تلے مل کے لال مرچ، ساغری بیچ رکھیے خار
بولیں وہ کچھ، تو آپ بھی شوق سے کہیے یوں پکار
گھوڑے کو دو نہ دو لگام، مُنہ کو تنک لگام دو

شال نہیں یہ مولوی، کیجیے جس کو شُست و شُو
یاں جو پھٹا ہے آسماں، ہووے سو کس طرح رفو
کیا کروں اِس کو میں بھلا، کیا کریں خانِ آرزو
اب تو یہ بات ہوگئی خانہ بہ خانہ کو بہ کو
گھوڑے کو دو نہ دو لگام، مُنہ کو تنک لگام دو

میں کہوں تم سے مولوی، کیوں کے مٹے یہ اُشتُلم
بدلو تم اپنی شکل کو، داڑھی کو رنگو لے کُسُم
لے کے عروض دانوں سے، کیجیے اِس غزل کو گُم
یہ تو مٹے گی، اِتنے میں چاہیے یہ کہ آگے تم
گھوڑے کو دو نہ دو لگام، مُنہ کو تنک لگام دو

رکھے ہے مولوی، دختر کہ دین و دل نیازِ او
فضیلت نور بائی کی، کنیزِ کارسازِ او
مطوّل کو کرے ہے مختصر زلفِ درازِ او
اشاراتِ نگاہِ چشم ہے جادو طرازِ او
بدقّت میتوان فہمید معنی ہای نازِ او
کہ شرحِ حکمت العین است مژگانِ درازِ او

کتابی مکھڑے پر یوں اُس کے ڈھلک کاجل کی پھیلی ہے
کہ لونڈی جس کی اب ہر سطرِ انوارِ سہیلی ہے
لب اُس کے میٹھے، تیوری کی گرہ کڑوی کسیلی ہے
غرض اُس کی ادا کا بوجھنا مشکل پہیلی ہے

بدقّت یتوان فہمید معنی ہای نازِ او
کہ شرحِ حکمتُ العین است مژگانِ درازِ او

بجا ہے کہیے گر علّامۂ وقت اُس کو اے یارو
رسالہ علم میں غمزے کے ایسا جن نے لکھا ہو
اگر یک ورق اُس کا ہاتھ میں جا مولوی کے دو
کہیں رکھ ناک پر عینک، مطالعہ کرکے وہ اُس کو

بدقّت یتوان فہمید معنی ہای نازِ او
کہ شرحِ حکمتُ العین است مژگان درازِ او

جو کوئی شعرِ مشکل مولوی جی کو سُناتا ہے
تو معنی کہہ کے یوں بولے ہیں: کیوں مجھ کو بکاتا ہے
یہ کیا مشکل ہے، اِس کا بوجھنا تو سب کو آتا ہے
مرے یاں مصرعِ قد ہے کہ رشکِ مہ کہاتا ہے

بدقّت یتوان فہمید معنی ہای نازِ او
کہ شرحِ حکمت العین است مژگانِ درازِ او

سُنا جاتا ہے، فنِ شعر میں بھی اِتنی ہے قابل
سبق اُس سے پڑھیں اِس وقت گر ہوں میرزا بیدل

اگر وہ درس دلیوے ہم سے ناداں کو تو کیا حاصل
سمجھنا مطلعِ ابرو کو اُس کے، سخت ہے مشکل

بدقّت میتوان فہمید معنی ہای نازِ او
کہ شرحِ حکمت العین است مژگانِ درازِ او

غرض میں کیا کہوں تم سے کہ اِس فضل و کمال اوپر
نہیں پڑھ سکتی شعرِ مولوی ہرگز وہ موزوں کر
خُدا جانے یہ ناموزوں ہے، یا اُن کی ہی وہ دختر
ادا کرتی ہے یا اُن سے، اُنھیں یا جانتی ہے خر

بدقّت میتوان فہمید معنی ہای نازِ او
کہ شرحِ حکمت العین است مژگانِ درازِ او

رباعی

گر ہجو پہ سودا کی اُسے رغبت ہے
ہونے دو کہ گیدی کے تئیں رجعت ہے
موزوں نہ کرے شعر کو اپنے بھڑوا
کرتا پھرے ہجو اور کی، یہ ندرت ہے

ہجوِ فدوی

شاعر ہوا ہے فدوی کیا شاعروں کا تلّا — مادہ دہ زن تخلّص، یاروں کا مسخرلاّ

معقول شعر اُس سے گا ہے سُنا نہ ہم نے — جُز ٹُٹیں ٹیں، ٹاں ٹاں، ٹوں ٹوں اور ٹخ، ٹخر، ٹخلا

کوئی بہ اسم اُس کے گھر کا پتا نہ پاوے — اُلّو جو کہہ کے پوچھو، بتلائے سب محلاّ

حسرت سے دھول دھپّا لڑتا ہے شاعری پر — یاں تک (تو) فخر اپنا کرتا ہے یہ بلاّ

گر شاعری یہی ہے، دھولیں تو کیا ہیں، اک دن — پاپوشیں کھا کسوے، تڑواوے گا یہ کلاّ

٢

فدویا بولے ہے: میں ہوں استاد — مَیں کیا فنِّ شاعری ایجاد

آکے شیدا جو ہو مرا شاگرد — گوشِ دل سے سُنے مرا ارشاد

مرتبہ اُس کے شعر کا ہو یہ — سخن اُس کا سخن کا ہو اُستاد

رفتہ رفتہ سُنا یہ شیدا نے — کہا اُس نے کہ خانماں برباد!

معنی کے گھر کو تو نے ویراں کر — پھینک دی اُس کی کھود کر بنیاد

کس طرح سے میں ہوں ترا شاگرد — بیت سعدی کی یہ مجھے ہے یاد

کس نیاید بہ زیرِ سایۂ بوم
ور ہما از جہان شود معدوم

مان میرا کہا، خُدا سے ڈر — اپنا شاگرد تو کسی کو نہ کر

بولی تیری جو کوئی بولے گا
تیری بولی کا ہوگا اُس میں اثر
آگے کو دیکھیے خُدا جانے
اُجڑے اُس کی صدا سے کس کا گھر
جس جگہ بیٹھ کر وہ بولے گا
تیر، گولی چلے گی واں اُس پر
مار کر جب کوئی گرا دے اُسے
وَرَثہ لوتھ اُس کی کھاٹ پہ دھر
چلیں کاندھے پہ رکھ، تو پیٹیں گے
یہی کہہ کہہ کے، اپنا سینہ و سر

کس نیاید بہ زیرِ سایۂ بوم
ور ہُما از جہان شود معدوم

سُن بے اُلّو! پہنچ کے بنگالے
مادہ سگ آپ کو تو بنوالے
میرے تئیں کو ہے بس کہ ذوق بہ سگ
سگ بہت خوب میں نے ہیں پالے
اتنے شاگرد ڈھونڈھتا ہے عبث
سگ سے اک آکے تو گرہ کھالے
ایسے شاگردوں سے کہیں بہتر
نکل آویں گے بھونکنے والے
صورتوں میں پڑیں گے رنگا رنگ
لال، طوسی، سفید اور کالے
چاہے اُلّو ہی تو رہے بن کر
خلق شاگرد اپنی کر ڈالے

کس نیاید بہ زیرِ سایۂ بوم
ور ہُما از جہان شود معدوم

اے بیابانِ نحسیت کے غول
بستیوں کو نہ کر تو ڈانواں ڈول
فرخ آباد کے محلّوں میں
حد سے باہر تو کر چکا ہے کلول
جلد یاں سے نکل، وگرنہ ترا
بھرم اِس طرح سے میں دوں گا کھول
اب بُلا کر ڈھنڈورِیا، اُس کو
یوں سکھا دوں گا، کہ بجا کر ڈھول
خلق اللہ کی سُنے یہ بات
ہے اک اُلّو پر آدمی کا خول
سُن کے عالم ڈھنڈورِیے کی ندا
بولے گا دیکھ کر تجھے یہ بول

کس نیاید بہ زیرِ سایۂ بوم
ور ہما از جہان شود معدوم

۳

جہاں میں کون بنتا ہے اُلّو بننے کا — کسی سے بن کوئی جاتا ہے اُلّو بننے کا
بہت ہی جان کھپاتا ہے اُلّو بننے کا — بنا مجھی کو یہ آتا ہے اُلّو بننے کا
کہ فدوی، جگ میں کہاتا ہے اُلّو بننے کا

خُدا کے واسطے دیکھو تو میری صنعت کو — گھڑا وہ بوم، نہیں جس میں آدمی کی بُو
رکھا نہ وعدۂ انعام پر، تفاوتِ مُو — پڑا وہ جو لکھے میں انعام آج تک یارو
نہیں اُجُورہ دلاتا ہے اُلّو بننے کا

کیا ہے خرچ بنانے میں اُس کے، مَیں یہ ہنر — جو اور بوم ہو، تو مادہ یہ لگے، وہ نَر
نہیں ہے اصلی و نقلی میں فرق ذرّہ بھر — جو راہ باٹ میں آتا ہے صُبح و شام نظر
کہے ہے خلق، وہ جاتا ہے اُلّو بننے کا

نظر کرو تو کہ ذرّہ بھی بھڑ وے میں ہے شعور — جو ملنے سے کس و ناکس کے ہوئے ہے مغرور
کسی کو صحبتِ شعرا اُس سے کچھ نہیں منظور — ہوئی ہے بس کہ یہ صنعت گری مری مشہور
ہر ایک دیکھنے آتا ہے اُلّو بننے کا

فہیم ہو مری صنعت پہ چاہیے قربان — رکھی ہے توتے کی، مَیں چونچ بیچ اُس کی زبان
کہ جو کہے ہے، اُسے کچھ نہیں ہے اُس پر دھیان — جسے سمجھ ہے، وہ ہوتا ہے اُس کو سُن حیران
سخن، جب اپنے سُناتا ہے اُلّو بننے کا

کیا ہے کام میں وہ، ہے جو لائقِ انعام — قبولِ خاطرِ دانا، پسندِ خاص و عام
سو مجھ کو، دیکھ کے آئینہ، دے ہے یہ دشنام — نہ بوجھ کر اُسے جو کچھ کیا ہے میں نے کام
مرے ہُنر کو مٹاتا ہے اُلّو بننے کا

میں کاری گر ہوں زمانے، کا سب پہ ہے ظاہر — جو کچھ کہے کوئی، کرتا ہوں پیٹ کی خاطر
وہ بوم بننے میں گر نقص سے ہو کچھ ماہر — تو اُس کی شکل کروں اور جانور کی پھر
عبث یہ شور مچاتا ہے اُلّو بننے کا

جو بوم پر نہیں راضی، تو کیا ہے مجھ کو ڈھیل — میں کا کا کوا اُسے کردوں، یا بنا دوں چیل
کہے یہ جس سے، کروں اُس کی شکل کو تبدیل — پر، اُلّو ہونے پہ اُس کے، ہے اُس کا حمق دلیل
جو اُس کو سب میں جتاتا ہے اُلّو بننے کا

غرض جو چاہوں سو کر ڈالوں دم میں اس کے تئیں — جو مرد آدمی چاہوں کہ ہوئے یہ، سو نہیں
کسی کا یاں نہ چلے کچھ ہُنر، ہے مجھ کو یقیں — ہوا ہے بس کہ یہ مصرع جہاں کے ذہن نشیں
کہ فدوی، جگ میں کہاتا ہے، اُلّو بننے کا

تمہیدِ مثنوی سبیلِ ہدایت

میر صاحب، مرے کرم فرما! — مبدءِ عقل و کانِ فہم و ذکا
عرض رکھتا ہوں اے کرم گستر — اعتراضی سے پر مجھے ہے ڈر
کھول سکتا نہیں میں اپنے لب — اس سبب سے کہ ہے یہ جاے ادب
جو سخن آپ کی زباں سے سُنا — کچھ نہ بولا سواے آمنّا
لیکن اب آپ سے کئی اک عرض — کرنی مجھ کو ہوئی ہیں واجبؔ فرض
آپ کے ہوتے جب کسی کے حضور — مرثیہ کہنے کا ہوا مذکور
واں یہ بولی زبانِ سحر طراز — حق میں اِس بے زباں کے، بندہ نواز!
ریختے کی جو وہ کہے ہے غزل — لفظ و معنی میں اُس کے کم ہے خلل
مرثیوں کے سُنے جو کتنے بند — بندش اُن کی نہ آوے اپنے پسند
معنی اُن کے تب آئیں فہم کے ہاتھ — شرح لکھ دے جو مرثیے کے ساتھ
جب بہ تکرار میں. سُنے یہ سخن — دل میں گزرا کہ مرثیے کا فن
ہوئے گا فنِ شعر سے باہر — میر کی گفتگو ہے واں اِس پر
اِس کا آگاہ جو کوئی ہو خوب — سیکھیے اُس سے کہنے کا اسلوب
ماہر اِس فن کے جب کیے میں غور — دل میں تم سا کوئی نہ ٹھہرا اور
آپ کے مرثیوں کو تب اکثر — ڈھونڈھنے میں لگا ہر ایک کے گھر
ہاتھ آیا مرے بہ سعیِ تمام — غرض اک مرثیہ اور ایک سلام

فہم میرا جب اُن میں در آیا وہم اپنا بہت بجا پایا
مرثیہ کہنے کا ہے جو آئین واقعی فنِ شاعری میں نہیں
بلکہ وہ چیز جس سے شعر ہو رد مرثیے میں روا کہے ہے بہ (کد)
مطلب، اِس کام کی جُدی ہے راہ شاعر اس راہ سے نہیں آگاہ
ضد کے مارے تو یوں وہ کچھ ہی کہے چاہے ایسا کہے تو کہہ نہ سکے
شعر کے قاعدے کے موجب ہم کہنے لاگے تھے مرثیہ کم کم
سوز بانی تمھاری، اے مخدوم ہوا اپنے تئیں کو یوں معلوم
مرثیہ وہ، جسے عوام النّاس روئیں سُن سُن، پڑھیں جب اُن کے پاس
اور سودا کا مرثیہ سُن کر چُپ ہی رہ جاؤں ہوں میں سر دُھن کر
کیسی ہی طرح کوئی اُس کی بنائے لیکن اس پر کبھو نہ رونا آئے
بارہا یہ سخن ہوا ظاہر حق میں بندے کے غائب و حاضر
سچ ہے یہ، مجھ کو مرثیے کا ڈھب نہیں آتا وہ، جس سے رو دیں سب
آپ کے مرثیے کا ہوں قائل خون جس سے عوام کا ہے دل
سُن کے جُمّا سے جس پہ بُدّھو تک شام سے کوٹیں سینہ صُبح تلک
لیکن افسوس صد ہزار افسوس یہی آتا ہے بار بار افسوس
بُدّھو، جُمّا سمجھ جسے رو دیں معنی اُس کے نہ مجھ سے حل ہو دیں
جب یہ صورت خیال کرتا ہوں اِسی غیرت کے مارے مرتا ہوں
غرض اس امر میں کہوں اک بات مانو، تو جانو گے ہی اپنی نجات
وہ جو اک مرثیہ اور ایک سلام دستخط خاص سے رکھے ہے غلام
مَن بَکٰی کی حدیث پر کیجے عمل، اور معنی اس کے رکھ دیجے
میں بھی آگاہ اُس سے تا ہوؤں چھوٹی اُمّت میں بیٹھ کر رو دوں

مثنوی در ہجوِ فوقیؔ

ساقیا! بھر اُس مَے جادو سے جام
جس کا سحرِ سامری بھی ہو غلام

کر دے میرے لب تو اُس ساغر سے تر
آگے پھر قدرت خدا کی سیر کر

باگ سے بکری کرے ایسے ہی چھند
باگ کو بکری کرے میداں میں بند

دانت کھٹے باگ کے بکری کرے
باگ کی آنکھ میں جا بکری چرے

باگ بکری پانی پیویں ایک جا
سامنے تیرے ہے تب مجرا مرا

چل قلم! آئیں قصد کر اب جنگ کا
اُٹھ چکا پردہ حیا و ننگ کا

ٹک میاں فوقیؔ کے گھر تک اے صبا
کہہ سلامِ شوق تو جا کر مرا

بعد ازاں کہیو کہ اتنا بھی غرور
شاعری کے فن میں کرنا کیا ضرور

اوروں کو بکری کہو، شیر آپ کو
بکری بھی گر کچھ کہے پھیر آپ کو

بات بکری کی لگے تم کو بُری
دوڑو تم اُس پر قلم کی لے چھُری

اور جو اُس کا گلا کاٹا نہ جائے
وہ، نصیبِ دشمناں، ٹکر چلائے

سینگ اب اُس کے نہایت تیز ہیں
آپ کے ناخن سے بھی خوں ریز ہیں

پھر خدا جانے کہ کیسا رَن پڑے
سمجھو ٹک، کیا جانیے کیا بَن پڑے

کہہ گیا ہے یہ سخن سعدیِؔ پیر
بوجھیے ہرگز نہ دشمن کو حقیر

گرچہ میں بکری ہوں، تم شیرِ جری
پر، قلم کی تیغ و کاغذ کی پھری

پاس اِس عاجز کے بھی ہر آن ہے
دیکھ لو، یہ گو ہے، یہ میدان ہے

کیا قصیدہ، کیا غزل، کیا قطعہ بند
جو ردیف و قافیہ کیجے پسند

آپ کہہ کر، مجھ کو بھی فرمائیے
جس کو جی چاہے، اُسے دکھلائیے

گھر میں شیخی کرنی، کچھ رکھتی ہے مول؟
گُلھیا میں گڑ پھوڑنے سے کیا حصول!

خوش نہیں آتا تمھارا اعتراز
ورنہ کیا للکاروں تم کو بار بار

یک غزل تم سے لڑا کر دیکھ لی
فہم کی میزاں چڑھا کر دیکھ لی

فائدہ کیا کشتیِ ہر بار سے
بس ہے یک مُشتِ نمونِ خروارے

ہو گیا ظاہر، جو کچھ تھا تم میں زور
مُبتذل بند، اور اک عالَم کے چور

جو مجھے دیوان آتا ہے نظر
جا و بے جا اُس میں سُرخی دیکھ کر

پوچھوں ہوں اُس کے مصنّف سے یہ میں
اِتنی سُرخی کیوں لکھی ہے اِس میں تیں

مجھ سے کہتا ہے وہ رو کر زار زار
کیا کروں اِس کا بیاں اے غم گُسار

یک جواں کہنے لگا ہے اب سخن
ہے نئی ناگن وہ اور ٹینگے پہ پھَن

جب سے اُس کے ہاتھ ہے تیغِ قلم
قتل معنی کا ہے میرے دم بہ دم

مت سمجھ سُرخی، یہ ہے تجھ سے بعید
جا بہ جا ہے خونِ مضمونِ شہید

شاعروں کے بیچ یہ نام آوری
میر و مرزا سے ہے تس پر ہم سری!

ہے جو وہ دیوان دو جزُ آپ کا
شکل آمد نامے کی، جس کو لکھا

مان سنگی کاغذ اوپر دُور دُور
تا کہ اُس میں حَجم ہو، وہ رے شعور!

سو بھی تو اُس میں غزل ایسی نہیں
چار بیتیں جس میں طالب کی نہیں

سات بیتیں، جب اکیلے ہو کہو
پانچ ہو دیں مُبتذل، بے معنی دو

گر دروغ اس میں کہا ہو مہرباں!
کاٹیے تیغِ قلم سے یہ زباں

اب تلک حاضر ہے وہ جنگی غزل
مُبتذل، بے معنی، بے ڈھنگی غزل

گفتگو میری بلا وسواس ہے
دستخط سے آپ کے، مجھ پاس ہے

معرکے میں یا مجھے بلوائیے
یا مجھے گھر آن کر سمجھائیے

اعتراض اُس پر جو کچھ ہے مہرباں / ہوں گے آخر کی حکایت میں بیاں

تو کدھر ہے ساقیِ پُر بے خبر / دیکھ انکھیاں کھول کر ٹک تو ادھر
کب تلک سووے گا اے خانہ خراب / سُن تو ٹک کیا کہتے ہیں چنگ و رباب
بشنو از نَے، چون حکایت میکند / وز جدایی ہا شکایت میکند
کز نیستان تا مرا ببریدہ اند / از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
سُنتے ہیں جس وقت میری آہِ سرد / پھاڑ ڈالے ہیں گریباں اہلِ درد
نکلے ہے میرے گلے سے جب صدا / سُن کے رو دیتا ہے کیا شہ، کیا گدا
ذات کو جس بزم میں ہوئے نواز / شمع ساں ہوں استخوانِ تن گداز
میرے تن میں دم کی جاگہ، آہِ سرد / استخواں میں مغز کے بدلے ہے درد
رکھتی ہے میری صدا ایسا تو زہر / سُن کے جس کو چڑھتی ہے کالے یہ لہر
اِس اثر پر، مجھ کو نوقی، بے اثر / باندھتا ہے، وائے اُس کے فہم پر
بے اثر ہے میری آوازِ حزیں؟ / کیا کہوں میں، آفریں صد آفریں!
کیا کسی عاقل کا یہ مصرع ہے چُست / "مُردم اندر حسرتِ فہمِ درست"
اقربا میرے سے ہے جو بد صدا / مُنہ لگاتے ہیں اُسے شاہ و گدا
کچھ تکلف سے نہیں یہ گفتگو / بزم میں حاضر ہے نیچا، دیکھ لو
کچھ نہ پایا بات کا میں اُس کی بھید / پڑ گئے غم سے مری چھاتی میں چھید
سُنتے ہوائے حاضرانِ بزمِ یار / ہووے جو تم میں سے میرا غم گسار
یہ کہے اُس شاعرِ بے درد کو / چھینک جو سمجھے ہے آہِ سرد کو
سُن تو ٹک اے عار و ننگِ شاعری / مُنہ سے تیرے دُور رنگِ شاعری
شعر کہنے کا بھی ہوتا ہے ڈھنگ؟ / شعر کو بد نام مت کرائے دبنگ!

اب اسے لازم ہے، جو شاعر کہائے
ایک باسن میں نہ تیرے ساتھ کھائے
شعرِ پوچ اپنے بہ آوازِ حزیں
بیٹھ کر مجلس میں پڑھیے ہر کہیں
سمجھیے نائے کو نَے کے بے اثر
یُوف ہے صد یُوف ایسی عقل پر!
یا تو اپنی بات اب اثبات کر
یا وہ دونوں جُز تو میرے آگے دھر
شعر اُستادوں کے اُس میں سے نکال
پھر جو کچھ باقی رہیں، اے میرے لال!
اُن کے اوپر، مشک بھر پانی پلا
نَے نوازوں کو مُتاؤں خوب سا
کر رہی تھی نَے، غرض جوش وخروش
یہ کہا آصبر نے اُس کو، خموش

ساقیا! نَے کی سُنی تیں گفتگو
یہ کسی دشمن کے دشمن پر نہ ہو
کیا کہوں تجھ سے غرض اے نکتہ رس
دل گئی ایسا ہی کچھ ظالم کہ بس
پر، جو مجھ کو دے تو ساغر پَے بہ پَے
بھول جاوے دل سے تیرے حرفِ نَے
تیز جب میری ہو مقراضِ زباں
تیغ کی گزرے زباں پر الاماں
ایک ہی پیالہ دیا ہے مجھ کو تیں
دیکھ تو، گُل بھول کیا کانوں ہوں میں
چل قلم جلدی سے خطِ مشک بو
یار کو میرے لکھ اِس مضموں سے تو
آنکھ جب تک ہے تو خوش آتی ہے بھوں
آنکھ ہی پھوٹی تو کب بھاتی ہے بھوں
گرچہ الفت تھی ہمیں نَے سے تمام
ہم سُنا کرتے تھے اُس کو صبح وشام
سو وہ ایسی اب ہوئی ہے ناپسند
بس چلے تو کاٹیں اُس کے بند بند
بے اثر تم نے کہیں اُس کو لکھا
سُن کے غمّازوں نے جا اُس سے کہا
جس پہ وہ بے مغز کل مے خانے میں
بولی ایسا کچھ کہ تم سے کیا کہیں
اُس پہ نازل ہووے قہرِ ذوالجلال
یا تمھارے صبر کا پڑیو وبال
وہ جو کچھ کہتی ہے اے غیرت پناہ
سو تو کہہ سکتا نہیں یہ روسیاہ

کس لیے؟ ہیں آپ کا دشمن نہیں
ہوں بھی گر دشمن تو روئیں تن نہیں

شاید اُس کو سُن کے تم کھا جاؤ زہر
یا مجھے مارو کٹار از راہِ قہر

تس سے کیا لازم جو کیجے سب بیاں
پر غرض اُس کا یہی ہے مہرباں!

میری تو اِتنی موثر ہے صدا
سُن کے رو دیوے جسے شاہ و گدا

کس لیے نالے کو میرے جد نہ تد
بے اثر باندھو ہو، کچھ اِس کی سند؟

یا تو اب اِس کی سند مجھ تک لے آؤ
یا تم آگے شاعروں کے نَے بجاؤ

بس قلم اِتنا ہی لکھ چل ہو شتاب
دیکھیں تو اودھر سے کیا آوے جواب

ساقیا! وہ مے جو تند و تیز ہو
دے کے مجھ کو، سُن اُدھر کی گفتگو

نامہ بر نے مجھ کو اودھر سے شتاب
لا دیا ہے یہ جوابِ باصواب

پڑھ کے خط، کہنے لگے ہو کر غضب
بے اثر ہونے کا اُس کے ہے سبب

یہ کہو اُس لولیِ مے خانہ سے
پوچھے جا عاقل و دیوانہ سے

بُلبلِ آمل ہے قوتی کی مدد
ہر سخن کی پاس اُس کے ہے سند

دیکھ لے آکر قوی ہے یہ دلیل
نَے کو باندھا ہووے گا خرطومِ فیل

پیشِ پا افتادہ یہ تشبیہ ہے
سر سے لے کر وہ قدم تک شکلِ نَے

کہہ چکا اور پھر کہوں بارِ دگر
ہاتھی کی آواز میں ہے کیا اثر؟

اُس کی ٹیں ٹیں پر جو روتے ہیں سدا
بھڑوے احمق ہوویں گے شاہ و گدا

ہیں ہمارے شعر یہ تاثیر ریز
جوشِ ہر دل ہے جنھوں کا پیش خیز

چشم سے اُن کی، ہوا یدھر جن کا گوش
آوے قطرہ اشک کا طوفاں بہ دوش

ہے اگر میرا تو سچ مچ آشنا
کہو زبانی میری اُس قحبہ سے جا

شعرِ گرم اپنا میں صحرا میں پڑھوں
ہے کہ اب سارا نیستاں پھونک دوں!

خوب سا غصّہ غرض کر وہ ہزبر
یہ کہا آخر کہ بس ہے میرا صبر

ساقیا! اُس مے سے اب ساغر تو بھر
کچھ نہ ہو جس میں مروّت کا اثر

دے تو اُس مے سے مجھے دو چار جام
تا میاں فوقی کو بھیجوں یہ پیام

مطلعِ اوّل جو وہ جنگی غزل
رکھتی ہے، سو اُس میں تو ایسا خلل

نَے نے جس پر یہ کیا شور و فساد
جس سے آیا تھا چھٹی کا دودھ یاد

مطلعِ ثانی: سو مالک اُس کے میرؔ
جانتے ہیں اُس کو سب برنا و پیر

لیکن اُس کا تازہ کرنا خوب تھا
میرؔ کی بھی طبع کے مرغوب تھا

ہے دلِ پروانہ اس سے باغ باغ
شمع کو روشن کیا لے کر چراغ

سات میں سے سمجھے تم دو کا حساب
پانچ جو باقی ہیں، دوں اُن کا جواب

تیسرا جو شعر ہے، اُس کا یہ حال
جس کے معنی خلق کے دُور از خیال

شعر یہ چوتھا سُنو اے مہرباں
جس کے معنی نظم کر رکھے ہیں یاں

ہوئے پہلے ہی قدم مسکن صنم
گر چلوں تجھ کُو سے جوں نقشِ قدم

نقشِ پا سے چلنے کو تشبیہ کیا
وہ تو بے حس محض رہتا ہے سدا

گو اُسے پڑھیے بہ آوازِ حزیں
لیکن اُس کا سُقم سب کے دل نشیں

اِس سوا معنی گر اِس بندش میں ہیں
عقلِ کُل بھی وہ نہ سمجھے گا نہ میں

شعر دو اچھے ہیں، دیکھے کر کے غور
اُس کا دعوا تم کرو یا کوئی اور

وہ جو مقطع ہے سو ایسا ہے لچر
نکتہ رس کہتے ہیں جس کو دیکھ کر

سر بہ جو نکتہ وہ رکھتی تھی خری
نیچے دے کر، ہو گئی شیرِ جری

سُن چکے احوال ساتوں شعر کا
اب کہو تم آپی یا بلغ العلا

کون اِس میداں میں بکری، کون شیر
بولیے جلدی سے اب کیجے نہ دیر

لیکن اِس جا گہ عبث ہے یہ سوال
ہے کروڑوں کوس یاں سے انفعال

ہجوِ حکیم غوث

صدر کے بازار میں ہے یک دبنگ
عارِ اطبّا و طبابت کا ننگ

شکل ہے شیطان کی اور غوث نام
جگ میں ہلاکو کا ہے قائم مقام

ہے متوطن وہ لعیں روم کا
بستی میں رکھتا ہے اثر بوم کا

جب سے طبابت میں دھنسا وہ الاغ
روم سے تا شام ہوا بے چراغ

مملکتِ ہند میں اب گھر بہ گھر
ہے ملکُ الموت سے مشہور تر

اس کے قلم کا میں کروں کیا بیاں
تیغِ اجل جس کی ہے رطبُ اللّساں

خامہ نہیں، خنجرِ بُرّاں ہے وہ
قاتلِ ہندو و مسلماں ہے وہ

نُسخہ نہ لکھتا کبھو وہ بدسرشت
بھرتے نہ انسان سے دوزخ، بہشت

جب سے مریضوں کو وہ دے ہے دوا
کام میں ہے مرگ، معطّل شفا

بُو نہیں ظالم میں کہیں درد کی
جان کا دشمن ہے زن و مرد کی

کُشتنِ خلق اُس کا غرض کام ہے
مرگ و قضا مُفت میں بدنام ہے

مرتے ہیں اُس سے زبس اب مرد و زن
کھاتے ہیں قرض اس کے اُپر گورکن

طرفہ تر اِس سے بھی کہوں ایک بات
ہنستی ہے سُن سُن کے جسے کائنات

ہو کے کسل مند جو وہ بے حیا
اپنے تئیں آپ کرے ہے دوا

مردہ شو، مولودیے، تابوت گر
گھیرتے ہیں آن کے سب اُس کا گھر

دے ہیں دُہائی وہ بہ صد قیل و قال
اُن میں سے ہر ایک کرے ہے سوال

اپنی دوا آپ تو ظالم نہ کر
میرے کس و کو کی طرف کر نظر

خوب، جو کرتا ہے تو آپ ہی دوا
اور کوئی آپ سا مجھ کو بتا

روزی سے خاطر ہو مری تا کہ جمع
بھیجوں تری گور پہ گُل اور شمع

کیا کروں تشخیص کا اُس کی بیاں
مُنہ میں ہوئی جائے ہے ساکت زباں

نزلے سے اک شخص کو تھا دردِ سر
لائی قضا اُس کے تئیں اِس کے گھر

دیکھ کے نبض اِن نے بہ صد فکر و غور
دِق کے سوا کچھ نہ کی تشخیص اور

نسخہ دیا لکھ کے بہ چندیں ہُنر
صبح سے لے شام تلک خوض کر

جا کے جو نسخہ دیا عطّار کو
پڑھ کے لگا کہنے وہ بیمار کو

کیا تجھے آزار ہے اے نوجواں!
اُن نے کہا اُس سے بہ آہ و فغاں

میں تو نہیں جانتا کچھ اے حبیب
پر مجھے مدقوق کہے ہے طبیب

سُنتے ہی یہ، دل کو لگی اُس کے چوٹ
کہنے لگا اپنی وہ ڈاڑھی کھسوٹ

ہائے یہ کس بھڑوے کا ایجاد ہے
نسخے میں معجونِ زرنباد ہے

کہہ کے یہ عطّار نے، ہو بے قرار
کہنے لگا اُس سے کہ سُنتا ہے یار!

شکل کا اُس کی تو مجھے دے پتا
کون ہے وہ جن نے کی ایسی خطا

سُن کے یہ، عطّار سے بولا جواں
کیا میں بتاؤں تجھے اے مہرباں

شکل سے کس کی اُسے تشبیہ دوں
ہے وہ سگ و خوک سے زشت و زبوں

رنگ و دہن اُس کا ہے بدبو و قیر
جیسے کہ جُلّاب کا دستِ اخیر

سُنتے ہی عطّار نے یہ رنگ و بو
کہنے لگا، ہائے میاں، ہو نہ ہو

یہ وہی سفّاک ہے تخمِ حرام
صبح جو نت اُٹھ کرے ہے قتلِ عام

غوث نہیں، ظالمِ بد خو ہے وہ
کہہ نہ طبیب اُس کو، ہلاکو ہے وہ

ایک دن اے یار میں دُکّان پر
آیا جو ہر ایک کو مفلس نظر

کہنے لگا دیکھ کے اک آشنا
چل تجھے ہم غوث سے دلوویں ملا

تجھ کو وہ اور اُس کو تو مطلوب ہے — دونوں جو آپس میں ملو، خوب ہے
دیکھا کہ یہ بات رکھے ہے حصول — میں نے کہا چلیے، یہ جاں ہے قبول
جب چلے آپس میں ہو دونوں بہم — مرگ چلی پیچھے سے گنتی قدم
جا کے جو دیکھی میں وہ وحشت سرا — دل پہ کھُلے معنیِ دارُ الفنا
کتنے ہی بیمار تھے اور ایک گھر — سو بھی تو وہ گور سے تھا تنگ تر
آن کے بیٹھا وہ ستم گار جب — گرد ہوئے اُس کے یہ بیمار سب
چھُٹتے ہی اک شخص کی دیکھی جو نبض — کہنے لگا، تجھ کو بہ شدّت ہے قبض
کچھ نہیں کرنے کا بہ جز اِس کے بود — لکھ دیا یہ کہہ کے، سفوفِ یہود
اور غذا اُس کو یہ بتلائی دوست — ماش کی روٹی سے تو کھا ساگ پوست
صاحبِ پیچش کو بتایا کنول — واسطے ہیضے کے لکھا اسپغول
لکھ دیا مجنوں کو شیرِ شتر — کہہ دیا مُستسقی سے، جا فصد کر
پوچھا جو اُن نے کہ غذا کیا کہی — ساتھ گلقتی کے، کہا، کھا دہی
یہ کہا اُس کو جسے تھی آتشک — موضعِ مخصوص پہ چھڑکا نمک
کہنے لگا دیکھ کے ایک اور کو — زخم کو دنبل کے کرانا رفو
بیٹھ کے پھر پاس وہ اک ڈولی کے — نبض کہا دیکھوں میں لا ہاتھ دے
دیکھ چکا نبض کو جب بے تمیز — خادمہ سے اُس کی کہا اے کنیز
دردِ کمر اس کو ہے یا دردِ سر — پر مجھے نقرس کا ہے ڈر بیش تر
کر کے یہ آخر کو مقرر صرع — کہنے لگا دو اِسے ماءُ القرع
اور جو کھانے کی لگے اِس کو لَو — کچھ نہ اِسے دیجیو جُز آشِ جو
کہنے لگی سُن کے، یہ کیا قہر ہے — واسطے اِس کے یہ دوا زہر ہے
لقوہ و فالج اسے، یہ پیر زال — کرتے ہو کیوں قتل کا اِس کے خیال

اُن نے کہا، تو نے نہ اے زشت رُو / دیکھا سدیدی کو، نہ قانون کو
ساتھ حکیموں کے تو اے بے تمیز / بحثتی ہے، ڈیڑھ روپے کی کنیز!
اِس میں کہا ایک نے شوخی کی راہ / سُنتی ہے ماما، نہیں اِن کا گناہ
بی بی تری پردے میں اور یہ اِدھر / لقوہ و فالج سے ہو کیوں کر خبر
سمجھیو ٹک، لوٹنے کی ہے یہ جا / کہتا ہے پھر آپ بھی، ہاں اور کیا
سُنتے ہی اِس حرف کے، کھا پیچ و تاب / تھوک کے ڈاڑھی پہ، کیا یہ خطاب
لا تو سدیدی کو تو اب میرے پوت / کھول تو قانون کو اے بھڑدے اُوت
بات کا اپنی تو مجھے دے نشاں / میں بھی تو دیکھوں کہ یہ اُس میں کہاں
لقوہ و فالج ہو جسے یا صَرَع / اُس کے تئیں دیجیے ماء القرع
پھیر تو جس وقت بڑھی آگے بات / اِن نے جڑی دھول اُسے، اُن نے لات
اِن نے قلمدان سے کی اُس پہ چوٹ / اُن نے لیا ڈاڑھی کو اِس کی کھسوٹ
جھونٹے غرض اُس کے ہوئے اِس کے ہاتھ / خُصیے پکڑ لوٹ گئی وہ بھی ساتھ
زور جب آپس میں دھما دھم ہوئے / مار کُٹائی سے دے بے دم ہوئے
دور کے لوگوں نے اُٹھایا اُنھیں / منّت و زاری سے چھُڑایا اُنھیں
کرنے لگے وہ جو تھے معقول بیں / اِس کے تئیں لعن، اُسے آفریں
تھا غرض اِس نقل سے یہ مدعا / تا کہ تو ایسے کی نہ کھاوے دوا
اپنے لیے آپ نہ تیں گور کھود / سُن تو لیا ایسا ہے یہ بیٹی . . .

رباعی

باریک و طویل اِتنا ہوا کس کے پوت / جز باپ کے تیرے کہ وہ ہے بڑ کا بھوت
یوں قابلہ نے تجھ کو نکالا واں سے / جوں بھان متی ناک سے کھینچے ہے سوت

اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

لشکر کے بیچ آج یہی قیل و قال ہے
کھانے کی چیز کھانے کو سب کا خیال ہے
یوں دخل امر و نہی میں کرنا محال ہے
جو فقہ داں ہو، اُس سے یہ سب کا سوال ہے
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

بگڑا ہے آج مجتہدوں بیچ کیا یہ نیل
مُلّا لطیف بولے ہے کھانا روا ہے چیل
کہتا ہے چاند خاں، کیا کن نے حرام فیل
حلّت پہ مینڈکی کی میاں جی کو سو دلیل
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

یارو، بسو ہو تم اِسی دیرِ خراب میں
بیٹھا اُٹھا کرو ہو سدا شیخ و شاب میں
حلّت رکھے ہے زاغ کسو ہی کتاب میں؟
جتنی کتب ہیں فقہ کی، اُن کے جواب میں
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

اپنے نفر سے آج انھوں نے جو یہ کہا
کوّا حلال چیز ہے، میرے لیے پکا
بولا نفر کہ خیر ہے، تم کو ہوا ہے کیا
مشہور یہ سخن ابھی ہوتا ہے جا بہ جا
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

القصہ یہ تھے بلہ، وہ نفرا تھا ذو فنون
اک کوّا چیر پھاڑ کے ہانڈی میں ڈالا بھون
پوچھا جو لون چکھنے کو، بولا وہ کھا جنون
کس مجتہد کے فتوے پہ اس کا چکھوں میں لون
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

تیار جس گھڑی کہ وہ کرتا تھا ما حضر
کوّے کی حلّت اُس سے جو پوچھے تھا آن کر
جھنجھلا کے یہ جواب اُسے دیوے تھا وہ نفر
جانے مرا فلانا، مجھے ہے یہ کیا خبر
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

چولھے کو پھونک پھونک پڑ ندہ ہوا ہلاک
کوّا گلا نہ، اور جلے جنگل کے سارے ڈھاک
اُکتا کے تب وہ بولا کہ آئی ہے جان ناک
پوچھا کسو نے کیوں، تو کہا کیا کہوں میں خاک
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

جب پک چکا تو کرتے تھے اس سے وہ یہ کلام
گھی پی گیا تو بھڑوے، جو کوّا رہا ہے خام
کہنے لگا نفر کہ میاں لو خدا کا نام
اپنے تو بھادیں زیادہ سُور سے ہے یہ حرام
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

پھر تو یہ غصّہ اُن کو چڑھ آیا کہ جیسے تب
ایدھر سے یہ چلے، نفر اودھر سے دوڑے سب
لوگ اِن کو تھامتے تھے، یہ کہتے تھے، ہے غضب
آقا کو مجھ سے یوں کہے یہ بھڑوا بے ادب:
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

ایدھر تو اِن کو روک رہے تھے کئی جواں
اَنفار سب اُدھر سے یہ کہتے تھے یک زباں
یارو ہمارے اِن کے تم آؤ نہ درمیاں
دیکھیں تو کیا یہ چو میں گے، ہم تو کہا ہے ہاں
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

جس وقت بڑھ پڑی غرض آپس میں دوت دات
اودھر سے دھول چلنے لگی اور اِدھر سے لات
پگڑی اِنھوں کی اُن کنے، جیب اُن کے اِن کے ہات
مبدء جو اِس فساد کا پوچھو تو اتنی بات
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

لوگوں نے بارے مار کے اُن کو دیا ہٹا
چیرا اُٹھا زمیں سے یہ سج کر کے لٹ پٹا
بولے، میں پاجیوں سے دبوں تو نہیں گھٹا؟،
لیکن میں کیا کروں کہ دل اِس بات سے کٹا
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

انکار پھر سب آن کے اِس بات پر اڑے
ہم کوڑیاں طلب کی تو لیں گے کھڑے کھڑے
یہ بولے میں لڑوں گا، وہ بولے کہ بس لڑے
دے لڑ چکے جنھیں کہیں نفرے سڑے سڑے
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

تنخواہ دینے کو نہ درم اِن کنے نہ دام
ناچار ہوا انھوں نے، کیا صلح کا پیام
سُن کر لگے وہ کہنے کہ اپنا نہیں ہے کام
رہنا انھوں کے گھر جنھیں یوں بولے خاص و عام
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

گزران ہم تو کرتے تھے کھا کھا کے یاں چنے
اِن کی زباں کے چسکے سے لیکن نہ اب بنے
کوّا تو دل میں ان کے غذا آن کر ٹھنے
یوں ہم سے وہ کہے، یہ ہمیں بھیجیں جس کنے
اک مسخرے یہ کہتے ہیں، کوّا حلال ہے

پکوا کے آج کوّا انھوں نے یہ کی ہے دھوم
کل یوں کہیں گے ، واسطے میرے پکا وُ بوم
یہ نوکری تو وہ کرے ایسا ہی جو ہو شوم
تنخواہ اپنی لے کے یہ کہیے علی العموم
اک مسخرے یہ کہتے ہیں ، کوّا حلال ہے

آویں بھی ہم اگر ، تو اسی شرط سے اب آئیں
عالم تمام گوشت جو کھاتا ہو ، یہ بھی کھائیں
آیندہ چیل ، کوّے پہ ہرگز نہ دل چلائیں
کوّے کو جو حلال کہے ، اُس کو یہ سنائیں
اک مسخرے یہ کہتے ہیں ، کوّا حلال ہے

القصہ کتنی دیر رہی جب یہ بات چیت
ہارے میاں نفر سے ، ہوئی پاجیوں کی جیت
بدلی حرام خوری کی اِن خرخشوں سے ریت
شادی ہو اب ، تو گاتے ہیں اِس کا بنا کے گیت
اک مسخرے یہ کہتے ہیں ، کوّا حلال ہے

حلّت کو زاغ کو ہی کی نزدیک و دور میں
تحقیق میں کیا ، تو نہ آئی ظہور میں
کوّا نہیں حلال ، جو ہو کوہِ طور میں
سودا کرے ہے عرض کہ آکر حضور میں
اک مسخرے یہ کہتے ہیں ، کوّا حلال ہے

غزلیات

مقدور نہیں اُس کی تجلّی کے بیاں کا
جوں شمع، سراپا ہو اگر صرف زباں کا

پردے کو تعیّن کے درِ دل سے اُٹھا دے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

ٹک دیکھ صنم خانۂ عشق آن کے اے شیخ
جوں شمعِ حرم رنگ جھمکتا ہے بُتاں کا

اِس گلشنِ ہستی میں عجب دید ہے، لیکن
جب چشم کھُلے گُل کی، تو موسم ہو خزاں کا

دکھلائیے لے جا کے تجھے مصر کے بازار
لیکن نہیں خواہاں کوئی واں جنسِ گراں کا

ق

سوؔدا! جو کبھو گوش سے ہمّت کے سُنے تو
مضمون یہی ہے جرسِ دل کی فغاں کا

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا، سفر ایسا ہے کہاں کا!

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں جو سیر کروں کوہِ طور کا

پڑھیے درود حُسنِ صبیح و ملیح دیکھ
جلوہ ہر ایک پر ہے محمدؐ کے نور کا

توڑوں یہ آئنہ کہ ہم آغوشِ عکس ہے
ہووے نہ مجھ کو پاس جو تیرے حضور کا

بے کس کوئی مرے، تو جلے اُس پہ دل مرا
گویا ہے یہ چراغ غریباں کی گور کا

ہم تو قفس میں آن کے خاموش ہو رہے
اے ہم صفیر! فائدہ ناحق کے شور کا

موجِ نسیم آج ہے آلودہ گرد سے
دل خاک ہو گیا ہے کسی بے قرار کا

سو بیا ہے کیا جنوں نے گریبان کو مرے
لیتا ہے اب حساب جو یہ تار تار کا

سوداؔ! شرابِ عشق، نہ کہتے تھے ہم، نہ پی
پایا مزہ نہ تو نے اب اُس کے خمار کا!

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا
پانی بھی پھر پییں تو مزہ ہے شراب کا

کہتا ہے آئنہ کہ سمجھ تربیت کی قدر
جن نے کیا ہے سنگ کو ہم رنگ آب کا

دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر!
لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا

تھا کس کے دل کو کشمکشِ عشق کا دماغ
یا رب! بُرا ہو دیدۂ خانہ خراب کا

اے برق! کس طرح سے، میں حیراں ہوں، تجھ کنے
نقشا ہے ٹھیک دل کے مرے اضطراب کا

سوداؔ! نگاہِ دیدۂ تحقیق کے حضور
جلوہ ہر ایک ذرّے میں ہے آفتاب کا

نہ جانے یاد کر روتا ہے کس کے دل کے صدمے کو
کہیں ٹکڑا جو سوداؔ کو نظر آتا ہے شیشے کا

گلہ لکھوں میں اگر تیری بے وفائی کا لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا
زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا
مرے سجود کی دیر و حرم سے گزری قدر رکھوں ہوں دعوا ترے در پہ جبہہ سائی کا
دکھاؤں گا تجھے زاہد! اُس آفتِ دیں کو خلل دماغ میں تیرے ہے پارسائی کا
طلب نہ چرخ سے کر نانِ راحت اے سودا
پھرے ہے آپ یہ کاسہ لیے گدائی کا

کھینچا نہ مَیں چمن میں آرام یک نفس کا صیّاد! تیری گردن ہے خوں اِس ہوس کا
مجھ صیدِ ناتواں کے احوال کو نہ پوچھو محروم ذبح سے ہوں، مردود ہوں قفس کا

خبر شتاب لے سودا کے حال کی پیارے! نہیں ہے وقت مری جان یہ تامّل کا

ایک دن تجھ سے سلگ اٹھتے نہ دیکھا کارواں اے جرس! حاصل کچھ اِس فریادِ بے تاثیر کا
توڑ کر بُت خانے کو، مسجد بنا کی تو نے شیخ! برہمن کے دل کی بھی کچھ فکر ہے تعمیر کا
سیم و زر کے آگے سودا! کچھ نہیں انساں کی قدر خاک ہی رہنا بھلا تھا بلکہ اِس اکسیر کا

لطف اے اشک! کہ جوں شمع گھُلا جاتا ہوں
رحم اے آہِ شرر بار! کہ جل جاؤں گا

سودا! قمارِ عشق میں شیریں سے کوہ کن ق بازی اگرچہ پا نہ سکا، سر تو کھو سکا
کس مُنہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز اے روسیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

تیغ کا زخم اُٹھا سنبھلے ہے انساں لیکن سامنے تیرِ نگہ کے نہ سنبھلتے دیکھا

رخصت ہے باغ باں اِک تنک دیکھ لیں چمن
جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا
پہنچیں گے اِس چمن میں نہ ہم داد کو کبھو
جوں گُل یہ چاکِ جیب سِلایا نہ جائے گا
تیغِ جفائے یار سے دل! سر نہ پھیریو
پھر مُنہ وفا کو ہم سے دکھایا نہ جائے گا
عمّامے کو اُتار کے پڑھیو نماز، شیخ!
سجدے سے ورنہ سر کو اُٹھایا نہ جائے گا

ق

ظالم! میں کہہ رہا کہ تو اِس خوں سے درگذر
سوؔدا کا قتل ہے، یہ چھپایا نہ جائے گا
دامان و داغِ تیغ کو دھویا تو کیا ہوا
عالَم کے دل سے داغ دُھلایا نہ جائے گا

کعبے جاوے پوچھتا، ہے کب چلن آگاہ کا
اُٹھ گیا جیدھر قدم، رستہ ہے بیت اللہ کا

دل میں ترے جو کوئی گھر کر گیا سخت مہم تھی وہ کہ سر کر گیا
وہمِ غلط کار نے دل خوش کیا کس پہ نہ جانے وہ نظر کر گیا

دیکھ لی ساقی کی بھی دریا دلی — لب نہ ہمارے کبھو تر کر گیا
قاصدِ اشک آکے خبر کر گیا — قتل کوئی دل کا نگر کر گیا
دیکھیے واماندگی اب کیا دکھائے — قافلہ یاروں کا سفر کر گیا
سیر کی یوں کوچۂ ہستی کی ہم — نَے میں سے جوں نالہ گزر کر گیا
کیونکے ترا کھائے کوئی اب فریب — حال مرا سب کو خبر کر گیا

بھٹکی پھرے ہے کب سے خدایا مری دعا — دروازہ کیا قبول کا معمور ہو گیا!
خوش ہیں شکستہ بالی سے اپنی ہم اس لیے — پرواز کا تو دل سے خلش دور ہو گیا
آتی ہے تجھ گلی سے پریشاں صدائے آہ — شاید کسی کا شیشۂ دل چور ہو گیا
سودا کو، کہتے ہیں کہ ہے اُس سے مصاحبت — ق — کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا
اوروں کی نسبت اِن دنوں کچھ لگ چلا تھا یہ،
دو چار جھڑکیوں میں بہ دستور ہو گیا

قابو میں ہوں میں تیرے، گو اب جیا تو پھر کیا — خنجر تلے کسو نے ٹک دم لیا تو پھر کیا
کر قطع ہاتھ پہلے، تب فکر کر رفو کا — ناصح! جو یہ گریباں تو نے سیا تو پھر کیا
سودا! ہوئے جو عاشق، کیا پاس آبرو کا
سنتا ہے اے دوانے! جب دل دیا تو پھر کیا

چمن میں صبح جب اُس جنگ جو کا نام لیا — صبا نے تیغ کا آبِ رواں سے کام لیا
کمالِ بندگیِ عشق، ہے خداوندی — کہ ایک زن نے مہِ مصر سا غلام لیا
معاشِ اہلِ چمن جائے رشک ہے سودا! — ق — کہ زندگی کا انھوں نے مزہ تمام لیا

کسی کا اُن میں سے محسود ہے نہ والیِ روم
حسد کسی کو نہ اُس سے کہ جن نے شام لیا

کہیں نہ واسطے جاگیر کے ہیں مجُرائی
سلام کر کے کسو سے نہ ایک دام لیا

کبھو نہ اُن کو میں دیکھا تلاشِ خدمت میں
کبھو نہ فکر د تردّد سے کوئی کام لیا

اِدھر شروع کیا صُبح نغمہ بلبل نے
اُدھر بہار سے ہر ایک گُل نے جام لیا

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی، سو عاشق کا دل بنا

سرگرم نالہ اِن دِنوں میں بھی ہوں عندلیب!
مت آشیاں چمن میں مرے متّصل بنا

اپنا ہُنر دکھاویں گے ہم تجھ کو شیشہ گر!
ٹوٹا ہوا کسی کا اگر ہم سے دل بنا

موجِ آتش ہے سیل آنکھوں کی
شاید اِس دل کا آبلہ پھوٹا

گردِ ہستی نے دل کو دی ہے شکست
آئنہ اِس غبار سے ٹوٹا

تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا
لذّت کو اسیری کی کر یاد بہت رویا

سَودا سے یہ میں پوچھا، دل میں بھی کسی کو دوں؟
وہ کر کے بیاں اپنا روداد، بہت رویا

بے وجہ نہیں ہے آئنہ ہر بار دیکھنا
کوئی دم کو پھولتا ہے یہ گُل زار دیکھنا

ہر نقشِ پا پہ تڑپے ہے یار د ہر ایک دل
ٹک واسطے خُدا کے یہ رفتار دیکھنا

تجھ بن عجب معاش ہے سَودا کا اِن دِنوں
ق تو بھی ٹک اُس کو جا کے سِتم گار! دیکھنا

نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن
نے سیرِ باغ و نے گُل و گُل زار دیکھنا

خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب
تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

یا جاکے اُس گلی میں جہاں تھا ترا گزر — لے صُبح تا بہ شام کئی بار دیکھنا
تسکینِ دل نہ اِس میں بھی پائی تو بہرِ شغل — پڑھنا یہ شعر، گر کبھو اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں روزِ ہجر کو
پر جو خُدا دکھائے، تو ناچار دیکھنا

کونین تک ملے تھی جس دل کی مجھ کو قیمت — قسمت کہ یک نگہ پر جا اُس کو ڈال آیا
بخشش پہ دو جہاں کی آئی تھی ہمّتِ دہر — لیکن نہ یاں زباں تک حرفِ سوال آیا
نازاں نہ ہو تو اِس پر گر تجھ کو سنگ میں سے — گوہر نکالنے کا کسب و کمال آیا
اربابِ فہم آگے وہ صاحبِ ہُنر ہے ق — کینہ کسی کے دل سے جس کو نکال آیا
دیرِ خراب میں کل اک مست کی زباں پر — یہ شعر اُس جگہ کے کیا حسبِ حال آیا
اعمال دیکھ تیرے، مے شرم سے عرق ہے ق — اے محتسب! تجھے بھی کچھ انفعال آیا؟

اکسیر ہے تو کیا ہے وہ مشتِ خاک، سودا!
خاطر پہ جب کسی کی جس سے ملال آیا

ممانعت نے کیا تیری شہرۂ آفاق — وگرنہ میں ترے کوچے میں لاکھ بار آیا
گئے جہان سے کیا کیا ستیزہ جو تہِ خاک — کہ گُل بہار میں مجروح بے شمار آیا

خبر لو وادی میں سودا کی، یوں سُنا ہے آج
کہ ایک شوخ کسی بے گنہ کو مار آیا

تھا بہ جوانی فکر و تردّد، بعد از پیری پایا چین
رات تو کاٹی دکھ سُکھ ہی میں، صبح ہوئی آرام کیا

خاص کروں میں ہی نظّارہ تو تو دید کی لذّت ہے
کور بھلی یہ آنکھیں اُس دن جس دن جلوہ عام کیا
لذّت دی نہ اسیری نے صیّاد کی بے پروائی سے
تڑپ تڑپ کر مفت دیا جی، ٹکڑے ٹکڑے دام کیا
فخر نہیں اے شیخ مجھے کچھ دین میں تیرے آنے کا
راہب نے جب مُنہ نہ لگایا تب میں قبول اسلام کیا
ادب دیا ہے ہاتھ سے اپنے کبھو بھلاے خانے کا
کیسے ہی ہم مست چلے، پر سجدہ ہر یک گام کیا

نگر ہو آباد جس کے دل کا، نہ پوچھ اُس سے تو دُکھ ہمارا
یہ درد سُن اُس رئیس سے ٹک جو لُٹتے دیکھے دیار اپنا

جس کی ہم تیغِ نگہ سے ہوئے گھائل یارب
چشمِ زخم اُس سے زمانے کا رہے دور سدا
گو نہ دے شیشۂ گردوں مے گُل رنگ مجھے
خونِ دل سے تو مرا جام ہے معمور سدا
دوستو! سُنتے ہو، سوؔدا کا خدا حافظ ہے
عشق کے ہاتھ سے رہتا ہے یہ رنجور سدا

تلاشِ خضر بہرِ منزلِ مقصد نہ کر سوؔدا
کوئی خود رفتگی سے راہ بر بہتر نہیں ہوتا

صبا سے ہر سحر مجھ کو لہو کی باس آتی ہے
چمن میں آہ گُل چیں نے یہ کس بلبل کا دل توڑا

اُس مُرغِ ناتواں کی صیّاد! کچھ خبر ہے — جو چھوٹ کر قفس سے گُل زار تک نہ پہنچا

ساقی! چمن میں چھوڑ کے مجھ کو کدھر چلا — پیمانہ میری عمر کا ظالم تو بھر چلا
گُل مت سمجھو باغ میں اے عندلیبِ زار — غنچے کا دل دہن پہ کسی کے بکھر چلا

جو گزری مجھ پہ، مت اُس سے کہو، ہوا سو ہوا — بلاکشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مباد ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر — مرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہوا سو ہوا
کہے ہے سُن کے مری سرگذشت وہ بے رحم — یہ کون ذکر ہے، جانے بھی دو، ہوا سو ہوا
دیا اُسے دل و دیں، اب یہ جان ہے سوداؔ!
پھر آگے دیکھیے جو ہو سو ہو، ہوا سو ہوا

خونِ دل چشم سے بہتا تھا مرے دامن تک — موج زن تا بہ گریباں نہ ہوا تھا، سو ہوا

کیا اِس چمن میں آن کے لے جائے گا کوئی — دامن کو میرے سامنے گُل جھاڑ کر چلا

جو عمل چاہیے کیجے مرے دُکھ دینے کا — وہ نہ کیجے کہ کہے کوئی، سزاوار نہ تھا
پیار و اشفاق و وفا، مہر و محبت، الطاف — دل کو جس روز لیا، کون سا اقرار نہ تھا
شب تری بزم میں سوداؔ کو میں دیکھا جب تک
کچھ خموشی کے سوا اور سروکار نہ تھا

جب بزم میں بُتاں کی وہ رشکِ مہ گیا تھا — آپس میں ہر پری رو مُنہ دیکھ رہ گیا تھا

اختلاطِ اہلِ آبادی سے دل آیا ہے تنگ | اے خوشا وقتے کہ تنہا ہم تھے اور ویرانہ تھا
یک برہمن زادہ کل کہتا تھا یوں مَل مَل کے ہاتھ | ق | ہم میں اور سودا میں یارو کس قدر یارانہ تھا
چشمِ اہلِ قبلہ میں آج اُن نے کی جوں سُرمہ جا | حیف، ایسا شخص جو خاکِ درِ بُت خانہ تھا!

بے جرمِ نیم نگہ، تھا نہ قتلِ سودا فرض | اجل کے واسطے اُس کی یہ اک بہانہ تھا

سودا! جو ترا حال ہے، اِتنا تو نہیں وہ | کیا جانیے تو نے اُسے کس آن میں دیکھا

جل کر تو اے پتنگ گرا پائے شمع پر | ہوں داغ عذر دیکھ کے تیرے گناہ کا
حاضر ہے تیرے سامنے سودا، کر اُس کو قتل | مجرم یہ سب طرح سے ہے، پر یک نگاہ کا

اے زمزمہ پردازِ چمن! نالہ ہمارا | وہ مُرغ نہ سمجھے جو تہِ دام نہ آیا
آراستہ جو بزم ہوئی دورِ فلک میں | واں جام بہ جز گردشِ ایام نہ آیا
ہے رنگِ تماشائے جہاں صورتِ خورشید | جو صبح کو دیکھا، وہ نظر شام نہ آیا
تیشے سے بھی تھا کام بڑا ناخنِ غم کا | فرہاد! تجھے دے وہ سرانجام نہ آیا
آفات ہی اے چرخ اُٹھا جانی ہیں تو نے | ظالم! کسی گرتے کو تجھے تھام نہ آیا

ہنر ہے گرچہ فنِّ شاعری آفاق میں سودا | اگر ناداں کو یہ پہنچے، تو اِس میں عیب ہو پیدا

یہ پیاسا، موج زن دیکھے ہے دریائے کرم تیرا
در رنگ اِس میں ہے کیا، کہہ دے، سبو اپنا بھی بھر لے جا

نہیں گر نرگسِ شاداب اِس گلشن سے قسمت میں
تو یہ بھی ارمغاں اک طرح کا ہے، چشمِ ترلے جا

کیا جانے کس کی خاک ہو، رکھ ہوشِ نقشِ پا
یوں دھر قدم کہ تا نہ دبے دوشِ نقشِ پا
اُفتادگاں تک آن کے کیا لیں گے راہ زن
جز خاک کچھ نہیں ہے در آغوشِ نقشِ پا

مجھ گدا نے بھی کسو شاہ سے ڈالا نہ سوال
گو مجھے بخت نے اسکندر و دارا نہ کیا
دہر با نٹے تھا متاعِ دو جہاں اے سوداؔ
بے نوائی نے مری اُس کو اشارا نہ کیا

دیر و حرم کو دیکھا، اللہ ری فضولی!
یہ کیا ضرور تھا جب دل سا مکاں بنایا
تو مت بگاڑ اِس کو اے باغ باں کہ ہم نے
نزدیکِ آتشِ گل آپ آشیاں بنایا

ساقی! ہماری توبہ تجھ پر ہے کیوں گوارا
منّت نہیں تو ظالم ترغیب یا اشارا
یک بار ہی چھکا دے ساقی، کہ فصلِ گل کو
عرصہ کہاں جو دے تیں ساغر ہمیں دوبارا

سکھ نیند چاہتا ہے سوؤں زیرِ آسماں
سوداؔ، یہ کچھ شعور ہے، کامِ نہنگ و خواب!

دل کو نہ کر اُس کے تو گرفتار کسی کا
اِس میں ترے سوداؔ کا ضرر ہوئے گا یارب

کیوں اسیری پر مری صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہو گئے، کون سے گلشن خراب

فصلِ گل ہے، لیک گل گشتِ چمن کی کس کو تاب
مستِ ناز اپنے ہیں ساقی، میں سیہ مستِ شراب

گزری پل مارتے اِس طرح کہ جیسے شبِ وصل
بے خودی اپنی عجب بر سرِ احساں تھی رات

ہندو ہیں بُت پرست و مسلماں خُدا پرست
پوجوں میں اُس کسی کو جو ہو آشنا پرست

اِس دَور میں گئی ہے مروّت کی آنکھ پھوٹ
معدوم ہے جہان سے چشمِ حیا پرست

سوداے شخص کے تئیں آزردہ کیجیے!
اے خود پرست، حیف، نہیں تو وفا پرست

کیا جانیے یہ کس گُل و بُلبُل کا راز ہے
غُنچے کے رُک رہی ہے دہن پر جو آئی بات

پروانے اور شمع کی صحبت نہ مجھ سے پوچھ
اپنی نہ کہہ سکا تو کہوں کیا پرائی بات

مانے ہیں کسے واقفِ اسرارِ محبّت
پوجیں نہ خُدائی کو پرستارِ محبّت

کرتے ہیں اسیرِ قفس و دام بھی فریاد
لے سکتے نہیں سانس گرفتارِ محبّت

کیوں کر نہ کراہے وہ دل اے ناصحِ بے درد
جس دل میں کھٹکتا ہوا پڑا خارِ محبت

دعوا مری صحت پہ مسیحا کو غلط ہے
بچتے ہی نہ دیکھا کوئی بیمارِ محبّت

ہر جُرم کو ہے عفو ترے عہد میں ظالم!
گردن زدنی ہیں سو گنہ گارِ محبّت

باتوں سے کچھ اپنی نہیں تیرا گلہ منظور
شکوے سے مزا دیتی ہے گفتارِ محبّت

ٹک سادہ دلی پر تو مری رحم کر اے یار
ہوں تجھ سے ستم گر سے طلب گارِ محبّت

روتی تھی مرے حال پہ بے مہریِ افلاک
جس روز کیا تجھ سے میں اقرارِ محبّت

ہر خار سے اُلجھا ہے مرا دامنِ پرواز
ہوں رشتہ بپا بُلبُلِ گل زارِ محبّت

جن نے نہ دیکھی ہو شفقِ صبح کی بہار
آکر ترے شہید کو دیکھے کفن کے بیچ
آتش کدے میں دیکھ کہ شعلہ ہے بے قرار
آرام دل جلوں کو نہیں ہے وطن کے بیچ
سودا! میں اپنے یار سے چاہا کہ کچھ کہوں
ایسی کی یک نگہ کہ رہی من کی من کے بیچ

شیشے کو بھی توڑ دو تو نکلتی ہے اک آواز
عاشق ہی کا وہ دل ہے کہ ٹوٹے تو صدا ہیچ
اسبابِ جہاں دل نے کیا جب نظر انداز
پوچھا جو میں، کیا دیکھے ہے دیوانے! کہا، ہیچ
ناصح! تو نہیں چاشنیِ درد سے آگاہ
بے عشقِ بتاں جینے کی لذّت، بہ خدا ہیچ
کیا قافلۂ عمر سبک رَو ہے کہ جس میں
چاہے جو سُنے سامعہ آوازِ درا، ہیچ
شاہاں سے سوال، اپنی رعونت شکنی ہے
کونین تلک ورنہ ہے پیشِ فقرا، ہیچ
ہم شیخ کی سُنتے تھے مریدوں سے بزرگی
دیکھا جو اُنھیں جا کے تو عمّامے سوا، ہیچ
سودا سے کہا میں کہ ترے شہرے کو سُن کر ق
دیکھا جو تجھے آکے تو اے بے سر و پا، ہیچ
بولا کہ تجھے یاد ہے وہ مصرعِ بیدل
عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما، ہیچ

شمع میں ہر چند ہے سر سے گزر جانے کی طرح
کھُب گئی لیکن ہمارے دل میں پروانے کی طرح
یا تبسّم، یا نگہ، یا وعدہ، یا گاہے پیام
کچھ بھی ہے خانہ خراب! اس دل کے سمجھانے کی طرح

دیکھتا ہوں میں تری بزم میں ہر ایک کا منہ
طالبِ رحم کی نظروں سے گنہ گار کی طرح

ہوتی ہے ایک طرح سے ہر کام کی جزا
اعمالِ عشق کی ہے مکافات بے طرح

پوچھا پیام بر سے جو مَیں یار کا جواب
کہنے لگا، خموش، کہ ہے بات بے طرح
سودا! نہ مل، کر اپنی تو اب زندگی پہ رحم
ہے اس جواں کی طرزِ ملاقات بے طرح

لطفِ نشاطِ بادہ و حُسنِ ظہورِ صبح
مل کر ہوا ہے خلق وہ جانِ سُرورِ صبح
حلقے میں اُس کی زلف کے عارض پہ کر نظر
کچھ شب میں رہ گیا ہے گرہ کھا کے نورِ صبح
گزرے ہے چشم ترے مری یوں وہ سیم تن
جیسے کنارِ بحر سے ہووے عبورِ صبح

لعلِ حل کردہ ہے جوں ظرفِ بلوریں کے بیچ
پیرہن پہنے ہے جس دم وہ گُل اندام، سفید

کون ایسا ہے جسے دست ہو دل سازی میں
شیشہ ٹوٹے تو کریں ہم بھی ہنر سے پیوند

خرّمی پھرتی ہے یوں اِس دلِ پُرغم سے دور
جوں پھریں اہلِ طرب، خانۂ ماتم سے دور
کب تری داد کو پہنچے ہے فلک اے بُلبُل
زخمِ گُل کو جو رکھے بخیہ و مرہم سے دور
عقل نے ایک دن آ کر یہ کہا سودا سے
ق
پاس یا ہم سے رہا کیجیے یا ہم سے دور
لیکن اِتنا ہے کہ وہ کام نہ کیجو پیارے
جس کا ثمرہ رکھے تم کو دلِ عالم سے دور

بُلبُل کو کیا تڑپتے میں دیکھا چمن سے دور
یارب! نہ کیجیو تو کسی کو وطن سے دور
اے شمع! کچھ خبر ہے تجھے اُس پتنگ کی
جو بال و پر جلا کے پڑا ہے لگن سے دور

آشیاں باندھے ہے کس اُمید پر اے عندلیب
آتشِ گُل سے کوئی دن میں جلاتی ہے بہار
کس کو گُل گشتِ چمن کا ہے دماغ اے باغباں
کھینچ کر میرا گریباں یاں لے آتی ہے بہار
شورشن کر ہم نواؤں کا، اُبلتا ہے یہ دل
رخصتِ یک نالہ اے صیاد! جاتی ہے بہار
کس کی انکھیوں سے کہو آتی ہے مستی سیکھ کر
اس برس نرگس پہ کیا دھومیں مچاتی ہے بہار
خوش رہو اے عندلیبو اپنے گلشن میں، ہمیں
خانۂ زنجیر تھا خالی، بلاتی ہے بہار
اب خدا حافظ ہے سوداؔ کا، مجھے آتا ہے رحم
ایک تو تھا ہی دوانہ، تس پر آتی ہے بہار

رازِ دیر و حرم اِفشا نہ کریں ہم ہرگز
ورنہ واں کیا ہے جو ہو اپنی نظر سے باہر
دینے کو ملکِ سلیماں کے بلایا مجھ کو
پر، قدم میں نہ رکھا دل کے نگر سے باہر
جنسِ ناکارہ کے خواہاں ہیں، خریدیں مجھ کو
یہ وہ سودا ہے جو ہے نفع و ضرر سے باہر

دلِ ناآشنائے نالہ سے صد رہ جرس بہتر
نہ ہوں مژگاں جو خوں آغشتہ، اُن سے خار و خس بہتر
نہ دیکھی خوشدلی جز یک تبسم ہم نے غنچے میں
ہوائے اِس چمن کی، ہے دلا ترکِ ہوس بہتر

وفائے گُل میں، نے چشمِ مروّت باغباں میں ہے
نکل بُلبُل، کہ ہے اِس باغ سے کُنجِ قفس بہتر
شہیدِ رسمِ مُلکِ حُسن دل میرا ہے اے ہمدم
کہ سمجھے قتلِ فریادی جہاں ہر دادرس بہتر

کسے طاقت ہے شرحِ شوق اُس مجلس میں کرنے کی
اُٹھا دینے کے ڈر سے، سانس واں لیتے ہیں رہ رہ کر

ہوں گے پامال، نہ کر ہم کو رہا اے صیّاد — مشقِ پرواز نہیں تا سرِ دیوار ہنوز
آہ یہ کس کی شکایت مرے دل میں ہے کہ شرم — جس کو دیتی ہی نہیں رخصتِ اظہار ہنوز
رتبۂ شمعِ حرم کو میں بہم پہنچایا — ساتھ ہے جی کے وے الفتِ زُنّار ہنوز
تیری دوری سے عجب حال ہے اب سوداؔ کا — ق — میں تو دیکھا نہیں ایسا کوئی بیمار ہنوز
حق تعالا اُسے جیتا ہی رکھے دنیا میں — اِس قباحت سے نہیں ہے تو خبردار ہنوز
قیس و فرہاد کے ماتم سے تو جگ میں اب تک — دشت ہیں خاک بہ سر، روتے ہیں کہسار ہنوز

گُل کو چمن میں شاخ پہ اِتنا نہیں غرور — کرتا ہے تیرے ہاتھ پہ جو کچھ کہ جام، ناز

صدقے ترے، نہ کیجیو گلشن میں پھر گزر — اُس دن سے چاک کرتے ہیں گُل، پیرہن ہنوز

شبنم کرے ہے دامنِ گُل شست و شُو ہنوز — بُلبُل کے خون کا نہ گیا رنگ و بو ہنوز
غنچوں سے رنگ و بو کی تمنّا نکل چکی — تڑپے ہے خوں میں دل کی مرے آرزو ہنوز

سودا کا حال تو نے نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

ساقی! گئی بہار، رہی دل میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے، اور میں کہوں کہ بس

دیں شیخ و برہمن نے کیا یار فراموش
یہ سبحہ فراموش، وہ زنار فراموش
دیکھا جو حرم کو، تو نہیں دیر کی وسعت
اس گھر کی فضا کر گیا معمار فراموش
بھولے نہ مرے دل سے مرا مصرع جاں کاہ
نالہ نہ کرے مرغِ گرفتار فراموش
بھولا پھروں ہوں، آپ کو اک عمر سے لیکن
تجھ کو نہ کیا دل سے میں زنہار فراموش

داب نہ مجھ غریب کی بالیں تک آئے شمع
دل بے کسی کا مجھ پہ جلے ہے بجائے شمع
پروانے کے ہوں میں اثرِ عشق سے خجل
کیوں منفعل تجھے نہیں کرتی وفائے شمع

پھونک دی ہے عشق کی تب نے ہمارے تن میں آگ
دہکے ہے جوں شعلۂ فانوس، پیراہن میں آگ
لالۂ خود رو نہیں ہے، خون نے فرہاد کے
جوش میں آکر لگا دی کوہ کے دامن میں آگ

اے شیشہ گراں! دل کوئی ٹوٹا جو بنا دے
پیدا کرے پھر اور ہی کچھ شیشہ گری، رنگ

قائل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

بھری ہے دل میں ترے یاں تلک محبتِ غیر — کہ جا نہیں مرے کینے کو، مہر تو معلوم
سخن تو یار بھی سودا بُرا نہیں کہتے — دے جو چاہیں یہ اندازِ گفتگو، معلوم

کیا مچائی اُن نے میرے دل کے کاشانے میں دھوم
شور ہے جس کے لیے کعبے میں، بت خانے میں دھوم
زلف کو کھولا تو کر اِس دل کی شورش کا علاج
سخت دیوانے نے کی زنجیر کھُل جانے میں دھوم
مٹ گئے وہ شور دل کے، آہ تب آئی بہار
ورنہ کیا کیا ہم بھی کرتے شہر و ویرانے میں دھوم
تجھ نگاہِ گرم کی حسرت سے دل مارے ہے جوش
رات کو دیکھوں ہوں میں جب شمع و پروانے میں دھوم
کب سے اے سودا شراب اِس بزم میں پیتے ہیں یار
تو نے اے کم ظرف! کی پہلے ہی پیمانے میں دھوم

سودا! نہ کہتے تھے کہ کسی کو تو دل نہ دے — رُسوا ہوا پھرے ہے تو اب در بہ در کہ ہم

خندۂ گُل بے نمک، فریادِ بلبل بے اثر — اِس چمن سے آہ جا کر کیا کریں گے یاد ہم

یہ قطعہ پڑھے تھا سوزِ دل سے — سودا کے جو رات گھر گئے ہم
جوں شمع لبوں تک آرہا جی — تن تھا، سو گُداز کر گئے ہم
اِتنی بھی پتنگ، پیش قدمی! — گر شام نہیں، سحر گئے ہم
ہوگی نہ کسی کو یہ خبر بھی — اِس مجلس سے کدھر گئے ہم

نہ دیکھا اِس سوا کچھ لطف اے صبحِ چمن تیرا
گُل ایدھر لے گئے گُل چیں، گئی روتی اُدھر شبنم

بھلا گُل! تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بتا، روتی ہے کس کی ہستیِ موہوم پر شبنم

کہیں مہتاب نے دیکھا ہے اُس خورشیدِ تاباں کو، پھرے ہے ڈھونڈتا ہر شب جہاں آباد کی گلیاں

بلبل! چمن میں کس کی ہیں یہ بد شرابیاں ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

اندامِ گُل پہ ہو نہ قبا اِس مزے سے چاک جوں خوش چھبوں کے تن پہ مسکتی ہیں چولیاں

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا، کہتے ہیں یہ اگر سچ ہے، تو ظالم، اِسے کیا کہتے ہیں!
جس سے پوچھا کہ دلِ خوش ہے کہیں دنیا میں رو دیا اُن نے اور اِتنا ہی کہا، کہتے ہیں

کسی کی مرگ پر اے دل نہ کیجے چشم تر ہرگز
بہت سا رو دیئے اُن کو جو اِس جینے پہ مرتے ہیں

غُنچے کِھلے ہیں کیونکر تجھ سے صبا! چمن میں وا شُد کی رسم ہم تو مفقود جانتے ہیں

بہار آئی تو آئی، اِس سے خوشی نہیں ہے کچھ اپنے دل کو
فسردہ خاطر جو ہوئے اُس کو ہے فصلِ گُل میں عذاب گلشن

یار آزردہ ہوا رات جو مے نوشی میں ــــ کیا ہوا ہم سے خُدا جانیے بے ہوشی میں
بھولنا ہم کو نہیں شرطِ مروّت کہ ہمیں ــــ یاد تیری ہے، دو عالم کی فراموشی میں

ساقیا! بزم نہیں آج خلل سے خالی ــــ جام کچھ اوروں سے دیتا ہے تو ہمو ہمیں

نہ تلطّف، نہ محبّت، نہ مروّت، نہ وفا ــــ سادگی دیکھ کہ اِس پر بھی ملا جاتا ہوں
ناتواں مرغ ہوں میں، اے رُفقائے پرواز! ــــ اِتنا آگے نہ بڑھو تم کہ رہا جاتا ہوں
گرم جوشی نہ کرو مجھ سے کہ مانندِ چنار ــــ اپنی ہی آگ میں میں آپ جلا جاتا ہوں

بے اختیار مُنہ سے نکلے ہے نام تیرا ــــ کرتا ہوں جس کسی کو پیارے خطاب تجھ بن
مل جا جو چاہتا ہے سودا کی زندگانی ــــ کچھ بے طرح سے اُس کو ہے اضطراب تجھ بن

اِن خوش قدوں کی چال کا انداز کیا کہوں ــــ ٹھوکر لگے ہے دل کے تئیں جس خرام میں
سودا سے ہم سخن ہے جس انداز سے وہ شوخ ــــ آتی ہے بُو لہو کی مجھے اُس کلام میں

تم جن کی ثنا کرتے ہو، کیا بات ہے اُن کی ــــ لیکن ٹک اِدھر دیکھیو اے یار، بھلا میں
کیفیتِ چشم اُس کی تجھے یاد ہے سودا! ــــ ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

ناوک ترے نے صید نہ چھوڑا زمانے میں ــــ تڑپے ہے مرغِ قبلہ نُما اپنے خانے میں
اے مرغِ دل، سمجھ کے تو چشمِ طمع کو کھول ــــ ورنہ تُنا ہے دام جسے، ہے وہ دانے میں
سودا! خدا کے واسطے کر قصّہ مختصر ــــ اپنی تو نیند اُڑ گئی تیرے فسانے میں

سجدہ کیا صنم کو میں دل کے کُنشت میں
کہ اُس خُدا سے شیخ! جو ہے سنگ و خشت میں
گزرا ہے آبِ چشم مرے سر سے بار ہا
لیکن نہ وہ مٹا کہ جو تھا سرنوشت میں

یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ سچ مچ کرو الطاف
جھوٹی بھی تسلّی ہو تو جیتا تو رہوں میں

بُلبُلِ تصویر ہوں جوں نقشِ دیوارِ چمن
نے قفس کے کام کا ہرگز، نہ درکارِ چمن
کیا گلہ صیاد سے ہم کو، یوں ہی گزری ہے عمر
اب اسیرِ دام ہیں، تب تھے گرفتارِ چمن

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے، کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں
ہر ہر ذرّے میں مجھ کو ہی نظر آتا ہے
تم بھی ٹک دیکھو تو صاحب نظراں، ہے کہ نہیں
پاسِ ناموس مجھے عشق کا ہے اے بُلبُل
ورنہ یاں کون سا اندازِ فغاں ہے کہ نہیں
دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں
کچھ علاج ان کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں
جُرم ہے اُس کی جفا کا کہ وفا کی تقصیر؟
کوئی تو بولو میاں، مُنہ میں زباں ہے کہ نہیں
پوچھا اک روز میں سودا سے کہ اے آوارہ ق
تیرے رہنے کا معیّن بھی مکاں ہے کہ نہیں
یک بہ یک ہو کے برآشفتہ لگا یہ کہنے
کچھ تجھے عقل سے بہرہ بھی میاں ہے کہ نہیں
دیکھا میں قصرِ فریدوں کے در اوپر اک شخص
حلقہ زن ہو کے پُکارا، کوئی یاں ہے کہ نہیں

اسباب سے جہاں کے کچھ اب پاس گو نہیں
یہ فکر تو نہیں کہ یہ ہے اور وہ نہیں
آنکھیں تو ایسی خلق نہ ہوئیں، نہ ہوئیں گی
پر چاہیے کہ اِن میں مروّت ہو، سو نہیں

جی تک تو دے کے یوں کہ تو ہو کارگر کہیں
اے آہ! کیا کروں، نہیں بکتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہے صُبح، نہ آتی ہے مجھ کو نیند
جس کو پُکارتا ہوں، سو کہتا ہے، مر کہیں

ساقی! ہے یک تبسّمِ گُل، فرصتِ بہار
ظالم! بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں

جادو بھری ہیں چشم، مت آئینے کو تو دیکھ
دھڑکے ہے دل مرا کہ نہ پلٹے نظر کہیں

نے بُلبُلِ چمن، نہ گلِ نَو دمیدہ ہوں
میں موسمِ بہار میں شاخِ بُریدہ ہوں

گریاں نہ شکلِ شیشہ، و خنداں نہ طرزِ جام
اِس مے کدے کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

تو آپ سے زباں زدِ عالم ہے، ورنہ میں
یک حرفِ آرزو، سو بہ لب نارسیدہ ہوں

کوئی جو پوچھتا ہو، یہ کس پر ہے داد خواہ!
جوں گُل ہزار جا سے گریباں دریدہ ہوں

کس سے کروں میں دعویٰ دل جا کے اے خدا!
دل دادۂ زُلف، رُخِ دل بر نہ دیدہ ہوں

میں کیا کہوں کہ کون ہوں سوداؔ، بہ قولِ دردؔ
”جو کچھ کہ ہوں سو ہوں، غرض آفت رسیدہ ہوں“

سخت مشکل ہے کہ ہر بات کنایہ سمجھو
ہے زباں میرے بھی، گفتار کروں یا نہ کروں

ہے وہی گردنِ عشّاق کہ جز تیغِ جفا
ہو حمائل نہ کبھو دستِ نگاریں جس میں

ہجر اور وصل سے کچھ کام نہیں ہے ہم کو
بات وہ کیجے کہ ٹک دل کو ہو تسکیں جس میں

لطف کیا رکھتی ہے اُس باغ کی سیر اے سوداؔ
شاخ پر دیکھنے دے گل کو نہ گُل چیں جس میں

گدا دستِ اہلِ کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

نہ دیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے
سو یک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں

غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

حبابِ لبِ جو ہیں اے باغباں ہم
چمن کو ترے کوئی دم دیکھتے ہیں

خُدا دشمنوں کو نہ وہ کچھ دکھادے | جو کچھ دوست اپنے سے ہم دیکھتے ہیں
مٹا جائے ہے حرف حرف آنسوؤں سے | جو نامہ اُسے کر رقم دیکھتے ہیں
مگر تجھ سے رنجیدہ خاطر ہے سوؔدا! | اُسے تیرے کوچے میں کم دیکھتے ہیں

لختِ جگر آنکھوں سے ہر آن نکلتے ہیں | یہ دل سے محبّت کے ارمان نکلتے ہیں

خوبوں میں دل دِہی کی روش کم بہت ہے یاں | خواہانِ جاں جو چاہو تو عالم بہت ہے یاں
غافل نہ رہ تو اہلِ تواضع کے حال سے | تیغ و کماں کی طرح خم و چم بہت ہے یاں
چشمِ ہوس اُٹھائے تماشے سے جوں حباب | نا دیدنی کا دید بس اک دم بہت ہے یاں
خونِ جگر بہ آدم و لوزینہ ہے بہ گاو | صورت معاشِ خلق کی برہم بہت ہے یاں
دیکھا جو باغِ دہر تو مانندِ صبح و گل | کم فرصتی ملاپ کی باہم بہت ہے یاں
سوؔدا کہ اُس سے، دل کی تسلّی کے واسطے | گوشے سے چشم کے نگہ کم بہت ہے یاں

نے فکر ہے دُنیا کی، نہ دیں کا متلاشی | اِس ہستیِ موہوم میں کس کام کا ہوں میں
یک رنگ ہوں، آتی نہیں خوش مجھ کو دورنگی | منکر سخن و شعر میں ایہام کا ہوں میں

کس کس طرح کی دیکھیں اِس باغ کی فضائیں
کیدھر گئے وہ ساقی، وہ ابر، وہ ہوائیں

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں | دو چار گھڑی رونا، دو چار گھڑی باتیں

ہم ساقیِ قسمت سے بہ ہر شکل ہیں راضی | یاں فرق نہیں ذائقۂ شربت و سم میں

ایک عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ
پر کبھو میں نہ کہا اُس سے کہ دوراں! مجھ کو
کس کی ملّت میں گنوں آپ کو، بتلاے شیخ
تو مجھے گبر کہے، گبرِ مسلماں مجھ کو

مے کشاں! روح ہماری بھی کبھو شاد کرو
ٹوٹے گر بزم میں شیشہ تو ہمیں یاد کرو

کرے ٹک منفعل کو ئی مرے بے درد قاتل کو
دکھا دے خاکِ پروانہ پہ گریاں شمعِ محفل کو

اب دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت کا جو بدا ہو، الٰہی شتاب ہو
اِس کش مکش سے دام کی کیا کام تھا ہمیں
اے الفتِ چمن! ترا خانہ خراب ہو

کیجے نہ اسیری میں اگر ضبط نفس کو
دے آگ ابھی شعلۂ آواز، قفس کو
ترغیب نہ کر سیرِ چمن کی ہمیں سودا
ہر چند ہوا خوب ہے واں، لیک ہوس کو!

ہمیں، گر نالۂ کنجِ قفس کہیے، تو آتا ہے
چمن کے زمزمے کرنا، گرفتاروں سے مت پوچھو
طلب گارِ نشاں ہم سے ہوا اُس خوش قد کے کوچے کے
بہشت و سایۂ طوبا، گنہ گاروں سے مت پوچھو
فراموش اِن دنوں ہم شہریوں کے دل سے سودا ہے
خبر اُس کی، جہاں آباد کے یاروں سے مت پوچھو

بس ہو تو رکھوں آنکھوں میں اُس آفتِ جاں کو
اور دیکھنے دوں میں نہ زمیں کو نہ زماں کو
اسرارِ خرابات سے واقف ہو جو زاہد
کعبے سے نہ کم سمجھے درِ پیرِ مُغاں کو

مت دیر و حرم کے تو سمجھ سجدے میں کچھ فرق
پتھر ہی کا جب پوجنا آیا تو کہیں ہو

سودا کے خیالات میں جھمکے ہے خدائی
جو اپنے تخیل میں یہ چاہے سو وہیں ہو

گزری سو گزری اہلِ زمیں اوپر اے فلک
آیندہ یاں تلک تو کوئی خوب رو نہ ہو

غمزہ، ادا، نگاہ، تبسم ہے دل کا مول
تم بھی اگر ہو اس کے خریدار، کچھ کہو

ہر آن آ مجھی کو ستاتے ہو ناصحو!
سمجھا کے تم اُسے بھی تو یک بار کچھ کہو

اے ساکنانِ کنجِ قفس! صبح کو صبا
سُنتے ہیں، جائے گی سُوئے گلزار، کچھ کہو

عالم کی گفتگو سے تو آتی ہے بوے خوں
بندہ ہے یک نگہ کا گنہ گار، کچھ کہو

روا ہے کہ تو بھلا اے سپہرِ ناانصاف!
ریاے زہد چھپے، رازِ عشق رسوا ہو

لٹی مے، اُٹھ گیا ساقی، مرا بھی پُر ہو پیمانہ
الٰہی! اس طرح دیکھوں میں کن آنکھوں سے مے خانہ

بِنا ہی اُٹھ گئی یارو غزل کے خوب کہنے کی
کیا مضمون دنیا سے، رہا سودا سو مستانہ

آ پہنچ ساقی کہ پھر ایام کب آتے ہیں یہ
فصلِ گُل کے کچھ گئے دن، کچھ چلے جاتے ہیں یہ

غیرتِ عشق آ کے اے سودا تو پروانوں سے سیکھ
شمع سے اپنا بھی ملنا دیکھ، جل جاتے ہیں یہ

شیخ تو کعبے کو پہنچے ہے کرامات کی راہ
حرم دل کو جو پہنچا سو خرابات کی راہ

باز آ پھرنے سے تو کوے بُتاں کے سودا!
جب نہ تب چلتے ہیں دیکھا تجھے آفات کی راہ

شیشی تھی جام کی، سوگئی جانِ جَم کے ساتھ
وابستہ ہے طلسمِ جہاں اپنے دم کے ساتھ

پروانۂ تجلّیِ وحدت ہو اور دیکھ
نورِ چراغِ دیر ہے شمعِ حرم کے ساتھ

سودا غلامِ لطف و محبّت ہے، ورنہ یاں
کن نے اُسے خریدا ہے دام و درم کے ساتھ

آلایشِ ہستی میں کیوں کر ملوں جاناں سے
ٹک رہ کہ ابھی ہوں میں گردِ سفر آلودہ

ق

سودا سے کہا میں نے، کیوں تجھ سے نہ کہتے تھے
لب عشق کے ساغر سے ظالم نہ کر آلودہ

اب دیکھ تو حال اپنا ٹک رحم کی نظروں سے
ناحق کی بلا میں تو ہے کس قدر آلودہ

آنکھیں تری رکھتی ہیں دامان و گریباں کو
خوناب کے قطروں سے شام و سحر آلودہ

جس سمت نگہ کیجے ادھر نظر آتا ہے
لوہو سے ترے سر کے دیوار و در آلودہ

اِس بات میں اے ناداں بتلا تو مزا کیا ہے
پانوٗں سے جو تو خوں میں ہے تا بہ سر آلودہ

جس وقت غرض اُن نے یہ بات سُنی مجھ سے
اِتنا ہی کہا بھر کر آہِ اثر آلودہ

لذّت کو بلاہل کی کیا اُن کو بتاؤں میں
ہے کام و دہن جن کا شہد و شکر آلودہ

خوب دیکھا مَیں جہاں، اہلِ جہاں بھی دیکھے
ایک زنداں ہے کہ جس میں ہیں گنہ گار کئی

پیام اب تو دیا ہے نامہ بر کو، آ گئے یا قسمت
دو چار اُس سے ہوئے پر خواہ بھولے خواہ یاد آوے
فراموش اب کرے تو دانہ کیوں کر شعر کہنے کو
کہ جو شخص آپ کو بھی گاہ بھولے گاہ یاد آوے

نچے سے مسکرا کے اُسے زار کر چلے
نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے
ے جو بزم میں، تو اُٹھا چہرے سے نقاب
پروانے ہی کو شمع سے بیزار کر چلے

تل پہ مرے آ کر انصاف لگا کہنے
تقصیر ہے یاں آگے تعزیر نظر آئی
ن باغ میں اک گُل کو خنداں جو کہیں دیکھا
سَو غنچے کی واں صورت دل گیر نظر آئی
کی عمرِ عبث ضائع خدمت میں مُہوّس کی
خاک اپنی ہی جب دیکھی، اکسیر نظر آئی
دیکھی نہ بِنا ہم نے وہ قصرِ فریدوں کی
جو اپنے خرابے کی تعمیر نظر آئی

جو طبیب اپنا تھا، دل اُس کا کسی پر زار ہے
مژدہ باد اے مرگ! عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے
اشک کا قطرہ نہ تھا آنکھوں سے جس کی رنگ شناس
اُس کی، نیرنگِ فلک سے، ہر پلک خوں بار ہے
دیکھ کر جس مہر دش کو، صبر، ہنگامِ ادا
بیش کش اپنا گریباں کرنے میں ناچار ہے
صبح یوں نکلے ہے وہ گھر سے کہ جوں خطِ شعاع
جیب کا بکھرا ہوا چھاتی پہ ہر یک تار ہے
وہ قدم جن کو رگِ گُل سے بھی ہوتی تھی خلش
سجدہ گاہِ سنگ ہے یا بوسہ گاہِ خار ہے

پیغام بر نے دیر لگائی تو ہے، وے — دھڑکے ہے دل کہ یہ نہ کہے، رات ہو گئی
مستی سے اُس نگاہ کی لے محتسب خبر — دُنیا تمام بزمِ خرابات ہو گئی
ملنا ترا ہر ایک سے میں کیا بیاں کروں — عالم سے مجھ کو ترکِ ملاقات ہو گئی
یارو! وہ شرم سے جو نہ بولا تو کیا ہوا — نظروں میں سو طرح کی حکایات ہو گئی

سودا! کسی کو وہ تو ستاوے نہ بے سبب
کیا جانیے کہ تجھ سے بھی کیا بات ہو گئی

تو ہی کچھ اپنے سر پہ نہ یاں خاک کر گئی — شبنم بھی اِس چمن سے، صبا! چشم تر گئی
مت پوچھ یہ کہ رات کٹی کیوں کے تجھ بغیر — اِس گفتگو سے فائدہ، پیارے، گزر گئی

اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی چلے گئے — پھر پھر گُل آ چکے، پہ سجن تم بھلے گئے
اے شمع! دل گداز کسی کا نہ ہو، کہ شب — پروانہ داغ تجھ سے ہوا، ہم جلے گئے

سودا! جہاں میں آکے کوئی کچھ نہ لے گیا — جاتا ہوں ایک میں دلِ پُر آرزو لیے

دل ہو تو نالہ کر سکے تاثیر، سنگ ہے — اُس سینے میں، معاف ہو تقصیر، سنگ ہے
اب نسبت اُن سے خانۂ دل کو نہ دوں کبھو — دیر و حرم کی دیکھ لی تعمیر، سنگ ہے

کہے تھا ریختہ کہنے کو عیب ناداں بھی — سو یوں کہا میں کہ دانا ہنر لگا کہنے

آتے نہیں نظر میں کسی کی جو ہم تو کیا — عالم تو سب طرح کا ہماری نظر میں ہے

ہے اب جہاں میں بدگہری کس ہنر سے کم　　　عیب اِس زمانے میں جو کہو سو ہنر میں ہے

صورت میں تو کہتا نہیں ایسا کوئی کب ہے　　　اک دھج ہے کہ وہ قہر ہے، آفت ہے، غضب ہے
کیا چیز ہے وہ، دل جسے کہتے ہیں الٰہی!　　　یک قطرۂ خوں سینے میں آفات طلب ہے
اک طرز ہو اُٹھ جانے کی دل کے، تو کہوں میں　　　ہے جو حرکت، جان کی غارت کا سبب ہے
دشنام تو دینے کی قسم کھائی ہے، لیکن　　　جب دیکھے ہے وہ مجھ کو، تو اک جنبشِ لب ہے

سمجھ نہ دوستی میں زندگیِ خضر کا طول　　　کہ عمرِ دوستی تا امتحان ہے سب کی
مآلِ مردمِ ماضیّ و حال و استقبال　　　سُنا، تو ایک سی کچھ داستان ہے سب کی

شکوہ ہے جور و جفا کا ترے کس کافر کو　　　مجھ پہ جو گزری، سو میری ہی وفاداری سے

تھے عقدے غنچوں کے دل میں طرف سے بُلبُل کے　　　نسیمِ صبح نے آ در میان کھول دیے

انصاف کس کو سونپیے اپنا بہ جز خدا　　　منصف جو بولتے ہیں سو تجھ سے ڈرے ہوئے

لے چلوں سودا تجھے کیونکے گھر اُس شوخ کے　　　گر وہ ترا اسم و رسم پوچھے تو کیا کیجیے

دہن غنچے کا جب دیکھوں ہوں گوشِ گُل پہ گلشن میں　　　تو اپنا دردِ دل کہنا کسو سے یاد آتا ہے

گوہر کو جوہری اور صرّاف، زر کو پرکھے　　　ایسا کوئی نہ دیکھا وہ جو بشر کو پرکھے

تھی سرد مہری اُس کی آبِ حیات دل کو — جھوٹے تپاک نے تو کچھ آگ ہی لگائی

گر تجھ میں ہے وفا تو جفا کار کون ہے — دل دار تو ہوا تو دل آزار کون ہے
سودا کو جُرمِ عشق سے کرتے ہیں آج قتل — پہچانتا ہے تو، یہ گنہ گار کون ہے؟

اِس قدر سادہ و پُرکار کہاں دیکھا ہے — بے نمود اِتنا نمودار کہیں دیکھا ہے
نظر آتی ہی نہیں شکلِ رہائی، مجھ سا — ساعتِ بد کا گرفتار کہیں دیکھا ہے!
پھرے ہے کوچۂ و بازار میں تو کیوں سودا — جنسِ دل کا بھی خریدار کہیں دیکھا ہے!

جوں گُل ہے مجھ پہ احساں کیا ساقیِ ازل کا — میرے لہو سے مجھ کو یک جام بھر دیا ہے
سودا سے یہ کہا میں، کچھ ذکر کر کسی کا — ق — خاموشی نے تو تیری عالم کا جی لیا ہے
بولا، بیان سن کر کس کا خوشی ہو تجھ کو — اس غم کدے میں آکر دل کن نے خوش کیا ہے
یارانِ حال کا تو ہے ذکر نوحہ آسا
مذکورِ رفتگاں کا سنیے تو مرثیا ہے

لب تشنگانِ جامِ تسلیم ہم ہیں ساقی — یا بادہ یا ہلاہل، جو ہو سو داہ دا ہے
دریا دلوں سے مطلب جوں لعل یاں کسے ہے — آتش نے اپنی ہم کو سیراب کر رکھا ہے
اِس وضع کے بشر کو کس ساتھ ہو کدورت — کچھ خود بہ خود ہی اپنا دل خاک ہو رہا ہے

نسیم ہے ترے کوچے میں اور صبا بھی ہے — ہماری خاک سے ٹک دیکھ کچھ رہا بھی ہے
ترا غرور، مرا عجز، تا کجا ظالم! — ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

جلے ہے شمع سے پروانہ اور میں تجھ سے　　کہیں بھی مہر ہے جگ میں، کہیں وفا بھی ہے
خیال اپنے میں گو ہوں ترانہ سنجاں مست　　کراہنے کو دلوں کے کبھی سُنا بھی ہے
زبانِ شکوہ سوا، اب زمانے میں ہیہات　　کوئی کسو سے بہ ہم دیگر آشنا بھی ہے
ستم روا ہے اسیروں پہ اس قدر صیاد!　　چمن چمن کہیں بلبل کی اب نوا بھی ہے

سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ خار پر مجنوں
کہ اِس نواح میں سوداؔ برہنہ پا بھی ہے

کب تابِ قفس لا سکے وحشت مری صیاد!　　یک الفتِ گُل بس ہے کہ سوداؔ یہی ہے

خاموش عندلیبِ چمن، تجھ سے کیا ہے بحث　　اپنا سخن تو مُرغِ گرفتار ساتھ ہے
کرتے تو ہو مرے مرضِ دل کا تم علاج　　یارو، جو دل یہی ہے تو آزار ساتھ ہے

ہر دم جو مجھ سے پوچھے ہے تو، کیا ہے دُکھ تجھے
کہنے کا تجھ سے فائدہ، بے درد! ہے سو ہے

نہ پوچھ حال ہمارا کہ ایسی باتوں کے　　کوئی سُنے سے، ترے دل کو درد آتا ہے

اِس چال کے نبھنے کا کچھ اسلوب نہیں ہے　　یہ کج روشی ہم سے فلک! خوب نہیں ہے
اُلفت میں ہماری بھی اثر چاہیے سوداؔ　　ہر چند وفا شیوۂ محبوب نہیں ہے

نہیں جوں گل طلبِ ابرِ سیاہ ہے گا ہے　　خار ہوں خشک میں، اے برق! اتنگا ہے گا ہے

تو بہ ہم ملنے سے خوباں کے تو کی ہے لیکن — دیکھ لیتے ہیں کسی کو سرِ راہے گاہے
بولے ہے سن کے، جو آتا ہے مرا کچھ مذکور — ق — اُس کے آگے کسی تقریب سے گاہے گاہے
وہی سودا ہے نہ، کوچے میں ہمارے جو شخص — نظر آ جائے ہے نا حالِ تباہے، گاہے

پہنچی نہ تجھ کو آہ مرے حال کی خبر — قاصد گیا تو اُن نے بھی اپنی ہی کچھ کہی

رہا کرنا ہمیں صیاد، اب پامال کرنا ہے — پھڑکنا بھی جسے بھولا ہو، سو پرواز کیا سمجھے
کہا جاہے تھا کچھ تجھ سے میں، لیکن دل دھڑکتا ہے — کہ میری بات کے ڈھب کو تو اے طناز کیا سمجھے
جو گزری رات میرے پر، کسے معلوم ہے تجھ بن — دلِ پروانہ کا جز شمع کوئی راز کیا سمجھے

نہ پڑھیو یہ غزل سودا تو ہرگز میر کے آگے
وہ ان طرزوں سے کیا واقف، وہ یہ انداز کیا سمجھے

ہے قسم تجھ کو فلک، دے تو جہاں تک چاہے — جلوۂ حسن اُسے، حسرتِ دیدار مجھے

شکر صد شکر، نہیں میں کسو خاطر کا غبار — خاک کعبے کی ہوں یا گردِ صنم خانے کی

ٹالا ہی تھا پہاڑ کو فرہاد نے، وے — آئی کو کیا کرے جو وہ سر سے نہ ٹل سکے
سودا، جنھیں خدا نے دیا ہے شعور و فہم — ق — اُن کا حنائے عیش پہ دل کیونکے چل سکے
عرصہ تو زندگی کا نہیں اس قدر بھی یاں — افسوس میں کسی کے کوئی ہاتھ مل سکے

اب تو گلی سے تیری جانا ہی مصلحت ہے — دیکھیں گے پھیر آ کر، جیتے اگر رہیں گے

نے ضررِ کُفر کو، نے دین کا نقصاں مجھ سے   باعثِ دشمنی اے گبر و مسلماں مجھ سے!

کیوں عندلیب، کہ تو بھلا، اب کہاں ہے گُل   جز یہ کہ دل خراشیِ حسرت ہے خار سے

سودا کی جو بالیں پہ گیا شورِ قیامت   خدّامِ ادب بولے، ابھی آنکھ لگی ہے

مجھے بھی خواہش ایسی زندگانی کی نہیں ظالم   ہے ایسا ہی جو قتلِ بے گنہ منظور، بہتر ہے

کون محشر میں ہمارے خون کی دیوے گا داد
جب تو بولے گا کہ ہم قاتل ہیں، یہ مقتول ہے

رحم کچھ آپ ہی (جیے) آوے تو آوے، ورنہ یاں
آہ ہے سو بے اثر، نالہ سو بے تاثیر ہے

گُل پھینکے ہے عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی   اے خانہ برانداز چمن! کچھ تو ادھر بھی
کیا ضد ہے خدا جانیے مجھ ساتھ، وگرنہ   کافی ہے تسلّی کو مری ایک نظر بھی
کس ہستیِ موہوم پہ نازاں ہے تو اے یار   ق   کچھ اپنے شب و روز کی ہے تجھ کو خبر بھی
تنہا ترے ماتم میں نہیں شام سیہ پوش   رہتا ہے سدا چاک گریبانِ سحر بھی
سودا! تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو، ٹک تو کہیں مر بھی

ہزار حرف شکایت کا، دیکھتے ہی تجھے
زباں پہ، شکر ہو، بے اختیار گزرے ہے
کہے ہے آج ترے در پہ اضطرابِ نسیم
کہ اِس جہاں سے کوئی خاکسار گزرے ہے
مجھے تو دیکھ کے جوش و خروش سودا کا ق
اِسی ہی سوچ میں لیل و نہار گزرے ہے
یہ آدمی ہے کہ سر مارتا پھرے ہے بہ سنگ
کہ بادِ تند سوے کوہ سار گزرے ہے

اُس دل کی تفِ آہ سے کب شعلہ بر آوے
بجلی کو دمِ سرد سے جس کے حذر آوے
یاں تک نہ دل آزارِ خلائق ہو، جو کوئی
مل کر لہو مُنہ سے، صفِ محشر میں در آوے
کیا ہو جو قفس تک مرے اب صحنِ چمن سے
دو برگ لیے گُل کے، نسیمِ سحر آوے

نسیم اگر قدمِ دوستی بجا لاوے
یہ مشتِ پر ہیں قفس میں، چمن کو پہنچاوے
درختِ خشک ہوں اس باغ میں، خدا نہ کرے
کہ باغباں مرے احوال سے خبر پاوے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے
قاتل! ہماری نعش کو تشہیر ہے ضرور
آیندہ تا کوئی نہ کسی سے وفا کرے
اِتنا لکھا ئیو مری لوحِ مزار پر
یاں تک نہ ذی حیات کو کوئی خفا کرے

فکرِ معاش و عشقِ بتاں، یادِ رفتگاں
اِس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
عالم کے بیچ پھر نہ رہے رسمِ عاشقی
گر نیم لب کوئی ترے شکوے سے وا کرے
گر ہو شراب و خلوت و محبوبِ خوب رو
زاہد! قسم ہے تجھ کو، جو تو ہو تو کیا کرے

اے خضر! از خود رفتگی کیا طرفہ سفر ہے
جس میں کہ نہ بھولیں، نہ کوئی راہ بتاوے

تجھ تیغ تلے کہ تو رستم ہے کہ سر دھر دے
پیارے، یہ ہمیں سے ہو، ہر کارے و ہر مردے

ق

سوداؔ سے کہا میں نے کل سیرِ گلستاں میں
یہ وقتِ خموشی ہے، ظالم! غزلے، فردے
سنتے ہی غرض اِس کے، یہ شعر پڑھا اُن نے
جس شعر کا ہر مصرع آہِ دلِ پُر درد دے
کھلنے تو لگا ہے دل جوں غنچہ ہمارا بھی
لیکن نہ صبا تجھ سے، گا ہے بہ دمِ سردے

ہم زمزمہ کب مرغِ چمن ہو سکے مجھ سے
تا کنجِ قفس میں وہ گرفتار نہ ہووے

پھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھو ڈرتے ڈرتے
حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے
کیا ہمیں فائدہ آنکھوں سے، بہ قولِ سوداؔ
پھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھو ڈرتے ڈرتے

پیش از ظہورِ مرغِ چمن، خاد مانِ عشق
بٹتے تھے رشتۂ رگِ گل، دام کے لیے
سوداؔ! ہزار حیف کہ آکر جہاں میں ہم
کیا کر چلے اور آئے تھے کس کام کے لیے

وہی جہاں میں رموزِ قلندری جانے
بھبھوت تن پہ، جو ملبوسِ قیصری جانے
زباں دہن میں تو غنچے کے بھی ہے، کیا لازم
کہ جس کے مُنہ میں زباں ہو، سخن وری جانے

پاس اب ہمارے نکہتِ گُل کو نہ لا نسیم!
دل سے ہوس چمن کی اسیروں نے دور کی

عدو بھی ہو سببِ زندگی جو حق چاہے نسیمِ صُبح ہے روغن چراغ میں گُل کے

چمن گُم کردہ فصلِ گُل میں وہ آوارہ بُلبُل ہوں
کہ جس کا آشیاں کُنجِ قفس ہووے اگر ہووے

تجھے آزردہ دل اِس بزم میں پاتا ہوں اے سوداؔ
نہیں معلوم تجھ سے کا دشِ احباب ہے، کیا ہے

چاہنا بزمِ تعیّش کا ہوس ناکی ہے — دُشمنِ دورِ قدح، گردشِ افلاکی ہے

بلبل! چمن میں تیغِ نگہ کس کی چل گئی
جس گُل کو دیکھتا ہوں سو زخموں سے چُور ہے

جب نظر اُس کی آن پڑتی ہے — زندگی تب دھیان پڑتی ہے

گُل ہے عاشق ترا، قسم مت کھا — یوں گریباں کسی کا پھٹتا ہے
غنچہ سمٹے تو سمٹے، ممکن ہے — دل جو بکھرے تو کب سمٹتا ہے
عشق سے تو نہیں ہوں میں واقف — دل کو شعلہ سا کچھ لپٹتا ہے

اس سے اب فائدہ کیا ہے کہ زباں سے تیری
شام اُس کا ہے گلہ، شکوہ سحر اُس کا ہے
حال جواب ہے یہ تیرا، نہیں اُس کی تقصیر
تخم بویا تھا جو تو نے، یہ ثمر اُس کا ہے

تیری اُن الفتوں کے زمانے کدھر گئے — کیا جانیے کہاں ہیں، نہ جانے کدھر گئے
ہے مدّتوں سے خانۂ زنجیر بے صدا! — معلوم ہی نہیں کہ دوانے کدھر گئے

گرمی کسو طرف نہیں بازارِ عشق میں — سوداؔ! متاعِ دل کے تئیں آگ دیجیے

رباعیات

مومن نہیں زنار سے میری آگاہ
اُس بُت کا برہمن ہوں کہ ہم صوفی و شیخ
اِس رشتے کو ہے سبحۂ اسلام میں راہ
کہتے ہیں جسے دیکھ کے اللہ اللہ

کوتاہ نہ عمرِ مے پرستی کیجے
ساقی جو نہ ہو شراب ہے آج وہ ابر
زلفوں سے تری دراز دستی کیجے
پانی پی پی کے فاقہ مستی کیجے

سودا! پےِ دُنیا تو بہ ہر سو کب تک
حاصل یہی اِس سے نا کہ تا دنیا ہو
آوارہ ازیں کوچہ بہ آں کو کب تک
بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر تو کب تک

مُنہ پھیرے ہے گو دیکھ کے ہم کو عالم
اِتنا ہے بڑا ہم کو کیا خالق نے
قدر اِس سے کچھ اپنی نہیں ہوتی ہے کم
خلقت کی نظر میں نہیں آسکتے ہم

ہے زیرِ فلک جتنی کہ یہ موجودات
اے شیخ، کیا خوب یہ ہم نے تحقیق
ہر ایک کی اک طرح کٹے ہے اوقات
شیخی و کرامات، ہے بَن آئے کی بات

گر مہ سے بلندی میں ہوا تو وہ چند
جتنے کہ بلندوں کی ہیں نظروں میں پست
پستوں کی طرف دیکھ کے مت ہو خرسند
پستوں کی بھی نظروں میں ہیں اتنے ہی بلند

افسوس! کریموں میں نہیں یہ دستور
مفلس پہ کرم کرکے نہ ہوویں مغرور
جھکتا ہے اگر شاخِ ثمر دار کا ہاتھ
پھل دے کے وو ہیں آپ کو کھینچے ہے دور

اے شیخ! حرم تک تجھے جانا آنا
یہ طوف، جُلاہے کا ہے تانا بانا
پہچانے گا واں کیا اُسے، حیراں ہوں ہیں
جس کو حرمِ دل میں نہ میں پہچانا

میں دیر و حرم ڈھونڈھ کے یارو ہارا
دونوں میں نہ پایا اُسے، جُز اندھیارا
دل داغ سے روشن ہوا جس دم، جوں شمع
اپنا تن و جاں اپنے قدم پر وارا

قطعات

سحر، تصنیفِ سودا سے مُغنّی
یہ پڑھتا تھا بہ یک آہنگِ پُر درد
سُنے تھا جو اِسے، سو وجد میں تھا
در و دیوار سے لے کر زن و مرد
بسانِ گُل کسو نے جیب کی چاک
کرے تھا جوں صبا سر پر کوئی گرد
عجب گلشن ہے یہ، لیکن کسو سے
نہ حَر اس کی رکھے ہے ساز، نے بَرد
گئے یاں سے وہ محبوبانِ رعنا
گُلِ نورستہ آگے جن کے تھا گرد
لگا مت دل کو بلبل اِس چمن سے
نظر جو آج سبز آوے تو کل زرد
لگی ہے اِس کی دیواروں میں جو خشت
حقیقت کی ہے وہ ہر ایک کے فرد
لبِ جُو پر سے جس کی کھلتی ہے آنکھ
حباب اُٹھ جائے ہے بھر کر دمِ سرد
تماشے سے غرض اس بے وفا کے
جنھوں نے موند لیں آنکھیں، وہ ہیں مرد

کیا کلام یہ سودا سے ایک عاقل نے
کسو سے ربط کوئی زیرِ آسماں نہ کرے

کیا جو تجربہ، اُن دوستوں کو بد پایا
بدی کا جن پہ کسی طرح دل گماں نہ کرے

چکھا انھوں کی جو اے یار، دوستی کا شہد
وہ تلخ کام کبھو زہرِ دشمناں نہ کرے

بغیرِ بخل و حسد، چاہیے کوئی مذکور
اُنھوں کا مہر و مروّت کے درمیاں نہ کرے

میں ان سے مل کے، نداں اختیار عزلت کی
دو چار انھوں سے خدا تجھ کو درجہاں نہ کرے

تجھے بھی راہ نصیحت کے میں یہ کہتا ہوں
کہ تو بھی ربط کبھو با منافقاں نہ کرے

وہ آدمی ہے بہت دور آدمیت سے
جو گوشِ دل بسوے حرفِ عاقلاں نہ کرے

وہ آشنا ہیں جہاں میں کہ امتحان کے بعد
زباں نہیں وہ کہ لعن اُن پہ ہر زماں نہ کرے

یہ سن کر، اُس سے کہا مسکرا کے سودا نے
شکایت اتنی کسی کی کوئی بیاں نہ کرے

بھلے بُرے کے تجھے امتحان سے کیا کام
یہ شکر کر جو کوئی تجھ کو امتحاں نہ کرے

فرہنگ

آبِ بحت: محض پانی۔ خالص پانی۔
آبِ بقا: وہ پانی جس کی نسبت مشہور ہے کہ پینے سے قیامت تک موت نہیں آتی اور جس کے اثر سے مردہ بھی جی اٹھتا ہے، ظلمات میں ایک چشمہ ہے جس کا پانی پینے سے حضرت خضر اور حضرت الیاس نے عمرِ ابد حاصل کی، اور یہ بھی مشہور ہے کہ سکندر اس چشمے سے محروم واپس آیا۔ آبِ حیات۔
آب جو: (بغیرِ اضافت) نہر۔
آبِ چکابو: ہندی میں اس کے معنی ہیں: قدیم زمانے میں لڑائی کے وقت کسی شخص یا چیز کی حفاظت، اس کے چاروں طرف ایک کے پیچھے ایک کئی صف کا گولائی میں فوجی صفوں کا جماو۔ اردو میں یہ معنی نہیں۔ میں کوشش کے باوجود قطعی معنی معلوم نہیں کر سکا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فوارے سے ملتی جلتی کوئی ایسی چیز جس میں کئی حلقے یا راستے ہوں اور پانی چاروں طرف گھومتا ہوا نکلے یا چاروں طرف بہے۔
آبِ خضر: آبِ حیات، وہ پانی جس کو پی کر حضرت خضر نے عمرِ ابد پائی۔
آتش بازی کا ہاتھی: ہاتھی کی شکل بنا کر اُس میں انار، پٹاخے، مہتاب، موقع موقع سے رکھ دیتے ہیں۔
آس: وہ آواز جو گویّے کے ساتھ دوسرا شخص آ آ آ کر کے لگاتا ہے۔ یا گانے کے ساتھ ستار وغیرہ کسی باجے کی مدد۔
آسا: طرح۔
آسیا: چکّی۔
آش: وہ غذا جسے آسانی سے پی سکیں، جیسے شوربا، حریرا وغیرہ۔
آش پکانا: شوربا تیار کرنا۔ کسی کو زک دینے کے لیے سازش کرنا (مار پیٹ کے ٹھیک کر دینا)

آش جو : جَو کا جوش دیا ہوا پانی ۔
آکھر : درندوں کا غار۔ درندوں کے رہنے کی جگہ ۔
آمنّا : ہم ایمان لائے ۔ ہم نے سچ جانا۔ بجا ہے، درست ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں ۔
آنکس : (انکس) مہاوت کے ہاتھ کا بھالے نما لوہے کا آنکڑا، جس کی نوک سے ہاتھی کی گردن پر اور کانوں کے برابر ہولا دیا جاتا ہے، یعنی گدگدایا جاتا ہے، تاکہ ہاتھی رفتار میں سستی اور بے ترتیبی نہ کرے ۔
آویزہ : کان کی لَو میں پہننے کا زیور جو مختلف وضع کا بنایا جاتا ہے، ان سب میں نیچے کے رخ جھولنے والی ایک مشترک چیز ہوتی ہے جو آویزہ یا بُندا کہلاتی ہے اور یہی چیز اس زیور کی وجہ تسمیہ ہے۔ آویزہ یا بُندا، موتی کا بھی ہوتا ہے اور نگ کا بھی۔ جو عام طور سے لمبوترا یعنی صراحی نما پسند کیا جاتا ہے۔

آیۂ تطہیر : قرآنِ پاک کی ایک آیت جس میں فرمایا گیا ہے کہ "اے اہلِ بیت خدا تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر قسم کی) گندگی دور کرے اور تمھیں ایسا پاک کرے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے"۔
اِبلاغ : پہنچانا۔
اَبلَق : دو رنگا گھوڑا جو سرخ و سفید رنگ کا یا سفید و سیاہ رنگ کا ہو۔ ایسے گھوڑے کو بھی کہتے ہیں جس کے چاروں پیر سفید ہوں ۔
ابلقِ ایّام : دن رات کی رعایت سے زمانے کو ابلق کہا گیا ہے ۔
اَبنا : اِبن کی جمع، بیٹے، ساتھی، ہم جنس ۔
ابوتراب : حضرت علیؓ کی کنیت۔
اُتارے ہونا : کسی کام یا بات پر نہایت آمادہ ہونا ۔ پیچھے پڑ جانا ۔ مستعد ہونا ۔
اَتھک : بے حد مشقت کرنے والا جو محنت اور مشقت سے نہ تھکے ۔

اُٹک : روک ٹوک ۔ جھجھک ۔ اک دریا کا نام (سوداؔ نے لفظ توپ کے ساتھ اس کو بہ ظاہر بے روک ٹوک، مسلسل" کے معنی میں استعمال کیا ہے ۔ ایک جگہ رفتار کے لیے بھی اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے)

اٹکل : اندازہ ۔ سلیقہ ۔

اٹکلنا : پرکھنا، اندازہ لگانا ۔ جانچنا ۔

اٹکلے : اندازہ لگائے ۔

اٹم : ڈھیر ۔

اِجارہ : ٹھیکا لینا، اجرت پر کوئی کام کرنا ۔ ٹھیکا ۔

اجارے کا نشان : ٹھیکے کی دستاویز پر منظوری کی مُہر ۔

اُجاغ : چولہا ۔

اِجرائے کار : کام کا جاری کرنا ۔ کنایۃً : مشکلوں کا حل کرنا ۔

اجزائے مَوالید : (موالید : مولود کی جمع : لڑکے، بچے) مخلوقات یعنی حیوانات و نباتات و جمادات کے اجزا ۔ (جن سے یہ مخلوق بنتی ہیں)

اَجَلّ : بہت بزرگ، بڑی شان والا ۔

اَجِنّہ : جنین کی جمع، وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہو ۔ سوداؔ نے ہجوِ ضاحک میں اس لفظ کو جن کی رعایت سے بھوت کے معنی میں استعمال کیا ہے ۔

اَچُپل : شوخ ۔ چلبلا ۔

اَچَل : جو اپنی جگہ سے چل نہ سکے ۔

اِحتِساب : جانچنا ۔ گنتی شمار ۔ ان باتوں سے روکنا جو شریعت میں ممنوع ہیں ۔

اِحتِشام : نوکر چاکر والا ہونا ۔ شان و شوکت ۔

اَحوَل : وہ شخص جس کو ایک چیز، دو نظر آئیں ۔ بھینگا ۔

اِحیا : زندہ کرنا ۔

اَحیا : زندے ۔

اَخذ : اختیار کرنا، حاصل کرنا،

اخذ کرنا : چن لینا ۔

اَخّاذ : بہت زیادہ حاصل کرنے والا ۔ سوداؔ نے کنایۃً حریص کے معنی میں استعمال کیا ہے (اخّاذ میں نے تجھ کو نہ سمجھا تھا یاں تلک)

اَخذ و جَر : حاصل کرنا، کھینچ لینا۔
(اَخذ : اختیار کرنا۔ حاصل کرنا، پکڑ لینا۔
جَر : کشش، کھنچاؤ۔)
اَخگَر : چنگاری۔
اَخلاط : خِلط کی جمع : خون، صفرا، بلغم، سودا۔ ان کو اخلاطِ اربعہ کہتے ہیں۔
اَخوَند : اُستاد۔ تربیت کرنے والا
اِدبار : بدنصیبی، پریشانی، دولت کا چلا جانا۔
اَدھار : ناشتے کے طور پر کچھ کھانا۔
اَدھرنگ : جس پر فالج کا اثر ہو جائے۔ آدھے جسم پر فالج گرنا۔
اَربابِ نشاط : وہ لوگ جو ناچتے گاتے ہیں۔ گانے بجانے والے۔ ڈوم، قوّال۔ طوائف۔
اِرث : میراث۔ وہ مال جو کسی کے مرنے کے بعد وارث کو ملے۔
اُردو : لشکر۔ لشکر کا پڑاؤ۔
اُردِی : اُردِی بہشت، فارسی کا دوسرا مہینا جو ہندوستانی مہینے جیٹھ کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ مہینا عین موسم بہار میں آتا ہے۔
ارمغاں : تحفہ۔
اڑدار : (اڑوار) وہ لکڑی جو پرانی چھت کے نیچے گر پڑنے کے خوف سے لگا دیتے ہیں۔
اَسپک : بڑا خیمہ
اسپ گِلی : مٹی کا بنا ہوا گھوڑا، جس سے چھوٹے بچے کھیلتے ہیں۔
اِستغنا : بے پروائی۔ بے نیازی۔
اِستِقامت : استقلال۔ کسی بات پر مضبوطی سے قائم رہنا۔
اَسفَل : اعلا کی ضد، سب سے نیچا، کمینہ، کم رتبہ۔
اسم و رسم : نام نشان۔
اُشتُلم : زور زبردستی، ظلم۔
اِشتُہا : بھوک۔
اِشتہار : مشہور کرنا۔
اَشجَع : بہت زیادہ بہادر۔
اَشعَہ : (صحیح لفظ : اَشِعَّہ) شعاع کی جمع۔

اِشکال : مشکل، دقت۔
اَشکال : شکل کی جمع۔
اَصَم : بہرا۔
اِضطِرار : کسی کو ایک کام پر یہاں تک
مجبور کرنا کہ وہ اسے چار ناچار
اختیار کرے۔
بے اختیاری۔ بے چینی۔
اِعتنا : غم خواری کرنا، اہتمام، پروا۔
اِعلام : خبر دینا۔ نوٹس، حکم نامہ۔
اَعمیٰ : اندھا۔
اَعمائے ازل : پیدائشی اندھا۔ ازلی اندھا۔
اِغترار : دھوکا دینا — مجازاً : غرور کرنا۔
اُفتادگاں : گرے ہوئے، عاجز۔
اَفعی : ایک قسم کا سانپ جو کالا اور بہت
زہریلا ہوتا ہے۔
اَفواہ : فوہ کی جمع۔ فوہ : مُنہ۔
اُڑتی ہوئی خبر۔ مشہور بات۔
اَکَٹ : مضبوط اور سخت چیز جو نہ کاٹے
کٹے اور نہ توڑے ٹوٹے۔ یکتا۔
کامل۔
اِکسیر : کیمیا۔ وہ چیز جس سے تانبے کو
سونا اور رانگے کو چاندی بناتے
ہیں۔ (بروایتِ مشہور)
کسی مرض کے لیے نہایت مفید اور
فوراً اثر کرنے والی دوا۔
اَکُول : بہت کھانے والا۔ پیٹو۔
اگن باد : گھوڑوں کی ایک بیماری جس
میں کھال اُدھڑ جاتی ہے اور
بال گر جاتے ہیں۔
اُلاغ : (الاق) گدھا۔ ڈاک چوکی کا گھوڑا۔
اِلتِیام : زخم کا بھرنا۔
اَلسِنہ : لسان کی جمع، زبانیں۔
اَلکَن : ہکلا۔
اَلماس : ہیرا۔
اَلَنگ : طرف، سمت، پہلو۔
اَلوَل : شوخی، اچھل کود۔
اُلوہیّت : اللہ ہونا۔ خدائی شان، خدائی
اِمتلا : معدے کا غذا سے یا بدن کا مادّے
سے بھرا ہونا — بدہضمی۔
اَمر : حکم۔ کام۔ معاملہ۔
امر و نہی : امر : حکم۔
نہی : منع کرنا۔ (شریعت کے

مطابق کاموں کا حکم دینا اور خلافِ
شریعت کاموں سے منع کرنا۔)

اَمَل : اُمید۔

اُمّی : ماں کے پیٹ سے نسبت رکھنے والا،
یعنی جو حالت جنم سے پہلے تھی، اُسی
حالت میں رہنے والا۔ اصطلاحاً:
اَن پڑھ۔

اَنُت : انجام، آخر، انتہا۔

اَنجھواں: آنسو۔

اندام : بدن۔

اَندھلی : اندھی۔

اَنسَب : بہت مناسب۔

اِنس وجاں : آدمی اور جن۔

اِنصِرام : انجام کو پہنچنا۔ انتظام۔

اَنفار : نفر کی جمع : لوگ، سپاہی، کمینے۔

انکھڑیاں : آنکھیں۔

اِنّما کی آیت : قرآنِ پاک کی ایک آیت،
جس کے متعلق یہ روایت بھی ہے
کہ اس میں حضرت علیؓ کی مدح آئی ہے۔

انوارِ سُہیلی : فارسی کی معروف نثری کتاب۔ تالیف
وترجمہ مُلا حسین واعظ کاشفی۔

اُدت : بے وقوف۔ نامُراد۔ کنوارا۔

اَوج : بلندی۔

اَوجِ حسب : خاندانی بلندی۔ نسبی
شرافت۔

اوجِ سعادت : بہت زیادہ خوش نصیبی۔

اوراق : ورق کی جمع، کاغذ کے پرت۔
درخت کے پتّے۔

اوراقِ جمعیّت : سکون واطمینان کے
ورق۔

اَورنگ : تخت، تختِ شاہی۔

اُول : کسی عزیز کو روپیا ادا ہونے یا
اور کسی وعدے کے پورا ہونے
تک ضمانت کے طور پر کسی کے حوالے
کردیتے ہیں (رہن کے طور پر) اُس
کو اُول کہتے ہیں۔

اولک : اِس لفظ کے قطعی معنی میں معلوم
نہیں کرسکا۔ بہ ظاہر، بھگت کی
طرح، ہولی کے کسی سوانگ یا
گانے بجانے کے ایسے ہی کسی
جلسے کے مفہوم میں استعمال کیا
گیا ہے۔

اہلِ دُوَل : دولت والے۔

اِیپیا : غالباً گھوڑے کی طویل تیز رفتاری کے لیے یہ اصطلاح ہے۔ (فرہنگِ اصطلاحاتِ پیشہ وراں)

ایراد : اعتراض۔

اِیزد : خُدا۔

اِیہام : لفظی معنی : وہم میں ڈالنا۔ علمِ بدیع کی اصطلاح میں : ایک لفظ ایسا کلام میں واقع ہو جس کے دو معنی ہوں، ایک قریب، ایک بعید۔ سُننے والے کا گمان قریبی معنی کی طرف جائے اور کہنے والے کی مراد معنیِ بعید سے ہو۔ معنیِ قریب سے مراد یہ ہے کہ وہ معنی اُس مقام کے مناسب نہ ہوں لیکن کسی ہلکے سے قرینے سے وہ کہنے والے کا مقصود معلوم ہوں۔

باج : محصول، خراج۔ زمین کا محصول جو بادشاہ کو دیا جاتا ہے۔

باج دِہ : خراج ادا کرنے والا۔ محکوم۔

بادپا : ہوا کی طرح تیز چلنے والا۔ کنایۃً گھوڑا۔

دپیما : ہوا کی طرح۔ تیز چلنے والا گھوڑے کی نسبت کہتے ہیں) بے ہودہ بکنے والا آدمی۔

بادِ سحور : بادِ سحر۔ صبح کو چلنے والی ہلکی ہوا۔

بادریسہ : وہ گول سوراخ دار لکڑی جو خیمے کی چوب پر رکھتے ہیں۔

بادِ سموم : بہت گرم ہوا۔ لُو۔

بادلا : سونے اور چاندی کے چپٹے تار، جو گوٹا بُننے اور کلابتون بٹنے کے کام میں آتے ہیں۔

زری کا کپڑا جو ریشم اور چاندی کے تاروں سے بُنا جاتا ہے۔

بار : بوجھ، وزن۔ دخل، رسائی۔ ناگوار۔ پھل۔

بارانی : ایک قسم کا لمبا کوٹ جس سے پانی بدن تک نہیں پہنچتا : برساتی۔

باز : کُھلا ہوا۔

باگ : شیر۔

بال : پرندوں کے بازو کا جوڑ جس کی قوت سے وہ پرواز کرتے ہیں : پر۔ بازو۔

بال اَفشاں : پر پھڑپھڑاتا ہوا مضطرب۔

بال زن : اُڑنے والا۔

بالیں : سرھانا۔

بان : ختنگا، اگنی بان: ایک خاص قسم کی آتش بازی جو تیر کی شکل کی ہوتی اور شتابہ لگانے سے تیر کی طرح اُڑی چلی جاتی ہے۔ اس کی رفتار اور تیزی بارود کی مقدار اور تیزی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ جنگ کے موقع پر دشمن کی طرف آگ لگانے کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔

بان : عادت، مزاج، ڈھنگ۔

باد : ہوا۔

باد کرتی رہے : ہوا دیتی رہے۔

باور : یقین۔

بجّر : نہایت آہستہ چلنے والا۔ سست، کاہل۔

بچلنا : بہکنا، چوکنا، لغزش کرنا۔ کھوجانا۔ کام خراب ہوجانا۔ ناکام یاب ہونا۔

بخت برگشتہ (بغیرِ اضافت) : بدنصیب۔

بُختیاں : بُختی کی جمع۔

بُختی : ایک قسم کا بڑا سرخ رنگ کا اونٹ جو خراسان سے آتا تھا۔

بخشی : فوج کی تنخواہ تقسیم کرنے اور حساب کتاب رکھنے والا افسرِ اعلا۔

بدر : چودھویں رات کا چاند۔ پورا چاند۔

بدر وار : بدر کی طرح۔

بدقوارہ : بدشکل۔

بدگُہری : بد ذاتی۔

بدیُمن : منحوس۔ نامبارک۔

بدینساں : اِس طرح۔

برآنا : کامیاب ہونا۔ حاصل ہونا۔ پیش پانا۔

برِاُمید : اُمید کا پھل۔

بُرجِ حَمَل : آسمانی دائرے کے بارہ بُرجوں میں سے پہلا بُرج۔ جس کی شکل مینڈھے کی سی ہے۔ جس دن سورج اس بُرج میں آتاہے شرفِ آفتاب ہوتا ہے اور وہی دن نوروز کا ہوتا ہے، جس سے موسمِ بہار کا آغاز ہوتا ہے۔

بَرد : سردی۔ جاڑے کا موسم۔

برزو : مشہور پہلوان سہراب کا لڑکا، جو تورانی لشکر کے ساتھ تھا۔

بُرِش : کاٹ ۔
بُرنا : جوان ۔
بَرومند : فائدہ حاصل کرنے والا، پھل کھانے والا ۔ پھل لانے والا ۔
بُز : بکرا یا بکری ۔
بُستاں : بوستاں کا مخفف، باغ ۔
بَستگی : بند ہونا ۔ تفریح حاصل نہ ہونا ۔
بسنت پھولنا : سرسوں کے پھول کھلنا ۔ زردی چھا جانا ۔ ہر طرف زرد ہی زرد دکھائی دینا ۔
بسنت پھول جائے : (چہرہ) پیلا ہو جائے ۔
بُش قاب : زیادہ بڑی پلیٹ ۔ بڑا طباق ۔
بُطلان : باطل ہونا، ضائع ہونا، تردید ۔ مٹانا ۔
بطنول : لُغت میں یہ لفظ نہیں ملا ۔ نسخۂ جانسن اور نسخۂ مصطفائی پریس دونوں میں بطنول ہی ہے ۔ لیکن نولکشوری نسخے میں اس کی جگہ "تنبول" ہے ۔ ایک معمر خاتون سے معلوم ہوا کہ تنبول اس مقابہ نما ظرف کو کہا جاتا تھا جس میں پان دان سے متعلق بہت سی چیزیں رکھی جائیں، جیسے الائچی، لونگ، سپاری وغیرہ ۔ لیکن اور کسی سے اس کی تصدیق نہیں ہو سکی ۔
بُغدا : قصائیوں کا چُھرا، جس سے قیمہ کرتے ہیں ۔
بَکاوَل : باورچی خانے کا داروغہ ۔ باورچی ۔
بَگتَر : فارسی لُغات میں یہ لفظ گ سے ملتا ہے یعنی بگتر ۔ لیکن اُردو کے لُغات میں ک سے درج ہے ۔ موٹی اور مضبوط قسم کی نیم آستین زرہ، جو دشمن سے مقابلے کے وقت، زرہ یا ریشم کے لبادے کے اوپر پہن لی جاتی ہے ۔ (فرہنگِ اصطلاحاتِ پیشہ وراں)
بلاگرداں : وہ شخص جو دوسرے کی بلا اپنے سر لے ۔ صدقے ہونے والا ۔ قربان ہونے والا ۔
بلبلِ آمل : مراد ہے مشہور فارسی شاعر طالبؔ آملی سے ۔
بلبلِ قفسی : پنجرے میں قید بلبل ۔
بَلَغَ العُلا : (اپنے کمال سے) اونچے مرتبے کو

پہنچے - دراصل رسول اللہ کی تعریف میں کہا گیا ہے سودا نے برطورِ طنز نظم کیا ہے: اے پہنچے ہوئے بزرگ۔

بُلُہ : وہ لوگ جو امورِ دنیا اور حصولِ معاش میں کم عقل ہوں۔

بَلی : زور آور، طاقت ور۔

بم وزیر : بم: راگ یا باجے کی اونچی آواز۔ اونچا سُر۔ زیر (یائے معروف) راگ یا باجے کی نیچی آواز۔ نیچا سُر۔

بِنائے تعدّی : ظلم کی بنیاد۔

بند : ہڈی کا جوڑ۔ زنجیر۔ رسّی جس سے دیوانوں اور قیدیوں کے ہاتھ پانو باندھتے ہیں۔ زنجیر کا حلقہ۔ گرہ۔ کمر بند۔ سلا ہوا فیتہ انگرکھے، شیروانی یا نقاب کا۔ انگیا کے ڈورے جن سے پُشت کی طرف انگیا کسی جاتی ہے۔

بَنری : دُلھن۔

بُنگاہ : اسباب رکھنے کی جگہ۔

بوقلموں : ایک قسم کی رومی دیبا (ریشم) جس کا ہر لحظہ نیا رنگ نظر پڑتا ہے۔ رنگا رنگ۔ تعجب انگیز۔ مختلف رنگوں کا۔ طرح طرح کا۔

بَول : پیشاب۔

بوم طلا : جس کی زمین (طلائی) سنہری ہو اور نقش و نگار کسی اور جنس کے ہوں۔ سودا نے لفظی معنی میں استعمال کیا ہے یعنی سونے کا گھر طلا ہوا تو۔

بھاڑے دیں : کرایے پر دیں۔ یعنی تابوت پہنچانے کے لیے ہاتھی کو کرایے پر دیا جائے۔ (اس لفظ کی ایک صورت بھاڑی بھی ہو سکتی ہے، مزدوری کے معنی میں)۔

بھالا بردار : ہاتھی کے نگہ بان ملازمین میں کا ایک گروہ، جو سواری میں ہاتھی کے ساتھ رہتے تھے اور اپنے پاس بھالے رکھتے تھے تاکہ اگر ہاتھی راہ میں مست ہو جائے تو بھالوں کے ذریعے اُس کو قابو میں رکھا جائے۔

بھان متی : تماشا گروں کا ایک گروہ جو تعجب خیز اور بہ ظاہر خلافِ عقل کرتب دکھا کر، تماش بینوں کو حیرت میں ڈالتے اور جادو ٹونے کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔

بھاویں : نزدیک، اثر، خیال

(اپنے بھادیں : اپنے نزدیک۔)

بھچک : حیران، حیرت زدہ۔ ہکّا بکّا۔

بھسونڈا : ہاتھی کی مستک (فرہنگِ اثر) بعض لوگوں نے اس کے معنی، ہاتھی کی کنپٹی لکھے ہیں۔

بھگت : ہولی میں بنایا جانے والا ایک طرح کا سوانگ۔ اسی سے بھگتیا بنا ہے، سوانگ میں ناچنے والا لڑکا۔

بہل و تعذیر : چھوڑنا اور سزا دینا۔

بہلول : ایک مجذوب صفت دیوانے جو اپنی دیوانگی کے دوران میں اکثر حکیمانہ باتیں کہہ دیا کرتے تھے، ان کو بہلولِ دانا بھی کہا جاتا ہے۔

بہمن : فارسی مہینے کا نام، جو ہندوستانی مہینے پھاگن سے مطابقت رکھتا ہے تھوڑے سے فرق کے ساتھ۔

بہمن : ایک ایرانی بادشاہ کا نام، جو اسفندیار کا لڑکا تھا۔

بھنّاس : ہاتھی باندھنے کا کھونٹا۔

بھیر : آدمیوں کا ہجوم جو لشکر کے ساتھ ہوتا تھا۔ لشکر کے بازاری لوگ۔ آدمیوں کی بھیڑ۔

بھینٹنا : ملنا۔ چھوا جانا۔ ملاقات۔

بی بی کی پڑیاں : جب کسی عورت پر کوئی مصیبت پڑتی ہے یا کوئی سر دردی کا کام لاحق ہوتا ہے تو حضرت فاطمہ کی نیاز مانی جاتی ہے۔ مراد پوری ہونے پر، سوا پیسے یا ڈھائی پیسے یا سوا دمڑی کی شکر کی پڑیا منگا کر نیاز دی جاتی ہے۔ شکر کی جگہ برفی یا کوئی اور مٹھائی بھی ہو سکتی ہے۔ سوا دمڑی سے پانچ پیسے تک کی یہ نیاز دلائی جاتی ہے۔ یہ پڑیاں صرف نیک بیبیاں کھا سکتی ہیں۔

بے تالا : وہ شخص جو گانے میں تال سے باہر ہو جائے۔

بے تکان : بے تکلف۔ بے حد۔ گھوڑے کا بہت تیز بھاگنا۔

بے چوبہ : وہ خیمہ جس میں چوبیں نہیں لگائی جاتیں۔

بیدِ مُولّہ : بیدِ مجنوں، ایک قسم کا بید کا درخت جس کے پتّے باریک اور ٹہنیاں زمین کی طرف جھکی رہتی ہیں۔ اس کی

صورت دیوانوں کی سی معلوم ہوتی ہے۔

بیڑی : وہ کڑی یا زنجیر جو مجرم یا ہاتھی کے پانو میں اس غرض سے ڈالتے ہیں کہ وہ بھاگ نہ سکے۔

بَین بَین : درمیانی - ملا جلا، بیچوں بیچ۔

بینش : دیکھنا، بینائی۔

بے نمک : بے مزہ - جس میں شوخی نہ ہو۔ بے رونق - پھیکا۔

بُیوتات : شاہی محل جس میں بیگمیں رہتی ہیں۔ گھر کا خرچ۔

پا انداز : وہ فرش جو مکان کے اندر دروازے پر پانو کی گرد صاف ہو جانے کے واسطے بچھا دیتے ہیں۔ وہ فرش جو گاڑی میں پیر رکھنے کی جگہ بچھاتے ہیں۔

پا بوس : پانو چومنے والا - آداب بجا لانے والا۔

پارَس : ایک پتھر، جس کی نسبت کیمیا بنانے والے یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ جس لوہے کو چھو جائے، اس کو سونا کر دے۔ نہایت نفیس - بہت مالدار ہو جانے کا کنایہ۔

پازہر : زہر مُہرہ - (لفظی معنی : زہر کو ختم کرنے والا)

پاشنہ : ایڑی۔

پال : چھوٹا خیمہ - کپڑے یا سرکیوں کی پوشش جو بہ طورِ خیمہ تان لی جاتی ہے۔

پائل : سُست رفتار ہاتھی، جو فطرۃً کوتاہ قدم ہو - تیز رفتار ہتھنی۔

پَتَوا : پتا۔

(پیپل کا پَتَوا : پیپل کا پتا)

پَٹّو : کمبل کی قسم کا ایک موٹا اونی کپڑا۔ برساتی۔

پَتّھا : چوڑا لمبا پتا۔

پدری کی ہے : تربیت کی ہے - دیکھ بھال کی ہے - پالا پوسا ہے۔

پَرّاں : اُڑتا ہوا۔

پرا بچا : وہ شخص جو پرانے دھرانے کپڑوں کے ٹکڑے خرید کر، ٹوپیاں وغیرہ بنا کر بیچتا ہے۔

پَرتَل : سوار کا سامانِ سفر جو بیل یا ٹٹو پر چلتا ہے - ایسے ٹٹو کو پَرتل کا ٹٹو کہتے ہیں۔

پرتوہ : عکس، فیضِ صحبت - چمک -

پرتوِ حفظ کے تلے : حفاظت کے سایے میں -

پرداز : آراستگی، جِلا، انداز، طرز، تصویر کے خط و خال، باریک کام جو تصویروں اور نقشوں کے گرد کیا جاتا ہے -
تصویر کی تکمیل، صفائی اور اس کے اطراف آرایشی کام کی تیاری - اس کو اصطلاحاً "تیاری کا ہاتھ" بھی کہا جاتا ہے -

پرِکاہ : سوکھی گھاس کا تنکا - مجازاً : بہت ہلکا -

پرگیری : وہ پَر جو تیر میں لگاتے ہیں -

پَرنیں : پَرن کی جمع، پرن : طبلے کی گت -

پَرنیں لینا : طبلے کی گت بجانا -

پرورِش : تعلیم و تربیت - مہربانی - عنایت -
مجازاً : رعایت، نسبت -

پُرٹی : پوڑی -

پزندہ : پکانے والا -

پُشت خار : کسی پتلی گول لکڑی یا لوہے پر ہاتھی دانت یا لوہے کا پنجہ لگا ہوا ایک آلہ، جس سے پیٹھ کھجاتے ہیں -

پَشّہ : مچھر - کنایتہً : بے حقیقت، حقیر -

پُشتین : پیڑھی در پیڑھی - باپ دادا سے -

پلّا : فاصلہ، دوری -

پلچنا : گتھ جانا، لپٹنا -

پلو : پُلاد -

پُنبۂ مینا : روئی جو شراب کے شیشے کے مُنہ پر رکھی جائے -

پنچ پیر کا تھان : ہندوستان کے مختلف صوبوں میں خصوصاً مغربی بنگال، مشرقی پنجاب، اتر پردیش میں، نیچی ذات کے ہندو اور مسلمان پانچ پیروں کو مانتے تھے - ان پیروں کے نام مختلف صوبوں میں مختلف ہیں (تفصیل کے لیے دیکھیے : ڈکشنری آف ریلیجن اینڈ ایتھکس - جلد نہم ص ۶۰۰) -
پنچ پیر کے تھان سے مراد غالباً اس مقام سے ہے جہاں ان پیروں کی کوئی یادگار ہو یا جہاں جمع ہو کر کوئی تقریب مناتے ہوں - نیچ ذات کے مختلف الاحوال لوگوں کے

جمع ہونے کے لحاظ سے شاید یہ
تشبیہ دی گئی ہے۔

پُنوانا : باپ دادا کو بُرا بھلا کہلوانا۔

پُوز : چہار پایوں کی ناک - چہار پایوں کا
مُنہ۔

پولک : گھاس کا پولا، جو بانس کے سرے
پر باندھا جاتا تھا اور غضب ناک
ہاتھی کو ڈرا کر رام کرنے کے لیے
چرخی کے ساتھ استعمال کیا جاتا تھا۔
لیکن سوداؔ نے جس طرح نظم کیا ہے
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی مُراد
خدنگے کے اُس نچلے حصے سے ہے،
جس میں بارود بھری جاتی ہے۔ اور
جسے آگ لگا کر، دشمنوں کی طرف
پھینکا جاتا تھا۔

پو ماہہ : اس لفظ کے معنی معلوم نہیں ہو سکے۔
بظاہر دو ماہہ کی طرح کا لفظ معلوم ہوتا ہے دیکھیے دو ماہہ

پَوَن بہنا : ہوا چلنا۔

پونی : تومی ہوئی روئی، جس کو چرخا چلاتے
وقت تار نکلنے کے لیے ہاتھ میں
رکھتے ہیں۔ تھوڑی مقدار۔

پہر کر : پہن کر۔

پَھل جانا : کثرت سے آبلے پڑ جانا۔

پَہن : فراخ۔ کشادہ۔

پَہنِ زمیں : زمین کی وسعت۔

پیدا ہے : ظاہر ہے۔

پیر کا گھوڑا : وہ شخص جس پر کسی پیر کی
روح کا اثر ہو۔ حاضرات یا کسی اور
عمل کے ذریعے سے عوام کے مانے
ہوئے کسی پیر (اور یہ عموماً وہمی
یا فرضی ہوتے ہیں) کو بُلانا اس کے
لیے اکثر عورتیں معروف ہوتی ہیں،
جن کو پیر کی گھوڑی کہا جاتا ہے۔
اور ان پر عورتوں کے فرضی پیر، شیخ
سدّو وغیرہ گویا نازل ہوتے ہیں۔
اور ان کی زبان سے وہی بولتے ہیں۔
بعض مردوں پر بھی عوام کے اعتقاد
میں ان پیروں کا سایہ ہوا کرتا تھا اور
ان پیروں کو ان مردوں کے ذریعے
سے بلایا جاتا تھا۔

پیشِ نگاہ (اضافت کے بغیر) : جب کوئی شخص
بادشاہ کے سامنے جاتا تھا تو نقیب

"پیش نگاہ" کہتا تھا۔

پیش نماز: امام۔

پَیک : قاصد۔

پَیکاں : تیر یا برچھی کی بھال ۔ نیزے کی نوک ۔

تابدان: روشن دان۔

تابوت: مُردے کا صندوق۔ جنازہ۔ لاش

تابوت گر: تابوت بنانے والا۔

تاریک عقل: کم عقل ، اچھے بُرے میں امتیاز نہ کر سکنے والا۔

تازی : عربی گھوڑا۔

تاک : انگور کی بیل۔

تبر زین : ایک طرح کا تبر ہوتا ہے جسے سپاہی گھوڑے کی زین میں لگا لیتے ہیں

تَبرید: ٹھنڈائی، وہ سرد شربت یا دوا جو بخار کے پہلے تین دنوں میں، اور مُسہل کے بعد اس کی حرارت کو ختم کرنے اور دل کو تقویت دینے کے لیے دی جاتی ہے۔

تجاوُز دینا : بڑھا دینا۔ حد سے بڑھا دینا۔

تحمیق : بے وقوف بنانا۔

تخت کی رات : بیاہ کی پہلی رات۔ شبِ زفاف۔ سہاگ رات۔

تختہ : ایک ہی قسم کے پودوں کی برابر کی پود۔ مثلاً گلاب کا تختہ۔

تخمیر : خمیر اٹھانا۔

ترانہ : نغمہ۔ راگ۔ ایک خاص قسم کا گیت ایک خاص لَے یا سُر۔

ترانہ سنج: ترانہ گانے والا۔

تراّیل : پُھرتیلا۔ تیز رفتار۔

تَرَشُّح : بہت ہلکی بارش، ننھی ننھی پُھوار۔

تَرَنگ : وہ آواز جو کمان سے تیر چھوٹتے وقت، اور تیر یا گُرز وغیرہ کے جسم پر لگتے وقت، یا تلوار کے ٹوٹنے اور ساز کے بجانے کے وقت نکلے۔ امنگ، طبیعت کا جوش، لہر، خیال۔

تُرَنگ : گھوڑا۔

تُرَّہات : بے ہودہ باتیں، ظرافت اور مسرت ملی ہوئی بےکار باتیں۔

تریاق: زہر مُہرہ۔ زہر کی دوا۔ کنایتہً : افیون۔

تسبیحِ سلیمانی : سنگِ سلیمانی سے بنی ہوئی

تسبیح - سنگِ سلیمانی: سلیمانی نگ
جو اکثر دورنگا یا زنّاردار ہوتا ہے
(اندر آڑی سفید لکیر ہوتی ہے)۔
سیاہ و سفید پتھر، جس کی درویش اکثر
تسبیح بناکر گلے میں ڈالا کرتے ہیں۔
تشریح ہوا ہے: گھل گیا ہے۔ لاغر ہوگیا
ہے۔ (لغت میں یہ معنی نہیں ملتے۔
سودا کا تصرّف معلوم ہوتا ہے۔)
تشہیر: کسی کی رسوائی کو شہرت دینا۔ مشہور
کرنا۔ ڈھنڈورا پیٹنا۔ منادی کرنا۔
تصحیحہ: گھوڑوں کا ہجوم جو اس غرض سے
کیا جاتا تھا کہ سب گھوڑوں پر نشان
(داغ) دیے جائیں۔
رجسٹر جس میں دفتر کے ملازموں کی
فہرست اور حلیہ لکھا رہتا ہے۔
تَظَلُّم: فریاد، فریاد کرنا۔
تعالیَ اللّٰہ: کلمۂ تحسین و تعجب۔ سبحان اللّٰہ،
واہ واہ۔
تَعَدّی: ظلم۔
تَعَرُّض: روکنا، روک ٹوک۔
تعیّن: مخصوص کرنا۔ تصوّف کی اصطلاح
میں: مطلق کے خلاف۔ ہستی، وجود۔
مقید (اشیا) کی اعتباری ہستی جو
درحقیقت موجود نہیں ہوتی۔
تعیّن کا پردہ: اُس کو پردہ اِس لیے کہا
ہے کہ وہ مطلق (خدا) تک پہنچنے میں
حجاب یا رکاوٹ بن جاتا ہے۔
نَعیں (بروزنِ نگیں): مقرر۔
تَف: بخار۔ گرمی۔
تفِ آہ: آہ کی گرمی۔
تَفاوُتِ مُو: بال برابر فرق۔
تَفرِقہ پرداز: پھوٹ ڈالنے والا۔
تفسیدہ: بہت گرم۔ جلا ہوا۔
تَقَیُّد: تاکید، تنبیہ، روک ٹوک۔
تکان: جھٹکنا، تھکاوٹ، ہچکولوں کا
صدمہ، برچھی یا نیزے کو جھٹکا دینا۔
تَکانِ پا: پیر کی جنبش۔
تِکّے لگانا: کباب لگانا۔ کنایۃً: چھیڑنا، چڑانا۔
تَگاپو: دوڑ دھوپ۔ کوشش۔
تگرگ: اولا۔
تگ و تاز: دوڑ دھوپ۔
تَل: نیچے، نیچے کا حصّہ۔

تَل کی ماٹی کو: نیچے کی مٹی کو۔

تَلّا : تلوا۔

تَلازُم: باہم لازم ہونا۔ کسی خاص مضمون
کی رعایت سے الفاظ لانا۔

تلاوڑی: سرہند کے پاس ایک جگہ، جہاں
لُٹیرے بہت رہتے تھے۔ مجازاً ہر
خطرناک جگہ کو کہنے لگے۔

تلنگا: انگریزی فوج کا وہ ہندوستانی سپاہی
جسے انگریزی پوشاک پہنائی جائے۔
انگریزی پیادہ فوج۔ عموماً سپاہی
کے معنی میں مستعمل ہے۔

تَلَوُّن: رنگ بدلنا۔ ایک حالت پر نہ رہنا۔

تِمثال: پیکر، صورت

تناول: کھانا کھانا۔

تنقیح: کسی چیز کو زوائد سے پاک کرنا۔
خالص کرنا۔ تحقیق، تفتیش۔

تَنقِیہ: صاف کرنا۔ آنتوں کو صاف کرنا۔
جُلّاب لینا۔

تُنک شراب: جس کے جام میں کم شراب ہو۔
وہ شخص جس کو زیادہ شراب کی
برداشت نہ ہو۔

تُنگ: زین یا کمر کو گھوڑے کی
پیٹھ پر کسنے ڑے، سوت، یا
اون کی بنی ہوئی مضبوط پیٹی۔

تُوأَمان: تَوأَم کا تثنیہ۔ تَوأَم: وہ بچہ
جو دوسرے بچے کے ساتھ پیدا ہو۔
تَوأَمان: وہ دونوں بچے جو حمل سے
ایک ساتھ پیدا ہوں۔

توتیا: نیلا تھوتھا۔ سرمے کا پتھر، جس کو
پیس کر آنکھوں میں لگاتے ہیں۔ سرمہ۔

تودہ: انبار۔ ڈھیر۔ مٹی کا ٹیلا یا کچی دیوار
جس پر تیرانداز تیروں کی مشق کرتے
تھے۔

تُور: میانے یا پالکی کا پردہ، جھالر۔ وہ
رسّی جو زنانی پینس یا میانے کے
آس پاس پردہ نہ اُڑنے کی غرض
سے باندھتے ہیں۔

توشہ خانہ: وہ مکان جہاں اوڑھنے بچھانے
اور پہننے کے کپڑے رکھے جائیں۔
اسباب اور زیور کا مکان۔
وہ مکان جس میں اُمرا و وزرا بادشاہ
کی پوشاک اور لباس رہتا ہے۔

توشے کی روٹی: نان اور حلوا جو جنازے کے ساتھ لے جاتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں۔

تھانگ: چوروں کا گھر۔ سازش، بھید چوروں کی گھات۔

تہ طلا: دیکھیے تہ نشان۔

تہ نشان: تلوار کے قبضے پر نقش بنا کر، اُن میں سونے کے پتّر یا جواہر لگاتے ہیں اور پھر قبضے کو سیاہ تاب کر دیتے ہیں۔ اس سے زمین بہت سیاہ اور جواہر کی چمک بہت خوش نما ہو جاتی ہے۔

(سیاہ تاب: صیقل کیے ہوئے لوہے کو لیموں کے پانی اور آگ کی تپش سے سیاہ بنفشئی رنگ کا کرتے ہیں اور اس کو سیہ تاب کہتے ہیں۔)

تھُوا: مٹّی کا ڈھیر۔ مجازاً نکمّا آدمی۔

تیرِ بازگشت: وہ تیر جو نشانے سے ٹکرا کر واپس آئے۔

تیرِ شہاب؛ شہاب: وہ چمکتا ہوا ستارہ جو آسمان سے گرتا ہوا یا آسمان پر اِدھر اُدھر آتش بازی کے انار کی طرح جاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

تیرِ شہاب: لمبی چمک دار لکیر جو شہاب سے نکلتی ہے۔ اسے تیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تیرِ فلک: عطارد ستارہ، جسے دبیرِ فلک بھی کہتے ہیں۔

تیغِ برق دم: بجلی کی طرح کاٹ کرنے والی تلوار۔

تیغِ کُہسار: پہاڑ کی چوٹی۔

تَیَقُّن: یقین، اعتبار۔

تیمار: مریض کی خبر گیری۔ علاج معالجہ۔

تَیَمُّناً: برکت حاصل کرنے کے لیے۔

تیہا: جوش، غصّہ، تیزی۔

تَیں: تو۔

ٹُک: ذرا۔

ٹکڑی: شیشے یا آئینے کا ٹکڑا۔ کبوتروں کا پرا۔ پرندوں کا غول۔ کپڑے کا تھان۔

جاروب: جھاڑو۔

جاروب کَش: جھاڑو دینے والا۔

جاضرور: پاخانہ۔

جامہ وار: جام دانی (چکن) کی وضع پر تیار کیا ہوا اونی کپڑا۔ اس کی بُناوٹ میں مختلف رنگ کے خوش وضع بیل بوٹے ڈالے جاتے تھے۔ کسی زمانے میں اس کا بہت چلن تھا۔ نقلی جامہ وار، سوت اور ریشم کا ملواں بھی تیار کیا جاتا ہے۔

جاں گذار: جان فدا کرنے والا۔ جان دینے والا۔

جَبان: بُزدل۔

جَبَل: پہاڑ۔

جَبہہ سائی: ماتھا رگڑنا۔ مِنّت سماجت۔

جَحِیم: دوزخ۔

جَد: جب، جس وقت۔

جَد: دادا۔

جِد: کوشش۔

جِدال: لڑائی۔

جَدوَل: تصویر کے آس پاس حاشیے کی لکیر۔ وہ خط جو صفحے کے چاروں طرف کھینچا جائے۔

جُدی: جُدا۔

جَرَس: گھنٹا جو قافلے والے کوچ کے وقت بجاتے ہیں۔

گھنٹا۔ گھڑیال۔

جَزائر: ایک قسم کی بڑی بندوق۔

جزوِ لایتجزّیٰ: کسی چیز کا سب سے چھوٹا حصّہ جو انتہائی باریکی یا چھوٹے ہونے کے سبب تقسیم کے قابل نہ رہے۔ متکلّمین اس کے قائل تھے کہ ہر شے کا کوئی نہ کوئی ایسا جزو ضرور ہوتا ہے جو پھر قابلِ تقسیم نہ رہے۔ لیکن حکما اس کے قائل نہیں۔

جست وخیز: کود پھاند۔

جعد: چوٹی۔

جعفری: ایک قسم کے زرد گیندے کا پھول۔

جلّادِ فلک: مرّیخ۔

جلَو: لگام۔ وہ کوتل گھوڑا جو سجا کر سواری کے ساتھ صرف زینت کے لیے خالی لے جاتے ہیں۔

سواری کا ٹھاٹھ۔ ہمراہی۔

جلَو ریز: ہلکی باگ سے گھوڑا دوڑائے ہوئے۔

جَم جَم : ہمیشہ ۔سلامتی اور دولت و اقبال
کے ساتھ۔
جُو : نہر۔
جُود : سخاوت۔
جَوف : پیٹ ۔اندرونی خلا۔کھوکھلاپن۔
غار۔گڑھا۔کسی چیز کی اندر کی طرف،
جو خالی ہو۔
جوہرِ فرد : وہ چھوٹے سے چھوٹا آخری جزو
جو متکلّمین کے نزدیک تقسیم نہیں ہو
سکتا۔جوہر یکتا۔یکتائے زمانہ۔
جو یائے مشیخت : بزرگی اور بڑائی کا متلاشی
(طنز کے طور پر)
جہت : وجہ، سبب ۔دلیل۔ طرف ۔
سمت۔
جُھڈّو : نکما، بے حیا، بے غیرت ۔ناکارہ۔
تحقیراً : بوڑھا جھڑوس۔
جھلَم (جھلَم) : زنجیروں سے بنی ہوئی وہ
نقاب جو خود سے لٹکتی رہتی تھی۔
لڑائی کے وقت منہ پر ڈال لی جاتی تھی۔
جَھمّکا : بھیڑ، جمگھٹا۔چمک، تماشا۔
جھنگار : (نون غنّہ) مور کی آواز۔نوبت کی
آواز۔جھولے کے گیتوں کی گونج۔
جَیب : گریبان ۔سینہ۔
جیفہ : مرا ہوا جانور جس میں بُو آ چکی ہو۔
چار آئنہ : ایک قسم کی زرہ جس میں لوہے
کے چار تختے، بانات اور مخمل میں
منڈھ کر، سینے اور پیٹھ کے گرد
لگاتے تھے۔
چاندنی : وہ سفید فرش جو دری کے اوپر
بچھاتے ہیں۔
چاوڑی : دہلی کا مشہور بازار۔
چَتر : ایک قسم کی چھتری، جو اکثر بادشاہوں
کے سروں پر پھرا کرتی تھی۔
چَترا : چالاک، ہوشیار، مکّار، فریبی۔
تجربہ کار۔عقل مند۔
چراغِ غول : اگیا بیتال۔ غولِ صحرائی
(بھوت، پریت) جو مسافروں کو
بہکانے کے لیے اپنے منہ سے شعلے
نکالتے ہیں۔عوام میں مشہور ہے کہ اکثر
جنگلوں میں دریا کے کنارے جو
جلتے ہوئے چراغ سے دکھائی دیتے
ہیں، انھیں شعلوں کی روشنی ہے۔

چراغِ مضطرب: کمزور لَو کا چراغ۔ ٹمٹماتا ہوا، جھلملاتا ہوا چراغ۔

چرَوت: جمھائی۔ اونگھ۔

چرخ: ایک آرے کا نام جس پر تانبے کے برتنوں کو چڑھا کر صاف کرتے ہیں۔

چرخِ دوں پرست: کمینوں کو پسند کرنے والا آسمان۔

چرخی: ایک قسم کی آتش بازی جو چھوٹتے وقت گھومتی ہے۔

چرخی مار: جنگلی اور وحشی ہاتھی کو سدھانے والا ملازم۔

چَرغ: تیندوا۔

چشنک: وہ کھانا جو باورچی تقریبوں کے موقعوں پر اپنے لیے حصّے کے طور پر صاحبِ تقریب کے گھر سے لے جاتے ہیں۔

اس زائد کھانے کے لیے بولتے ہیں جو خاصے سے بچ رہتا ہے اور جس کو باورچی اپنے کھانے کے لیے لے جاتے ہیں۔

چشمک: آنکھ سے اشارہ کرنا۔ طنز۔

چشمک مارنا: آنکھ سے اشارہ کرنا، طنز کرنا۔

چشمۂ خضر: آبِ حیات کا چشمہ۔ دیکھیے آبِ بقا۔

چکارا: ایک قسم کا چھوٹا اور نازک صحرائی ہرن۔ سارنگی کی قسم کا تین تار اور پانچ طربوں والا ساز، اس کے باج کے تار، (بجنے والے تار) گھوڑے کی دُم کے بالوں کے بنائے جاتے ہیں، پنجاب کے علاقے میں سلھوڑ میں رائج ہے۔

(طربیں: ستار یا سارنگی کے گونج کے تار جو اس کی ڈانڈ کی سطح سے ملے ہوئے تنے رہتے ہیں۔ یہ تار گونجتے، یعنی بجنے والے تاروں کی آواز سے گمکتے رہتے ہیں۔)

چُلاو: بے گوشت کا پُلاو۔

چِلتہ: وہ دبیز ریشم کا لباس جو زرہ کے نیچے پہنا جاتا تھا۔

چِلّا: کمان کے سروں کی تان جو عام طور سے تانت کی ہوتی ہے جس کے ذریعے کمان کو تیر پایا اور تیر یا غلّہ چلایا جاتا ہے۔

چُنگ : ایک باجا جو ستار کی قسم سے ہے۔
چَوپان : چرواہا۔
چوتڑوں پر پیاز کترنا : سامنے دھوکا دینا۔
چَودَنت : مُقابل ۔
چور : زخم کے اندر کا حصّہ جو اچھا ہونے سے رہ جائے۔ شمع کے ایک طرف سے گُھل جانے کو بھی چور کہتے ہیں۔
چور لگنا : (شمع کے لیے) شمع کا ایک طرف سے گُھل جانا۔
چَورنگ : مٹّی کا اونچا ڈھیر جو تیر یا بندوق کی گولی کے نشانے کی مشق کے طور پر استعمال کیا جائے۔
چورنگ : تلوار کا وار ۔ ایک وار میں تلوار سے چار ٹکڑے کرنا ۔ وہ چیز جس پر تلوار کی ضرب کی مشق کریں۔
چَوکا : اگلے چار دانتوں کی لڑی ۔
چوگھڑا : چار خانوں کا سونے یا چاندی خواہ تانبے وغیرہ کا بکس ، جس میں کھلوریاں ، لونگ ، الائچی اور چکنی سپاری وغیرہ رکھتے ہیں۔
چُون : آٹا۔

چُونی : وہ موٹا آٹا جو دال دلنے سے نکلتا ہے۔
چونڈول : [چوڈول - چنڈول] : (بہ معنی چاروں طرف باڑ والا) نام جھام کی قسم کی ایک سواری جس کو کہار کندھوں پر اُٹھاکر لے جاتے ہیں - چوپہلا۔ سُکھ پال۔
چھاتی کا پہاڑ : ناگوارِ خاطر۔ وہ آدمی یا چیز جو طبیعت کے ناگوار ہو اور بوجھ معلوم ہو۔
چھب : آرایش - زیب و زینت ۔ ناز و انداز اعضا کا تناسب۔
چہرہ : ملازموں کے خال و خط جو دفتر میں درج کیے جاتے تھے۔ (شاہی دفتر کی اصطلاح)
چہرہ لکھا جانا : دفتر میں ملازم ہونا۔
چہرہ لکھنا : بھرتی کرنا۔ نئے ملازم کا حلیہ لکھنا۔
چہرہ لکھانا : نوکری کرنا۔
چہرہ ہونا : رجسٹر میں نام لکھا جانا ۔ بھرتی ہونا۔ دفتر یا فوج میں نام لکھا جانا۔
(سَودا نے مقابل ہونے، حریف ہونے کے معنی میں نظم کیا ہے)۔

پھک رہنا : بے پروا ہو جانا، دل بھر جانا۔
سیر ہو جانا۔
(سوداؔ نے عاجز ہو جانے کے مفہوم
میں استعمال کیا ہے)
پھند : مکر، فریب۔
چھوٹی اُمّت : کم ذات۔ نیچ قوم۔ ذلیل
لوگ۔
چیرا : ایک طرح کی منقش پگڑی۔
حارث : وہ شخص جس نے حضرت مسلم بن عقیل
کے صاحب زادوں کو شہید کیا تھا۔
حارص : حریص۔ لالچی۔
حاضری : وہ کھانا جو مرنے کے وارثوں کو
میّت کے دفن کے بعد بھیجتے ہیں۔
وہ نقد روپیا جو میّت والے کو دیا
جائے۔کباب، شیر مال، حلوا وغیرہ
جس پر شہدائے کربلا یا حضرت عباسؑ
کا فاتحہ دیتے ہیں۔
حُب : محبت۔ دوستی۔ آرزو۔
حَجلہ : دلھن کا چھپر کھٹ۔
حَدَث : وضو ٹوٹ جانا۔ (سوداؔ نے ایک
جگہ اس لفظ کو خیال یا بدگمانی کے
مفہوم میں نظم کیا ہے)
حُدیٰ : وہ نغمے جو عرب میں اونٹ والے
گایا کرتے تھے اور اونٹ مست ہو کر
تیز تیز چلا کرتے تھے۔
حُدیٰ خواں : نغمے گانے والا شتربان۔
حَر : گرمی۔
حِرز : پناہ گاہ، تعویذ۔
حرفِ ناسزا : بُری بات۔
حریر : ریشم۔
حسرتؔ : مراد ہے جعفر علی حسرتؔ، استادِ
جرأتؔ سے۔
حشری : وہ گھوڑا جو اور گھوڑوں کے ساتھ
مل کر نہ رہے۔
حَصر : گھیرنا، کسی چیز کا احاطہ کرنا۔
حُضّار : حاضرین۔
حَک : چھیلنا، دور کرنا، کسی چیز کو دوسری
چیز سے کھرچنا۔
محکم انداز : کہ کر نشانہ لگانے والا۔ وہ کامل
تیرانداز جس کا نشانہ خطا نہ کرے۔
حِکمتُ العَین : فلسفے کی معروف کتاب۔
مصنفہ دکا تبی قزوینی۔ اس کی

متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں۔

حلاوت: مٹھاس۔ پکے پھل کی مٹھاس۔ لذت، ذائقہ۔

حِلّت: حلال ہونا۔

حلقہ: گھیرا۔ احاطہ۔ مجلس۔ کڑا۔ لوہے یا لکڑی وغیرہ کا گول کُنڈا۔

حلقہ زن ہونا: تفتیشِ حالات کرنا۔ صاحبِ خانہ کو بُلانا۔

حلوا خاتو (حلوا خاتون): وہ کاٹھ کی پُتلیاں جنھیں فقیر لباس پہنا کر بچّوں کے آگے انگلیوں سے نچاتے اور لڑواتے پھرتے ہیں۔ اختو بختو۔

حَمام: کبوتر۔

حَمائل: گلے میں ترچھا پرتلا ڈالنا۔ گلے میں ڈالنے کی چیز۔ چھوٹی تقطیع کا قرآن شریف جسے گلے میں ڈال سکیں۔ عورتوں کے گلے میں پہننے کا ایک زیور۔ صفت کے طور پر: گلے میں پڑی ہوئی۔

حَمائل گل کی: پھولوں کی بدھی۔ پھولوں کا ہار۔

حَنظل: اندرائن کا پھل۔ ایک کڑوا پھل جو خربوزے کی طرح ہوتا ہے۔

حَول و قُوّت: مدد اور طاقت۔

خارا: سخت پتّھر۔

خار پُشت: مچھلی کی ریڑھ کی ہڈی یا کھجور کے پتّے کی شکل کا جنگی ہتھیار، جو گُرز کی طرح چلایا جاتا تھا۔

خارِ خسک: گوکھرو۔

خاک دان: مٹّی اور کوڑا پھینکنے کی جگہ مجازاً دُنیا۔

خاکستر: جلی ہوئی چیز کی راکھ۔

خالصہ: وہ سرکاری مِلک یا زمین جس میں کسی اور کا حق نہ ہو۔

خامہ: قلم۔

خانساماں: داروغہ۔ میر سامان (ایک شاہی عہدہ)

خان و خوانین: اُمرا و رؤسا۔ (خوانین: خان کی جمع)

خانہ بر اندازِ چمن: باغ کو اجاڑنے والا۔

خانۂ زنبور: بھڑوں کا چھتا۔

خانۂ شما آباد: ایک دعائیہ کلمہ جو عموماً

بہ طورِ تعریض استعمال کیا جاتا ہے۔
تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش، کے معنی میں۔

خاور کا تاج دار: سورج

خُبث: پلیدی، گندگی، بدباطنی، شرارت۔

خُبث کرنا: کسی کی برائی کرنا۔

خُتکا: انگوٹھا، ٹھینگا، بھنگ گھوٹنے کا ڈنڈا۔

خَجالت زدہ: شرمندہ۔

خَرابات: شراب خانہ، جوا خانہ۔بُت خانہ۔

خرابہ: ویرانہ، کھنڈر۔

خرافت: بے ہودہ بات، یادہ گوئی۔

خَرچنگ: کیکڑا۔

خَردَل: رائی۔

خِرس: ریچھ۔

خُرطوم: ہاتھی کی سونڈ۔

خَرِف: وہ شخص جو بڑھاپے کے سبب سے بدحواس ہو گیا ہو۔

خَرق والتیام: پھٹ جانا اور پھر باہم مِل جانا۔

خِرمَن: کھلیان۔ غلّے کا وہ ڈھیر جس سے بھوسا الگ نہ کیا گیا ہو۔

خِرمنِ گُل: پھولوں کی کثرت سے مراد ہے۔

خَروار: کسی چیز کا ڈھیر جو گدھے کی اونچائی کے برابر ہو۔ یا اس قدر بوجھ جس کو گدھا ڈھو سکے۔

خزانہ: ذخیرہ، پانی کا ذخیرہ رکھنے کی جگہ۔

خَزَف: ٹھیکری۔

خَس: سوکھی گھاس۔ کوڑا کرکٹ۔ پھوس۔ ایک قسم کی خوشبو دار گھاس کی جڑ جو دریا کے کنارے ہوتی ہے اور اس کی ٹٹیاں وغیرہ بناتے ہیں۔

خسروِ خاور: سورج۔

خِشت: اینٹ۔

خشکی و غرقی: سوکھا پڑنے یا بہت زیادہ پانی برس جانے کی وجہ سے کھیتوں میں پیداوار نہ ہونا۔

خطِّ غُبار: فنِ خطاطی میں خط کی ایک قسم، جس میں عبارت کو اس طرح لکھا جاتا ہے کہ غبار کی سی صورت نظر آتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ

باریک نقطوں کے ذریعے جلی حروف
کی شکل مطابقِ قاعدۂ خوش نویسی
بنائی جائے۔ اور دوسری یہ کہ کسی عبارت
کو بہت باریک لکھ کر، جلی عبارت یا
حروف بنائے جائیں۔ اس خط میں
شکلِ غبار نظر آنی چاہیے۔
خطِ گُل زار: مشہور خطاط ابنِ مقلہ کے
ایجاد کیے ہوئے چھے خطوں میں سے
ایک خط اس میں حروف جلی لکھے جاتے
ہیں اور حروف کے بیچ میں نقش و نگار
یا گُل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ اسے
خطِ ریحان بھی کہتے ہیں۔
خطِ گُل عذار: معشوق کے رخساروں پر
نکلا ہوا سبزۂ خط۔
خطیر: بہت زیادہ۔
خلا: مَلا کی ضد، خالی جگہ۔ حکما کے نزدیک
کسی چیز کا خلا (بالکل خالی ہونا)
ناممکن ہے۔ ان کے نزدیک ہر جگہ
ہوا سے بھری ہے۔
خِلط: آدمی کے جسم میں چار خلطیں ہیں:
صفرا، سودا، خون، بلغم۔ ان میں
سے ہر ایک کو خِلط کہتے ہیں۔
خَل خال: پازیب۔
خلعت: وہ لباس جو بادشاہوں یا امیروں
کی طرف سے انعام میں پہنایا جاتا تھا۔
سب سے بڑا خلعت ۲۱ پارچے کا
ہوتا تھا۔
خلعتِ سنگیں: بھاری خلعت۔
خلعتِ نوروز: ایران میں نوروز کے موقع
پر بادشاہ اہلِ دربار کو خلعت دیا
کرتا تھا۔
خَلَفُ الصِّدق: سچا بیٹا۔ فرماں بردار بیٹا۔
خِلقت: پیدائش۔ فطرت۔ سرشت۔
خَلقت: مخلوق۔
خِلقتِ یک دودماں: ایک خان دان میں
پیدا ہونے والے ایک خان دان کے
لوگ۔
خُم: شراب کا مٹکا۔ مٹکا۔
خَمّار: شراب فروش۔
خُنک: سرد، ٹھنڈا۔
خوانِ چشک: دیکھیے چشک۔
خُو: عادت۔

خوبوں: معشوقوں۔
خورِش: کھانا، خوراک۔
خوشہ: گچھا۔ اناج کی بالی۔
خوشۂ پرویں: چھوٹے چھوٹے ستاروں کا گچھا
(پرویں: چھوٹے چھوٹے ستارے جو آپس میں ملے ہوئے نظر آتے ہیں اور جو جاڑوں کے زمانے میں شروع رات سے نمایاں ہو جاتے ہیں۔)
خوک: سُؤر۔
خوگیر: گھوڑے کی وہ گدّی جو کاٹھی کے نیچے پسینا جذب کرنے اور پیٹھ نہ چھلنے دینے کی غرض سے رکھتے ہیں۔
خوگیر کی بھرتی: بے کار اسباب اور چیزیں کوڑا کرکٹ۔ بے کار اور نکمے آدمی۔
خوناب: خون کے آنسو۔ پانی ملا ہوا خون۔
وہ خون جو حالتِ رنج و غم یا محنت و مشقت میں آنکھوں کے رستے آنسو ہو کر یا مسامات سے پسینا بن کر ٹپکے۔
خوں آغشتہ: خون میں لتھڑا ہوا۔
خیاباں: وہ راستہ جو باغ کے بیچ میں ہوتا ہے۔
خیار: کھیرا، ککڑی۔
خیالِ بنگ: بھنگ کے نشے میں جو باتیں سوجھتی ہیں۔
خیرُ الانام: مُراد ہے رسول اللہؐ سے۔
خَیل: جماعت، گروہ۔
داب: آداب، طور طریق، ڈھنگ۔
داد و ستد: لین دین۔
درباں: دربان۔
داغی غلام: تُرکوں کا دستور تھا کہ حبشیوں کے لڑکوں کو پکڑ لانے اور اُن کی پیشانی پر داغ لگا دیتے تھے۔
دالّ: دلالت کرنے والا۔
دالِ عَدَس: مسور کی دال۔
دالِ نخود: چنے کی دال۔
دام: دمڑی، چھدام، (پرانے) پیسے کا چوبیسواں یا پچیسواں حصّہ۔
دانۂ روئیدہ: وہ بیج جس سے پودا نکل آیا ہو۔
دبستاں: مکتب۔ مدرسہ۔
دُبکنت: ڈر کر دبکنا۔

دبنگ : سخت دل آدمی، قوی، تنومند، موٹا تازہ۔

دُخترِ رَز : انگوری شراب۔

دَد : درندہ۔ پھاڑنے والا جانور، جیسے شیر وغیرہ۔

دَدَا : وہ عورت جو بچّوں کی پرورش کے واسطے نوکر ہو۔ کھلائی۔

دَرا : دروازہ۔

درا : گھنٹا جو قافلے والے کوچ کے وقت بجاتے ہیں۔ جرس۔

دُرّاج : تیتر۔

دَرانداز : دو آدمیوں میں لڑائی کرا دینے والا۔ لگائی بجھائی کرنے والا۔

دربار رَو : (شاہی) دربار میں جانے والا۔

درخورد : لائق، دخل، رسائی۔

دُرد : تلچھٹ۔

دُرِ غلطاں : لڑھکتا ہوا موتی۔ (آنسو کی رعایت سے موتی کو متحرک فرض کیا ہے۔)

دُرِ مکنون : چھپا ہوا موتی۔ وہ (قیمتی) موتی جس کو حفاظت کے ساتھ بند کر کے رکھا جائے۔

درندہ و گزند : پھاڑنے والے اور کاٹنے والے جانور۔

دَریُوزہ : بھیک۔

دُزدِ حنا : وہ سفیدی جو ہاتھوں میں مہندی لگانے میں چھوٹ جائے۔

دستارخوان : دسترخوان۔

دست بُرد : غلبہ۔ فتح۔ غبن۔ خیانت۔

دستِ زیرِ سنگ : پتھر کے نیچے دبا ہوا ہاتھ۔ بے اختیاری، مجبوری، بے بسی ظاہر کرنے کے لیے کہتے ہیں۔

دَستک : راہ داری کا پروانہ (اجازت نامہ)۔ مُہری کاغذ جو حاکم کے حکم سے لکھا جائے۔

دستِ گُل خوردہ : گُل کھایا ہوا ہاتھ۔ (گُل کھانا : معشوق کے چھلّے یا کسی اور زیور کو آگ پر لال کر کے، اپنے ہاتھ یا سینے پر بہ طور یادداشت یا عشق جتانے کے واسطے داغ کھانا۔)

دست ہو : دخل ہو۔ کام کو جانتا ہو۔

دشتِ اَرژَن: شیراز کے قریب ایک جنگل کا نام۔ یہ روایت ہے کہ یہاں حضرت سلمان فارسی کا ایک شیر سے سامنا ہوا تھا اور اس وقت اُنھوں نے حضرت علی کی دُہائی دی اور حضرت علی نے روحانی طور پر شیر کے پنجے سے رہائی دلائی۔

دِرُشْت: نظر۔

دَشنہ: خنجر۔

دُعاے جَوشَن: حضراتِ شیعہ کے یہاں دو دعائیں ہیں جو جوشنِ صغیر اور جوشنِ کبیر کہلاتی ہیں۔

دغدغہ: اندیشہ۔ ڈر۔ دھڑکا۔

دفترِ تَن: وہ شاہی دفتر جہاں نقد تنخواہوں اور زمینیں عطا کیے جانے کا حساب کتاب رکھا جاتا تھا۔

دُگلا: روئی دار انگرکھا۔

دلِ بِرِشتہ: غم گین دل۔ غم کا ستایا ہوا دِل۔

دُل دُل: وہ سفید مائل بہ سیاہی مادہ خچر، جو حاکم اسکندریہ نے رسول اللہ کو نذر میں پیش کی تھی۔ اور آپ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمائی تھی۔

دل سازی: (ٹوٹا ہوا) دل جوڑنا۔

دَم: سانس۔ فریب۔ شیخی۔ تلوار یا کسی بھی دھار دار آلے کی دھار۔ دُعا یا جادو کے انچھر۔ لحظہ۔ وقت کنایۃً: طاقت، قوّت۔ خون۔

دمامہ: نقارہ۔ کنایۃً: رونق، چہل پہل۔

دَم دار: جان دار۔ مضبوط۔ دھار دار۔ لچک کھانے والی چیز کو بھی کہتے ہیں۔

دم ساز: ہم دم، رازدار، دوست۔

دَمک: تمتماہٹ۔ چہرے یا سونے کی چمک۔

دم مارنا: شیخی مارنا، دعوا کرنا۔

دم واپسیں: آخری سانسیں۔

دِنایت: کمینہ پن۔ حقیر ہونا۔

دُنبال: کشتی یا جہاز کا پچھلا حصّہ۔ وہ سُرمے کی لکیر جو آنکھ کے کویے سے آگے تک بڑھی ہوئی خوب صورتی کے واسطے چھوڑ دیتے ہیں۔ پیچھے۔

دُنبَل : پھوڑا۔ دَل دار پھوڑا۔

دَنی : کمین ۔

دَداب : چوپایے ، حیوان ، مویشی ، جیسے گھوڑے ، گدھے ، اونٹ وغیرہ۔

دُوال : تسمہ ۔ رکاب کا تسمہ ، وہ تسمہ جس سے نقارہ بجاتے ہیں ۔

دَوادین : دیوان کی جمع ۔

دو ہَتیاں : سرکش ، طاقت ور ۔

دو بیتِ مہمل : دو بے معنی شعر۔

دو پلکا : ایک قسم کا پتھر جس سے انگوٹھی بناتے ہیں۔ ایک قسم کا جڑاؤ نگینہ۔

دُود : دھواں ۔

دودمان : خان دان ۔ کنبہ ۔

دورے کو تمام کرے : آسمان کے دائرے کا چکر پورا کرے ۔

دو سار ہونا : تیر یا نیزے کا بدن کے پار ہو جانا۔

دو ماہہ : دو مہینے کی تنخواہ ۔

دُون : حقیر۔ کمینہ ۔ ادنا۔ پاجی ۔

دھتّے دینا : دھوکا دینا۔

دَھج : طرز ، روش ، انداز ، وضع ۔

دِھرانا : ڈرانا ، دھمکانا ۔

دہرِ پُر سبک : خفیف الحرکات زمانہ ۔ گھٹیا باتوں کو پسند کرنے والا زمانہ

دُہل : ڈھول ۔

دُہلِ چرمِ بُز : بکری کے چمڑے کا بنا ہوا ڈھول ۔

دَے : فارسی مہینوں میں سے دسواں مہینا۔ یہ ہندی مہینے ماگھ سے مطابقت رکھتا ہے ۔ اس میں شدت کی سردی ہوتی ہے ۔

دِیار : مُلک ، شہر ۔

دیوالی : (دُوالی) چمڑے کا تسمہ ، پیٹی ۔

دیوان : دربارِ شاہی ۔ محکمۂ مال کا بڑا افسر ۔ حساب کا دفتر ۔ اجلاس کا مقام ۔ غزلوں کی کتاب (مجموعہ)

دیہیم : تاج ۔

ڈپٹ : گھوڑے کی دوڑ ، تیز رفتاری ، حملہ ، جَست ۔ ڈانٹ ۔

ڈَلک : چمک ، سونے کی چمک کے لیے عموماً مستعمل ہے ۔

ڈھلَیتی : گالو کی چوکیداری ۔ ڈھلائی کا کام ۔

ڈھوکنا: اس طرح چھپ کر شکار کرنا کہ جانور نہ دیکھے۔

ڈھور: مویشی۔

ڈھیلا پیچ: وہ گُندھے ہوئے بال جو بھوں تک ہوں۔ پگڑی کا پیچ جو بھوں پر پڑا ہوا ہو۔

ذَلُل: سودا نے ذلت کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ (عربی کے قاعدے سے یہ لفظ صحیح نہیں)

ذوالفقار: حضرت علی کی تلوار کا نام۔ یہ تلوار جنگِ بدر میں رسول اللہ کے ہاتھ آئی اور آپؐ نے حضرت علی کو عطا فرمائی۔

ذوفنون: بہت سے فنوں کو جاننے والا۔ کئی ہنر جاننے والا۔ سودا نے بہ طورِ طنز چالاک، عیار کے معنی میں نظم کیا ہے۔

ذَوِی الاکرام: عزت والے۔

راقمِ سرنوشت: قسمت کی تحریر لکھنے والا۔

راکِب: عرب، اونٹ کے سوار کو۔ اور فارسی میں گھوڑے کے سوار کو کہتے ہیں۔

رال: چیڑ کا گوند۔ ایک گوند کا نام جس میں آگ جلد اثر کرتی ہے۔

راو چاو: لاڑ پیار، ناز نخرا، دل لگی۔

راہ چپ کردہ: مقررہ راستہ چھوڑ کر، کسی دوسرے راستے سے جانا۔

راہ نوال: راستہ چلنے والا۔ راستہ طے کرنے والا۔

رَخش: سفید اور سُرخ ملا ہوا رنگ۔ رستم کے گھوڑے کا رنگ ایسا ہی تھا اسی وجہ سے اُس کو رخش کہتے تھے۔ پھر ہر گھوڑے کو کہنے لگے۔

رُخصت: اجازت۔

رَخنہ: سوراخ، مزاحمت، خلل، فساد۔

رَز: انگور۔

رِسال: وہ رقم جو خراج کے طور پر وصول کرکے، سرکاری خزانے میں جمع کی جائے، یا راج دھانی میں بھیجی جائے۔

رِشتہ: تاگا۔ قرابت۔

رشتہ بہ پا: پانو میں ڈورا بندھا ہوا۔ پابند۔

رَشکِ سرنوشتِ مُرسلاں: پیغمبروں کے نوشتۂ تقدیر سے بہتر۔

رطبُ اللسان : مدّاح ۔

رعونت : غرور، تکبّر ۔

رعونت شکنی : غرور توڑنا ۔

رَفیدہ : وہ بھوسا بھری ہوئی گول گدّی جس پر روٹی رکھ کر تنور میں لگاتے ہیں ۔

رَقَم : لکھا ہوا، خط، لکھنا ۔ روپے کے وہ نشان یا ہندسے جو الفاظ کا اختصار کرکے بنائے گئے ہوں ۔ مال دولت ۔ قیمتی چیز ۔ اعجوبہ ۔ عجیب آدمی ۔ چالاک ۔

رکاب دار : اعلا درجے کے کھانے پکانے والا باورچی ۔ رکابیوں میں کھانا چُننے اور خوب صورتی سے لگانے والا خانساماں ۔

رَم : وحشت گریز ۔

رنجِ دربستن : دروازہ بند کرنے کی پریشانی ۔

رُنجک : باریک بارود، بندوق یا توپ کے پیالے میں آگ دینے کے واسطے رکھی جاتی تھی ۔ اس میں شتابہ لگانے سے نال کی بارود میں آگ پہنچ جاتی تھی ۔

رنجک اُڑانا : بندوق یا توپ کے پیالے کی بارود میں آگ لگانا ۔

رنگ رس : رقص و سرود، گانے بجانے کی خوشی ۔ عیش و نشاط ۔

روباہ (روبہ) : لومڑی

روحُ القُدُس : جبریل علیہ السلام ۔

روداری : کسی کی موجودگی کی شرم ۔ لحاظ ۔ پاس ۔

رودوں : رودہ کی جمع ۔ رودہ : آنت ۔

روزِ شمار : قیامت کا دن ۔

روزِ میدان : لڑائی کا دن ۔

روکَش : مقابل، حریف ۔

روکشِ حرفِ دُرُشت : سخت بات کے متحمل ۔

رُوکھ : درخت ۔

رَوَنّا : وہ نوکر جو عورتوں کا کام کاج کرنے کو دروازے پر رہتا ہے ۔ وہ کاغذ جس پر مال کی تعداد، لانے والے کا نام و محصول وغیرہ درج ہو ۔

روئیدگی : اُگنا ۔ نباتات ۔

روئیں تن : دھات کا بنا ہوا۔ جس کے جسم
پر تلوار و تیر کارگر نہ ہوں اسفند یار
کا لقب، جس کے جسم پر کوئی حربہ
کارگر نہیں ہوتا تھا۔

رہا : چھوٹا ہوا، نجات پایا ہوا۔
(سودا نے نجات کے معنی میں
استعمال کیا ہے۔)

رہکلا : توپ رکھنے کی گاڑی۔ مجازاً :
چھوٹی اور ہلکی توپ جسے دو بیل
آسانی سے کھینچ سکیں۔

رہ نورد : تیز چلنے والا۔ قاصد۔ مسافر
جو پیادہ چلے۔

ریتی : دریا کے کنارے کی ریتیلی زمین۔
(مراد ہے قلعے کے پیچھے، جمنا کنارے
کی ریتیلی زمین سے۔)

ریحان : ایک خوشبودار پودے کا نام جو
تلسی کی قسم میں سے ہے، ناز بو،
بانگو۔ گلاب کے سوا تمام پھول۔

ریحِ خلا : پیٹ خالی ہونے پر جو ریاح پیٹ
میں جمع ہو جائیں۔

ریزہ : ٹکڑا۔ وہ چیز جو بہت چھوٹی ہو۔
وہ چیز جو دوسری چیز سے ٹوٹ
کر گرے۔

ریزہ چیں : ٹکڑے چننے والا۔ مجازاً : فیض
اُٹھانے والا۔

ریسمان : رسّی۔ ڈوری

ریگِ شیشۂ ساعت : شیشۂ ساعت
میں بھری ہوئی ریت۔
(شیشۂ ساعت : دونوں طرف
دو شیشے کی کُپّیاں، بیچ میں نلی
جڑی ہوئی، ایک طرف بالو بھری
ہوتی تھی جو ایک باریک سوراخ سے
ذرا ذرا کر کے ایک گھنٹے میں پوری
گر جاتی تھی، اس سے گھنٹے کا حساب
کیا جاتا تھا۔)

ریم : پیپ۔

زاغِ کوہی : پہاڑی کوا۔

زُحل : اس ستارے کا نام جو ساتویں
آسمان پر ہے۔ نہایت نحس (نحسِ
اکبر) اور سست رفتار خیال کیا
جاتا ہے۔ سنیچر۔

زرِ عیار : خالص سونا۔

زقوم : تھوہڑ۔
زُلال : ستھرا صاف پانی، میٹھا پانی۔
زمزمہ پرداز : راگ گانے والا۔ نغمہ سنج۔
زمینِ شور : بنجر زمین۔
زُنّار : جنیو — وہ سفید لکیر جو اکثر نگینوں
میں قدرتی آڑی بنی ہوئی ہوتی ہے
زنبورِ عسل : شہد کی مکھی۔
زَنَخ : ٹھوڑی۔
زَنگ : گھنٹی۔ گھنگھرو۔
زور : بہت۔
زہ : کلمۂ تعریف۔ واہ واہ، سبحان اللہ۔
کمان کا چلّا۔
زَہرہ : پتّا۔ کنایتہً دلیری۔
زہے : واہ واہ۔ شاباش۔ عجب۔
زیرِ سما : آسمان کے نیچے، دُنیا میں۔
ساچق : بَری۔ شادی سے ایک دن پہلے
کچھ تھلیاں اور شیرینی اور دُلھن کا
جوڑا وغیرہ دولھا کے گھر سے دُلھن
کے گھر لے جاتے ہیں، اس کو ساچق
یا بَری کہتے ہیں۔
ساعِد : ہاتھ کی کلائی۔ ہاتھ کے پہنچے سے
کہنی تک کا حصہ۔
ساغری : گھوڑے کی مقعد۔
ساق : پنڈلی۔
سانٹ : (سانٹھ) رسّی جس میں گرہ پڑی ہوئی
ہو۔ گرہ۔ گتھی۔ سازش۔
سانٹ ملی ہوئی ہے : سازش ہے۔
ملی بھگت ہے۔
سانگ : بھیس کسی کی نقل بنانا۔ کھیل تماشا
راس لیلا۔
ساونت : بہادر۔
سُبحانَ من یرانی : "وہ پاک ہے جو
مجھے دیکھتا ہے۔" یہ ایک عربی کی
دُعا کا ٹکڑا ہے۔
سُبحہ : تسبیح۔ مالا۔
سُبحۂ زُوّار : زیارت کرنے والوں کی
تسبیح۔
سبز فام : سبز رنگ، کنایتہً : معشوق۔
سبزہ : کسی قدر سیاہی مائل سفید رنگ
گھوڑا، یعنی جس کی سفیدی میں میلا پن
ہو۔ عام طور سے بدرنگ سمجھا
جاتا ہے۔

سبعہ سیارہ: سات گردش کرنے والے ستارے، یہ حسب ذیل ہیں: چاند، عطارد، زہرہ، سورج، مریخ، مشتری، زحل۔

سبک بار: ہلکے بوجھ والا۔ کنایۃً: فارغ البال، اکیلا۔

سبک رَو: تیز رفتار۔

سبک رَوی: رفتار کی تیزی۔

سُتور: چوپایہ، خصوصاً گھوڑا، خچر، بیل۔

سَتلو: بے ہودہ عورت، بے سلیقہ، پھوہڑ۔

سحاب: بادل۔

سحابِ تگرگ بار: اولے برسانے والا بادل۔

سَحابِ مَطیر: برسنے والا بادل۔

سَحبان: سحبان بن وائل، عرب کے ایک مشہور فصیح کا نام، جس کی فصاحت و خطابت مشہور ہے۔

سحرِ سامری: وہ جادو جو سامری کو معلوم تھا اور جس سے اس نے گوسالہ (بچھڑا) بنایا تھا جو بولتا تھا۔

سخن سنج: شاعر۔ سخن فہم۔

سَدِّ رَمَق: کنایۃً: تھوڑی سی چیز۔

سدیدی: طب کی ایک مشہور کتاب کا نام۔

سرازیر: سرابالا کا متضاد، نیچے کی طرف جھکا ہوا۔ نیچے۔

سرِ بہار: موسم بہار کے آغاز میں۔ بہار کے موسم میں۔

سرپٹ: گھوڑے کی ایک تیز رفتار چال، جس میں وہ پچھلے دونوں پیر ایک ساتھ اٹھا کر کودتا ہوا دوڑتا ہے اور اسی طرح دونوں اگلے پیر بھی ایک ساتھ اٹھاتا ہے اور آگے کو ڈالتا ہے۔ اس چال کو چوکڑی، سرپٹ اور پوٹیا کہتے ہیں۔

سرچنگ: ہاتھ کی ضرب جو قوت کے ساتھ کسی کے سر پر ماری جائے۔

سرچوٹی: گھوڑے کے سر کے بال، جنھیں عورتوں کے سر کی طرح گوندھ لیا جاتا تھا۔

سرکوب: گوشمالی کرنے والا۔ سر کچلنے والا۔

سرگزار: جاں باز۔ سر دے دینے والا۔

سرِ مُو : بال کی نوک برابر۔

سُرنگ : شعلہ رنگ گھوڑا، جس کی رنگت میں گُلِ انار یا زعفران کے رنگ کی سی جھلک ہو۔ اسے بُور اور کانون بھی کہتے ہیں۔

سرنوشت : قسمت کا لکھا۔

سرہنگ : فوج کا سردار، پہلوان، سپاہی۔

سُفرہ : دسترخوان

سُفرہ چیں : دسترخوان بچھانے والا۔

سفوفِ بہبود : ایک دوا۔

سَقَر : دوزخ۔

سَقف : چھت۔

سلاطینوں : سلاطین کی جمع، شہزادے۔ شاہی خاندان کے بھائی بند۔

سَلخ : وہ دن جس کی شام کو چاند دکھائی دے۔ چاندرات۔

سلسلۂ پا : پیر کی زنجیر۔

سُلیمانی : ایک قسم کے دو رنگے پتھر کا نام، جس کے اندر سفید خط ہوتا ہے، جس کو زنّار کہتے ہیں۔ دیکھیے زنّار۔

سلیمانی کرنا : حکومت کرنا۔

سَم : زہر

سُم : گھوڑے یا کسی بھی چوپایے کا کھُر۔

سَما : آسمان۔

سَمک : وہ مچھلی جو زمین کے نیچے ہے۔ (پہلے یہ خیال تھا کہ زمین ایک گائے کی پُشت یا سینگوں پر قائم ہے اور گائے ایک مچھلی کی پُشت پر ہے۔)

سَمَنْد : وہ گھوڑا جس کا رنگ سونے کے رنگ سے مشابہ ہو اور دُم سیاہ ہو۔

سمندر : چوہے کی شکل کا ایک جانور جس کے متعلق خیال تھا کہ آتش کدے میں پیدا ہوتا ہے اور اگر آگ سے باہر نکلے تو فوراً مر جائے۔

سمندِ خرس نما : ریچھ کی شکل کا سمند گھوڑا۔

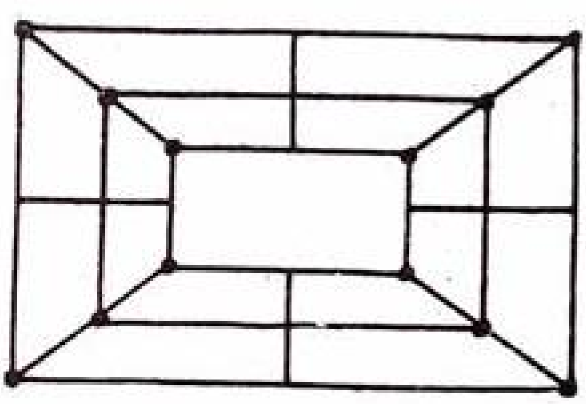
سَمور : ایک نہایت باریک پشم والے جانور کا نام جس کی کھال سُرخ مائل بہ سیاہی ہوتی ہے۔ اس کی کھال جوڑ کر پوستین بناتے ہیں اور کھال کو بھی سمور کہتے ہیں۔

سِن : عُمر۔

سِنان : تیر کی نوک۔ نیزے کے اوپر کا حصّہ۔

سُنبل : ایک خوشبودار گھاس کا نام۔
بالچھڑ۔ معشوق کے گیسو اور زلف
سے تشبیہ دی جاتی ہے۔
سُنبلِ مُشک فام : سیاہ خوشبودار زلفیں۔
سَنگ : مجازاً : وزن، وقار۔
سنگِ آبشار : وہ پتھر جس پر آبشار
(جھرنے) کا پانی گرے۔
سنگ آمد و سخت آمد: اس وقت بولتے
ہیں جب کوئی کام چار و ناچار کرنا
ہی پڑے۔
سنگِ پا: وہ پتھر جس سے پیروں کا
میل چھڑاتے ہیں۔ جھانواں۔
سنگِ تفرُقہ : وہ پتھر جو دو آدمیوں
یا چیزوں کو الگ الگ کر دے۔
مراد ہے ایسے حادثے سے جو دو
دوستوں کو جدا کر دے۔
سنگ دان : پرند کا معدہ جس میں اکثر کنکر
بھی نکلا کرتے ہیں۔
سنگِ فساں : وہ پتھر جس پر چھری،
تلوار وغیرہ پر دھار رکھی جاتی ہے۔
سنگلاخ : پہاڑی زمین۔ پتھریلی زمین۔

مشکل دشوار۔
سنگِ محک : کسوٹی، وہ پتھر جس پر سونے
کو گھس کر کھرا کھوٹا معلوم کیا جاتا ہے۔
سنمکھ : روبرو، مقابل۔
سُواپاٹ : ایک کھیل جو زمین پر لکیریں
کھینچ کر گوٹوں سے کھیلا جاتا ہے۔
دو آدمی کھیلتے ہیں۔ ہر ایک کی
بارہ بارہ گوٹیں ہوتی ہیں۔ نمبروار
ایک ایک گوٹ چلی جاتی ہے۔ اس
کا نقشا یہ ہے:



چاروں کونوں پر جو تین تین خانے
ہیں، اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے
کہ حریف کی تین گوٹیں اس ایک
لائن کے خانوں میں مل نہ جائیں۔
(یہ معلومات جناب جاوید وششٹ
استاد دلی کالج کی معرفت حاصل ہوئی ہے۔)
سوالِ دستخطی : وہ کاغذ یا عرضی جس پر

رقم وغیرہ کی منظوری کے دستخط
ہو چکے ہوں

سُودہ : کسی چیز کا بُرادہ۔ وہ چیز جو گھسنے
سے حاصل ہو۔

سوزنی : ایک قسم کا دوہرا یا روئی بھرا ہوا
کپڑا جس پر سوئی کا باریک کام
کیا ہوا ہو۔ ایسے کپڑے کا لباس ہو
یا فرش، دونوں کو سوزنی کہتے
ہیں۔

سَوسَن : ایک قسم کے آسمانی رنگ کے
پھول کا نام جس کی چھ قسمیں ہیں :
اس کی شاخ بلند، پتے پتلے اور
پھول میں پانچ پنکھڑیاں ہوتی ہیں
جو کھل کر خمیدہ ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ
شعرا نے اکثر اس پھول کو زبان سے
تشبیہ دی ہے۔

سوفار : تیر کا وہ سوراخ یا شگاف، جو
تیر کے گز میں، جس طرف سے کمان
میں رکھتے ہیں، اُس طرف ہوتا ہے
اور اُسے چلاتے وقت چلّے میں رکھ
کر چھوڑتے ہیں۔ دہانِ تیر، تیر کی
چٹکی۔

سوندھا : ایک مرکب خوشبو کا مسالا۔
جس سے بال دھوتے ہیں یا جسے
کپڑوں پر لگاتے ہیں۔

سوہان : ریتی، لکڑی یا لوہا صاف کرنے
کا خاردار آلہ۔

سوہانِ جاں : جان کو آزار دینے والا۔
ناگوارِ خاطر۔

سُہیلے : وہ گیت جو عورتیں بیاہ برات یا
زچہ خانوں میں گاتی ہیں۔

سَیّار : بہت سیر کرنے والا۔ تیز چلنے والا۔
گردش کرنے والا ستارہ۔

سیاہہ : وہ کچا رجسٹر جس میں ہر روز کی
نقدی یا جنس بغیر تفصیل ایک جگہ
درج کر لیتے ہیں۔ روزنامچہ

سیر چشمی : آسودگی۔ بے پروائی۔

سِیسَر : کمان کا وہ فیتا، جس میں تیر
رکھ کر کمان کھینچتے ہیں اور تیر چلاتے
ہیں۔

سَیف : تلوار۔

سِیل : چھوٹا نیزہ۔

سیماب: پارا۔
سِینا (یائے مجہول): پرندوں کا انڈوں پر بیٹھنا بچے نکالنے کے لیے۔
سیہ مست: بدمست، نشے میں چور۔
شاخ: سینگ۔
شاخسار: وہ جگہ جہاں کثرت سے شاخوں والے درخت ہوں۔
شاخیں کھنچوانا: سینگیاں لگوانا۔
شادی مرگ: وہ شخص جو خوشی کی زیادتی سے مر جائے۔
شاطِر: شطرنج کھیلنے والا۔ سپاہیوں کا ایک گروہ جو خاص لباس میں امیروں اور بادشاہوں کی سواری کے آگے آگے دوڑتے تھے۔
چور۔ گرہ کٹ - چالاک آدمی۔
شاگرد پیشہ: نوکر چاکر۔ اوپر کا کام کاج کرنے والے۔
شائِق: مشتاق، آرزومند، طلب گار۔
شایاں: لائق۔
شَباں: چرواہا۔
شبِ تار: اندھیری رات۔
شبِ دیجور: اندھیری رات۔
شبرنگ: کالا گھوڑا۔
شبِ قیر: اندھیری سیاہ رات۔
شَبَک: شکاری کا جال۔
شَبَہ: کانچ کے بنے ہوئے مختلف رنگ کے باریک موتی۔ پوتھ۔
شُترنال: ایک طرح کی چھوٹی توپ جو اونٹ کی پیٹھ پر لدتی اور اُسی پر چلائی جاتی تھی۔ ایسی توپیں شاہی سواری کے ساتھ اکثر ہوتی تھیں اور اکثر چھوٹتی جاتی تھیں۔
شَر بور: شرابور۔
شرار: آگ کی چنگاریاں۔
شرائین: تمام جسم میں خون پہنچانے والی رگیں۔
شَرَنگ: زہر۔
شَست: مچھلی پکڑنے کا کانٹا۔ انگوٹھا۔ ساز بجانے کی مضراب جسے انگلی میں پہنتے ہیں۔
شَست اندازی: تیر اندازی۔ تیر چلانا۔

شُست و شو : نہانا دھونا ، دھوکر صاف
کرنا۔
شَش پَر : ایک طرح کا لوہے کا گُرز
جس کا سر چھے پہلو والا ہوتا تھا۔
شِعار : طور طریقہ ، طرز ، روش۔
شعلہ پیرا : شعلے تراشنے والی ، شعلے
برسانے والی۔
شغال : گیدڑ۔
شَغَف : بے انتہا رغبت۔
شَق : شگاف ۔شگاف پڑا ہوا۔
شکستہ بالی : بے کسی۔قوت کا نہ ہونا۔
پرواز کی طاقت نہ ہونا۔
شلنگ : پھلانگ جانا ۔جست۔تڑپ۔
قلانچ۔
شَملہ : پگڑی۔ صافے کا سرا یا اُس کا آخری
سرا ایک خاص قسم کی دستار۔سر سے
باندھنے کی شال۔
شَمّہ : تھوڑا۔قلیل مقدار۔
شمّۂ نور : ذرا سا نور۔
شِناوَر : پیرنے والا۔
شِناہ : تیرنا۔

شُور زمین : بنجر زمین۔
شہِ مرداں : حضرت علیؓ کا لقب۔
شَیب : بڑھاپا۔
شیخ بھبینا : اس کے معنی باوجود کوشش
میں معلوم نہیں کر سکا۔ بظاہر ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہاوتوں کے
جگت گرو یا کسی معروف مہاوت
کا نام ہے۔ اس لفظ کی صحیح صورت
بھی تحقیق طلب ہے۔
شیخ ڈونڈو (ں) بنانا : بارش کو روکنے
کا ٹوٹکا ، کپڑے کا گُڈا بنا کر اور
اس کی کمر سے ایک گٹھری باندھ کے
بارش کے پانی میں لکڑی کے سہارے
کھڑا کر دیتے ہیں ، اس گڈے کو
شیخ ڈونڈوں کہتے ہیں۔جاہلوں کے
نزدیک اس ٹوٹکے سے بارش تھم
جاتی ہے۔
شیخوخیت : (شیخوخت) بڑھاپا۔
شیخ و شاب : بوڑھے اور جوان۔
شَیدا : سودا کے ایک شاگرد کا تخلص۔
شیرِ خدا : حضرت علیؓ کا لقب۔

شیر دہاں : ایک قسم کی بندوق۔
شیہہ : گھوڑے کی آواز۔
صاحبُ الزّماں : بارھویں امام حضرت
امام مہدی کا لقب۔
صاعقہ : بجلی جو زمین پر گرے۔
صباح : سویرا، تڑکا۔
صبح خیز یا : بہت سویرے جاگنے والا
وہ چور جو مسافروں سے پہلے اُٹھ
کر، اُن کا مال اسباب چُرالے جائے۔
صَحنک : رکابی، چھوٹا طباق۔ حضرت
فاطمہ کی نیاز اور اُس نیاز کے کھانے
کو بھی صحنک کہتے ہیں۔
صد برگ : گیندے کا پھول۔
صدرہ : سو بار۔
صرصر : تیز ہوا۔ آندھی۔
صرع : مرگی۔
صرفِ خاص : بادشاہ کے ذاتی خرچ کی
مخصوص رقم۔
صَریر : قلم چلنے کی آواز۔
صَعب : سخت۔ دشوار۔ ناگوار۔
صفِ نعال : وہ جگہ جہاں جوتے اتار
کر مجلس میں داخل ہوتے ہیں۔
(نعال : نعل کی جمع، بہ معنی جوتا۔)
صُنع : کاری گری۔
(صنع کا چمن : (خدا کی) کاری گری
کا باغ، مُراد ہے دنیا سے)
صَوت : آواز۔
صَوتِ غنا : گانے کی آواز۔
صورتِ دیبا : وہ تصویر یا شکل جو
(ریشم کے) کپڑے پر بنی ہوئی
ہوتی ہے۔
صَولت : رعب، ہیبت۔
صِیام : صوم کی جمع، روزے۔
ضارِب : مارنے والا۔
ضخامت : حجم، جسامت، مُٹاپا، مُٹائی۔
طاقِ روزگار : یکتائے زمانہ۔
طائرِ پرّاں : اڑتا ہوا پرندہ۔
طبیبِ سِرّ و عَلَن : چھپے اور ظاہر امراض
کا علاج کرنے والا۔
طِحال : تلّی۔
طَرِّقوا : راہ دو، ایک طرف ہو جاؤ۔ عرب
کے نقیب بادشاہوں کے آگے آگے

طرتوا طرتوا کہتے تھے۔

طُرّہ : زلف، پیشانی کے بال۔ سر کے بل کھائے ہوئے بال۔ سر کے بالوں کی لٹ۔

طُرّہ زر : سنہرا طرہ۔ مُقیش کے تاروں کا گچھا جو پگڑی کے اوپر لگاتے ہیں۔

طغیانی : سرکشی۔ بغاوت۔ حد سے بڑھ جانا۔ دریا کا چڑھاو۔ سیلاب۔

طفلِ نے سوار : لکڑی کے گھوڑے پر سوار بچہ۔ (بچے لکڑی کے ڈنڈے کو گھوڑا بنا لیتے ہیں اور اس کو چلاتے ہیں)

طَل : ننھی بوندیاں گرنا۔ اوس۔

طِلائے دست افشار : ایرانی بادشاہ خسرو پرویز کے خزانے میں ایک قسم کا سونا تھا بہت قیمتی، موم کی طرح نرم، جس کو ہاتھ سے دبا کر جو چاہو بنالو۔

طلب کی کوڑیاں : تنخواہ کی رقم۔

طَناب : خیمے کی رسّی۔

طَنّاز : رمز و کنایہ میں بات کہنے والا۔ نازسے چلنے والا۔ شوخ۔ بے باک۔

طَنین : مکھی، مچھر وغیرہ کی آواز۔ طنبور کی آواز۔

طوسی : ایک طرح کے خاکی رنگ کا نام جو مازو، کسیس اور پھٹکری سے تیار کیا جاتا تھا۔

طَوف : طواف کرنا۔ گرد پھرنا۔

طومار : خط، دفتر، بہت لمبا خط۔ کاغذوں کا مُٹھا۔ جھوٹی باتیں۔ مبالغہ آمیز بیان یا تحریر۔

طَیر : پرندہ۔

ظِلِّ اللہ : خدا کا سایہ، مجازاً بادشاہ۔

عاق کر دینا : اولاد کو نافرمانی کے سبب وراثت سے محروم کر دینا اور اس سے تعلق ختم کر لینا۔

عالم الغُیوب : غیب کی باتیں جاننے والا۔ خدا۔

عالمِ لاہوت : عالم ذاتِ الٰہی، جہاں پہنچ کر سالک کو مقامِ فنا فی اللہ حاصل ہوتا ہے۔

عاملِ تَغیر : وہ حاکم جس کو تبدیل کر دیا گیا

ہو۔ جسے معزول کر دیا گیا ہو۔

عبدِ اَقَل : حقیر بندہ۔ بہ طور انکسار اور عاجزی کے یہ کلمہ استعمال کیا جاتا ہے۔

عَبِیر : ایک قسم کا خوش بودار مسالا جو کپڑوں پر چھڑکا جاتا ہے۔

عُجُب : غرور۔ گھمنڈ۔

عدیل : برابر۔ نظیر۔

عرض لینا : حاضری لینا۔ جائزہ لینا۔ (قوتِ نامیہ نباتات کا عرض لیتی ہے : قوتِ نشوونما جائزہ لیتی ہے کہ کوئی فیضِ نمو سے محروم تو نہیں رہا۔)

عَرَقِ اِنفعال : شرمندگی کا پسینا۔

عَزا : ماتم، ماتم پرسی۔

عَزَّ وَ جَلَّ : غالب اور بزرگ۔

عُشرِ عَشِیر : کسی چیز کے دسویں حصے کا دسواں حصہ، یعنی سواں حصہ۔ کنایتاً : ذرا سا۔ رتی بھر۔

عصفور : چڑیا۔ گرگیتا۔

عَصافیر : عصفور کی جمع، چڑیاں۔ گرگیتا۔

عُطارِد : دوسرے آسمان پر ایک ستارہ ہے جس کو دبیرِ فلک اور منشیِ فلک بھی کہتے ہیں۔ علم و عقل اس سے متعلق ہیں۔

عُظم : بڑائی۔

عَف : (عف عف) کتے کی آواز۔

عُقدہ : گرہ۔ گتھی۔ کنایتاً : مشکل بات، پیچیدہ مسئلہ۔ بھید۔ دل کی بات۔

عُقدہ کُشا : مشکل کو آسان کرنے والا۔

عقدۂ مالاینحَل : مشکل مسئلہ جو حل نہ ہو۔

عقلِ کُل : کبھی حضرت جبریل سے مراد ہوتی ہے، کبھی نورِ محمدی سے اور کبھی عرشِ اعظم سے۔ حکما کی اصطلاح میں پہلا فرشتہ۔

عِلّتِ غائی : نتیجہ، ماحصل، اصلی مقصود۔

عَلَف : گھاس، چارا۔

عَلَفِ سبز : ہرا چارا۔ ہری گھاس۔

عِلمِ ظنّی : وہ علم جس کے نتائج اور مقدمات قطعی نہ ہوں جیسے طب، علمِ ظنی ہے برخلاف علم ریاضی کے، جو

یقینی یا قطعی ہے۔

عُمّال: عامل کی جمع۔ روپیا وصول کرنے والے عہدے دار۔ پرگنوں کے حاکم۔

عُمدہ: پسندیدہ، منتخب، امیر، سردار۔

عناں کشیدہ: باگ کھینچے ہوئے۔ آہستہ چلنے والا یا رُکا ہوا۔

عنکبوت: مکڑی۔

عُود: سارنگی کی قسم کا ایک ساز۔

عُہدے سے بر آنا: ذمّے داری کو پورا کرنا۔ فرض ادا کرنا۔ غلبہ حاصل کرنا۔

عُہدے سے بَر نہ آئے: حق نہ ادا کر سکے۔ غالب نہ آ سکے۔

غاشِیہ: زین پوش۔ وہ کپڑا جو چارجامے کے اوپر ڈالتے ہیں۔

غَب غَب: موٹے تازے آدمی کی ٹھوڑی کے نیچے کا لٹکا ہوا گوشت، جو خوب صورتی میں داخل ہے۔

غِربال: چھلنی۔

غُربت: مسافرت، پردیس، مفلسی۔

غِرّہ: غرور، گھمنڈ۔

غُرّہ: ہر قمری مہینے کی پہلی تاریخ۔

غزال: ہرن۔

غزالہ: ہرن کا بچّہ جو مادہ ہو۔

غلام کا دُوا: اس اصطلاح کا صحیح مفہوم میں معلوم نہیں کر سکا۔ دُوا، دُگّی کو کہتے ہیں اور یہ جُوے کا ایک داؤ بھی ہے۔

غمّاز: چغل خور۔ آنکھ سے اشارہ کرنے والا۔

غِنا: نغمہ۔ دولت مندی۔ بے پروائی۔

غَوّاص: غوطہ لگانے والا — کیمیا کی اصطلاح میں: کسی دھات کے اندر سرایت کر جانے والا۔

غُول: دیو، شیطان، بھوت پریت۔

غیبت: حضور کی ضد۔ سامنے نہ ہونا۔

فَر: شان و شوکت، دبدبہ۔

فَراوانی: زیادتی۔ بہتات۔

فرد: ایک لمبا کاغذ جس پر مقدمات کا فیصلہ لکھا کرتے تھے۔ وہ کاغذ جس پر محرر حساب کتاب درج کرتے ہیں۔ رجسٹر۔ وہ کاغذ جس پر دعوتوں میں ان لوگوں کے نام لکھے رہتے ہیں جن کو بلاتے ہیں۔

ایک شخص - ایک شعر - یکتا، بے مثل۔

فُرس: ایرانی - زبانِ فارسی۔

فَرق: سر۔

فَزود: (افزود) زیادہ۔

فشار: نچوڑنا، بھینچنا، قبر کا مُردے کو بھینچنا۔

فصیحی: فصاحت - ایک فارسی شاعر کا تخلص۔

فَضا: کھلا میدان، جگہ کی وسعت - بہار، رونق، کیفیت۔

فَقیہہ: علمِ فقہ (شرعی مسائل) کا عالم۔

فِلزّات: فلزّ کی جمع، کان سے نکلنے والی وہ دھاتیں جو آگ میں پگھل جائیں۔ جیسے سونا، چاندی، لوہا وغیرہ۔

فلک سیر: آسمان پر اُڑنے والا (تیز رفتار گھوڑے کی صفت)

فِندُق: ایک ولایتی میوے کا نام جو بہت سُرخ اور چھوٹے بیر کے برابر ہوتا ہے۔ کنایتاً: مہندی لگی انگلیوں کا سرا۔

فیض بازار: دہلی کا قدیم مشہور بازار۔

فیلسوف: حکیم، دانش مند۔ فریبی - بد باطن - چالباز۔

فیل مُرغ: پیرو، ایک پرندہ جو مور کی طرح اکثر دُم پھیلائے رہتا ہے اور اُس سے بہت مشابہ ہوتا ہے۔

قاب: بڑی پلیٹ۔

قابلہ: بچّہ جنانے والی عورت - دائی۔

قاشِ زین: گھوڑے کی زین کے آگے اور پیچھے کے تکیے - جو قاش (پھانک) کی صورت کے ہوتے ہیں۔

قالب تہی کریں: مرجائیں۔

قالی: قالین۔

قامت: قد۔

قانون: ایک مشہور رومی باجے کا نام، جس میں بہت سے تار ایک تختے پر لگے ہوتے ہیں۔ طب کی مشہور کتاب جسے شیخ بو علی سینا نے لکھا تھا۔

قُدسیاں: فرشتے - اولیاء اللہ۔

قُرص: ٹکیا۔

قُرصِ مہِ تمام: پورے چاند کی ٹکیا - پورا چاند۔

قَز: ایک طرح کا ریشم جو کم قیمت ہوتا ہے
قُشون: فوج کا دستہ۔ فوج۔
قضارا: اتفاقاً۔ یکایک۔
قضائے مُبرَم: نہ ٹلنے والا حکم۔ وہ موت جو کسی طرح نہ ٹلے۔
قُطر: وہ خطِ مستقیم (سیدھی لکیر) جو دائرے کے مرکز پر گزر کے، اس کے دو برابر حصّے کردے۔
قطرہ زن: کنایتہً: دوڑنے والا۔ تیز رفتار۔
قطعِ مَسافت: فاصلہ طے کرنا۔
قُلّاب: مچھلی پکڑنے کا کانٹا۔ حلقہ۔ کڑی۔
قُلزُم: نہایت گہرا دریا۔
قِلقاری: بے زبان بچّوں کی ہنسی جو آواز کے ساتھ ہو۔
قُلقُل: صراحی سے شراب یا پانی نکلنے کی آواز۔
قلمرَو: ملک، سلطنت۔
قلم کار: وہ پھول بوٹے جو کپڑے پر چھاپے کے بجائے قلم سے بنائے جائیں۔ ایک طرح کا منقش کپڑا۔
قلیہ: سادہ گوشت جو گھی میں بھون کر شوربے دار پکائیں۔ قصبات میں ترکاری پڑے ہوئے اور ہلدی ملا کر پکائے ہوئے گوشت کے لیے مستعمل ہے۔
قِمار: جُوا۔ ہر بازی جس میں شرط لگائی جائے۔
قِماری: جُواری۔
قَماری: قُمری کی جمع۔
قُوت: خوراک۔
قوّتِ نامیہ: بڑھانے والی قوّت۔ (نامیہ، کل جان داروں اور درختوں میں خدا نے ایک طاقت پیدا کی ہے جو اُن کو بڑھاتی، لمبا چوڑا، اونچا اور موٹا کرتی ہے۔)
قوچ: مینڈھا۔
قُول: (واو مجہول) فوج۔
قیامت دل چسپ: بہت زیادہ دل چسپ۔
کاتبی: ایک طرح کا لباس جس کی آستین چھوٹی ہوتی ہے۔
کاتبی سمور: سمور کی بنی ہوئی کاتبی۔
کارِ بستہ: رُکا ہوا کام۔ الجھا ہوا کام۔
کارد باستخواں تک پہنچنا: تنگ آنا، ہلاک ہونے کے قریب پہنچ جانا۔

کاسِب : کسب کرنے والا۔ پیشہ ور۔

کاسۂ سفال : مٹّی کا پیالہ۔

کاسۂ واژوں : اوندھا پیالہ۔

کاظمین : عراق میں ایک مقام کا نام جہاں حضرتِ امام موسیٰ کاظمؓ اور ان کے پوتے اور نویں امام، امام محمد تقیؓ دفن ہیں۔ سوداؔ نے دونوں امام مراد لیے ہیں۔

کاغذِ باد : پتنگ۔

کافرِ حربی : وہ کافر جس کے سبب سے دین کے کاموں میں خلل واقع ہو اور اس سے ایسی صورت میں لڑنا واجب ہو۔

کاکاکوّا : ایک قسم کا سفید اور بڑا توتا جس کے سر پر سُرخ یا زرد کلغی ہوتی ہے۔ آواز آدمی کے بچّے کے مانند صاف نکالتا ہے۔ اس کی چونچ نہایت سیاہ اور بدنما ہوتی ہے۔ اِسے کاکاتوا بھی کہتے ہیں۔

کال : مَوت، مَوت کا فرشتہ۔ قحط۔

کام : شہوت۔

کام و دہن : تالو اور مُنہ۔

کاوا : گھوڑے کو سدھانے کے لیے ایک مقررہ دائرے میں اس کو چکّر یا پھیرے دینا۔ گھوڑے کو سِدھانے کے لیے گھتے ہیں جوت کر چکّر دینا۔

(گھستا : نئے گھوڑے کو گاڑی میں جوتنے کے لیے سدھانے کا قریب چار پانچ فٹ لمبا، چار چھے انچ موٹا وزنی تختا جس کو گاڑی کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے)

کاواک : خالی، کُھکّل، بے ڈَول۔

کاہ : سوکھی گھاس۔

کاہیدہ : گُھٹا ہوا۔ دُبلا۔

کَبُود : نیلا۔

کپول : گال۔ رخسار۔

کِتابہ : وہ عبارت جو قبر کی لوح یا مسجد وغیرہ کے دروازوں پر کندہ کرکے لگاتے ہیں۔

وہ نظم یا نثر یا جو کسی کی تعریف میں یا بہ طور قطعۂ تاریخ کے کسی عمارت کے پیش طاق پر لکھواتے یا کُھدواتے ہیں۔

کتاں : السی، جس کا تیل نکالتے ہیں۔ ایک قسم کا باریک کپڑا جس کی نسبت

شاعروں کا خیال ہے کہ وہ چاند کے سامنے لانے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

گُٹنک : سونٹا (بھنگ گھوٹنے کا)

کٹھ بندھن : لکڑی کا بڑا سا ٹکڑا لٹھے یا گول گھیرے کی شکل کا جس سے ہاتھی کا پانو رسّی سے باندھ دیتے تھے۔ یہ اتنا وزنی ہوتا تھا کہ ہاتھی کے لیے اسے کھینچ کر چلنا پھرنا ممکن نہ تھا۔

کٹک : فوج۔

کٹول : ایک پودے کا نام، یہ دوا میں بھی کام آتا ہے۔

کج رَوِشی : ٹیڑھی چال چلنا۔

کجک : فیل بانوں کا آنکس۔ ایک چیز جسے ایران میں گریبان کے چاروں طرف لگاتے تھے۔ ایک جگہ اس طرح بھی اس لفظ کو استعمال کیا ہے کہ اُس سے متبادر ہوتا ہے کہ مراد کسی ایسی آرائشی چیز سے ہے، جسے ہاتھی کے ماتھے پر، چاند کی طرح مدوّر یا نیم مدوّر لگاتے یا بناتے ہوں گے۔ مصرع یہ ہے: چرخ پر جوں مہِ نو، ماتھے پہ یوں اُس کے کجک۔

کجلی بَن : ہاتھیوں کے رہنے کا جنگل۔

کج وواکج : ٹیڑھا ترچھا۔ اٹھلاتے ہوئے ٹیڑھے ترچھے چلنا۔

کچکول : بھیک کی جھولی۔ بھیک کا ٹھیکرا۔ وہ بیاض جس میں ہر قسم کی انتخابی چیزیں، اشعار یا مضامین درج ہوں۔ کشکول۔

کُچوں : کُچ کی جمع، چھاتیاں۔

کچھوے کو دغا دی ہے : (شیخ نے کچھوے کو بھی دغا دی ہے) مشہور ہے کہ ایک شیخ صاحب دریا کے کنارے کھڑے ہوئے پار اترنے کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ اتنے میں ایک بڑا کچھوا کنارے پر آیا۔ شیخ صاحب کو متردد دیکھ کر پوچھنے لگا۔ انھوں نے بتایا کہ پار اترنے کی سوچ رہا ہوں۔ کچھوے نے کہا کہ اگر میں آپ کو پار اتار دوں تو آپ میرے ساتھ کیا سلوک

کریں گے۔ شیخ صاحب بولے کہ اس
شکرانے میں بکرا ذبح کروں گا، اس
کا گوشت کھا لینا۔ کچھوے نے
اپنی پشت پر بٹھا کر پار اتار دیا۔
جب وعدہ وفا کرنے کو کہا تو
انھوں نے اپنے سر میں سے ایک
جوں نکال کر چٹ سے ناخن پر
دے ماری اور چلتے پھرتے نظر
آئے۔ (نجم الامثال)

کچھّی: وہ گھوڑا جس کی کمر معمول سے
زیادہ دبی یا دھنسی ہوئی ہو۔ ایسا
گھوڑا رفتار کا عیبی اور چلنے کا
چور ہوتا ہے۔
علاقۂ کچھ کا گھوڑا جس کی کمر بیچ
میں جھکی ہوئی ہوتی ہے۔

کُحلُ الجواہر: وہ سرمہ جس میں تقویت
کے لیے موتی اور دوسرے جواہر
ڈالتے ہیں۔

کُحلُ الجواہر الابصار: آنکھوں میں لگانے
کا کحل الجواہر۔ دیکھیے کحل الجواہر۔

کُڈھنگ: بے ڈھنگا، وحشی، بداخلاق
بدنما۔

کِذب: جھوٹ۔

کرگدن: گینڈا۔

کرمکِ شب تاب: جگنو۔

کرّنا: بگل، نفیری۔

کرّوبیاں: مقرب فرشتے۔

کُرہ: گیند۔ گولا۔ ہر ایک گول چیز۔

کرۂ آب: وہ پانی جس نے کرۂ زمین کو گھیر
رکھا ہے۔

کرۂ نار: آگ کا کُرہ۔

کڑک بجلی: توڑے دار بندوق۔ وہ بندوق
جس کی آواز بہت ہیبت ناک ہو۔

کُڑیاں: لڑکیاں۔

کَس: آدمی۔ کوئی۔

کساں: کَس کی جمع۔

کساں ناکساں: لائق اور نالائق لوگ۔

کَسب: فن، ہنر۔

کستوری: مُشک۔ سیاہ رنگ کے
ایک خوش آواز پرندے کا نام۔

کَسَل: سستی، کاہلی، تھکاوٹ۔
سودا نے مجازاً بیماری کے معنی

میں نظم کیا ہے۔

کُسُم : ایک قسم کا پھول، جس سے لال کپڑے رنگے جاتے ہیں۔

کسوتِ کبود : نیلا لباس۔

کُس و کُو : رشتے دار اور ساتھی۔

کِشت : کھیتی باڑی۔ کھیت۔

کِشت کرنا : کھیتی کرنا۔ بونا۔

کَفاف : اندازہ۔ اس قدر معاش جو کافی ہو۔ روز مرہ کا خرچ۔ روزی۔

کفچۂ مار : سانپ کا پھن۔

کفش کَن کی جگہ : جوتا اتارنے کی جگہ۔

کَفک : ہتھیلی، تلوا۔

کَفَل : حیوان اور آدمی کے چوتڑ۔

کَلاغ : جنگلی کوّا۔

کلاونت : گویّا، جس کا خاندانی پیشہ گانا بجانا ہو۔

کلاوا : ایک رنگین رسّی جو ہاتھی کی گردن میں بندھی ہوتی تھی، تاکہ مہاوت اُس میں اپنے پیر ڈال کر، ہاتھی کی گردن پر بیٹھا رہے۔ یہ گویا گھوڑے کی رکاب کی قائم مقام تھی۔

کُلبہ : چھوٹا سا گھر جو تنگ و تاریک ہو۔

کُلبۂ احزاں : غموں کا گھر۔ ماتم کدہ۔

کُلفت : رنج۔ تکلیف۔ مصیبت۔ ملال۔

کِلَم : قالین۔

کُلنگ : قاز۔ کونج۔ کنایۃً لمبی ٹانگوں کا آدمی۔ تشبیہاً اصیل مُرغ۔

کلول : جانوروں کا خوشی سے اُچھلنا۔

کمانچہ : چھوٹی کمان۔ وہ چھوٹی دھنکی جس سے عورتیں روئی دھنکتی ہیں۔

کماں داری کے وقت : چلانے کے لیے کمان میں تیر جوڑتے وقت یا کمان کھینچتے وقت۔

کمایَنبغی : جیسا چاہیے۔ بہ خوبی۔

کم بَغَل : مفلس۔

کمر کیسہ : کمر میں بندھی ہوئی تھیلی۔ کارتوسوں کی پیٹی جو کمر میں باندھی جاتی ہے۔ بارود رکھنے کی چمڑے کی کُپّی۔

کم مایہ : چھوٹی پونجی رکھنے والا۔

کُمیت : (کُمَیت) وہ گھوڑا جس کا رنگ عُناب یا تازی کھجور کے مانند

سیاہی مائل بہ سرخی ہو۔ گھوڑے کا یہ رنگ تمام رنگوں میں افضل سمجھا جاتا ہے۔ اس رنگ کا گھوڑا گرمی، سردی اور سفر کی تکالیف کا بہت متحمل ہوتا ہے اور بہت لمبی منزلیں طے کرتا ہے۔

کَمِّیَّت : مقدار۔ اُس چیز کی مقدار جو تولی ناپی جائے یا گنی جائے۔

کُنجشک : چڑیا۔ گرگیا جو مکانوں میں رہا کرتی ہے۔

کُندن : خالص سونا۔

کُنِشْت : آتش کدہ۔ یہودیوں کی عبادت گاہ۔ بت خانہ۔

کنّولا : (کولا) چھوٹا سنترا، ایک قسم کی نارنگی۔

کنھیّا (مانند کنھیا کے جہاں دیکھو وہاں ہے)؛ (کرشن کی کتھاؤں میں مشہور ہے کہ جذباتی محویت کے باعث راس منڈل میں ہر گوپی کو کنھیا اپنے ساتھ ناچتا ہوا نظر آتا تھا۔)

کوٹ : قلعہ۔ شہر کی چہار دیواری۔

کوس : بڑا نقارہ۔

کوسِ لمن الملک : قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: لمن الملک الیوم: آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر خود ہی جواب دے گا: للہ الواحد القہار: خدا کی بادشاہی ہے جو یکتا اور زبردست ہے۔

مراد ہے دعویٰ یکتائی سے۔

کول : علی گڑھ کا پرانا نام۔

کَولا : دروازے کے اِدھر اُدھر کا پہلو۔ بغل، گود۔ چھوٹا سنترا۔

کُنہ : حقیقت۔ بات کی تہ

کٹھراپا : اس لفظ کے معنی لغات میں مجھے نہیں ملے۔ ہاتھی کی خوں خواری اور شرارت کے مفہوم میں غالباً استعمال کیا گیا ہے۔

کِھنّدڑی : توشک کی طرح کا کوئی کپڑا جس کے درمیان میں کوئی نرم چیز بھر کر نگندے ڈال دیے جائیں۔ فقیروں کی گدڑی اور جھولی اکثر ایسی ہی ہوتی ہے۔ بچّوں کا نہالچہ۔

کُھٹّی سی چڑیا : دُم کٹی، پر نچی ہوئی چڑیا۔

کہ و مہ : چھوٹا بڑا۔

کِھیسنا : تھیلی۔ وہ کڑھی ہوئی تھیلی جسے
ہاتھ میں پہن کر بدن کا میل صاف
کرتے ہیں۔ (کیسہ)

کھیل جانا : مر جانا۔

کیسریے بانے : زعفرانی لباس۔ زرد پوشاک
جو ہندوؤں میں دولھا کو پہناتے ہیں۔
ہندوستان کے راجپوتوں میں قدیم سے
دستور چلا آتا ہے کہ جب وہ کسی
لڑائی پر نہایت مستعدی کے ساتھ
عہد و پیمان کر کے جاتے تھے تو اس
قول و قسم کے اظہار کے لیے کیسری
بانا (زرد لباس) پہن لیتے تھے اور
اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ ہم نے
کرشن کا بانا پہنا ہے یا تو فتح کر کے
آئیں گے یا وہیں کھیت رہیں گے۔

کیفی : نشے میں چُور۔ مدہوش۔

گازُر : دھوبی۔

گام : چلنے میں دونوں قدموں کے درمیان
کا فاصلہ۔ پیر۔ لگام۔ گھوڑے
کی ایک رفتار۔ وہ گھوڑا جو ایک
مخصوص راستے پر جا رہا ہو۔ سست
رفتار گھوڑا۔

گاو دیدہ : شیرمال، باقرخانی یا خمیری روٹی
عام طور سے دو شکل کی، گول اور
لمبوتری پکانے کا رواج ہے۔ گول
روٹی کو گاو دیدہ اور لمبوتری کو
گاو زبان کہا جاتا تھا۔

گاو زبان : دیکھیے گاو دیدہ۔

گاو سر : (گُرزِ گاو سر) فریدوں (اور رستم) کے گرز
کا نام جو گائے کے سر کی طرح تھا۔

گَبر : آتش پرست۔

گُتھنا : پرویا جانا، جذب ہونا، پھنس جانا
دو آدمیوں یا مرغوں کا لڑائی میں
باہم لپٹ پڑنا۔ (چوٹی کی رعایت
سے : بالوں کی لٹوں کا باہم
بٹا جانا۔)

گٹھّی : گرہ، گانٹھ، ہلدی پیاز، لہسن کی
گرہ، کسی چیز کا چھوٹا بنڈل۔

گٹھّی چور : چھوٹی چھوٹی چیزوں کو چرانے والا۔

گج باگ : ہندی لغات میں اس کی ایک
صورت "گج بانک" بھی درج ہے۔

دونوں کے معنی ہیں: آنکس۔ یعنی وہ بھالے نما لوہے کا آنکڑا جس کی نوک سے ہاتھی کی گردن پر اور کانوں کے برابر ہولا، یعنی گدگدایا جاتا ہے، تاکہ ہاتھی رفتار میں سُستی اور بے ترتیبی نہ کرے"۔

اُردو لغات میں بھی عام طور سے یہی معنی درج ہیں۔ لیکن فرہنگِ اصطلاحاتِ پیشہ وراں میں مندرجہ ذیل معنی لکھے ہیں:

"گجباگ: (مونث) ہاتھی کی باگ ڈور جو ایک خاص طرح سے پھندے لگا کر بنائی اور اس کی گردن میں ڈالی جاتی ہے۔ پھندوں میں مہاوت اپنے پیر ڈال لیتا ہے اور پیروں کی انگلیوں سے ہاتھی کے کانوں کے پیچھے ٹھوکے لگا کر، چلنے یا دوڑنے کو اشارے دیتا ہے۔ یہ لفظ گج اور باگ سے مرکب ہے"۔

سودا کے یہاں ایک اور لفظ "کلاوا" آیا ہے۔ شعر یہ ہے:

کلاوے کو نہ سمجھو اس کے کلگوں
یہ ہے گردن پر اُس کی خلق کا خوں

مخدومی مولانا عرشی (مدظلہ) کے مکتوبِ گرامی سے معلوم ہوا کہ کلاوے کے وہی معنی ہیں جو صاحبِ فرہنگِ اصطلاحات نے گجباگ کے لکھے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ گج باگ بہ معنیِ آنکس مرجح ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس خاص رسّی کے معنی میں بھی کہیں استعمال کیا جاتا ہو یا کبھی استعمال کیا گیا ہو۔

گج گاہ: سُراگائے کی دُم جو ہاتھی کے منہ کے دونوں طرف سجاوٹ کے لیے لٹکائی جاتی تھی۔

(سُرا گائے: ذوغلی گائے جو تبت کے یاک اور ہندوستانی گائے کے میل سے پیدا ہوتی ہے۔ ہندوؤں میں بہت متبرک سمجھی جاتی ہے۔)

گجنال: بہت بڑی توپ۔

گذری: وہ مقام جہاں کسی راہ کے کنارے شام کو سودا بیچنے والے آکے بیٹھ

جاتے ہیں۔

گَرد باد: بگولا۔ ہوا جس میں گرد و غبار ملا ہوا ہو۔

گَردن کَش: منحرف۔ باغی۔ مغرور۔

گِرِفت: اعتراض، پکڑ، وہ بات جو بطور اعتراض یا تنبیہ کے کہی جائے۔ (مہماں سے گرفت اتنے ہوں: مہمان سے اس قدر سختی اور درشت پن سے پیش آئیں۔)

گرم عناں ہونا: گھوڑا تیز دوڑانا۔

گرم ہونا: جوش آنا۔ ابلنا۔ کنایہ ہے غصہ کرنے سے۔

گرہ: بعض بری روحوں کا نام، جو دماغ اور جسم پر برا اثر ڈالتی ہیں۔ وہ طاقت جو چاند اور سورج کی طاقت کو سلب کر لیتی ہے۔ گہن۔

گرہ کرنا: ہوا میں کبوتر کا پلٹے کھانا۔

گریبان و کغل: گردن اور پچھلا حصہ (گھوڑے کا)

گریہ در گلو: رونے کی شدت سے گلے میں آواز کا پھنس جانا۔

گَزَند: دکھ۔ تکلیف۔ ایذا۔

گلابی: شراب کا گلاس۔ ساغر۔ چھوٹی رنگین بوتل جس میں شراب اور گلاب رکھتے ہیں۔

گُلِ ارغواں: ارغواں کا پھول۔ ارغواں: ایک درخت جس کی شاخیں بہت پتلی ہوتی ہیں اور بہار کے موسم میں سارا درخت سرخ پھولوں سے بھر جاتا ہے، پتے بالکل نہیں ہوتے اور دوسرے موسم میں پتوں سے بھر جاتا ہے۔

گُلِ اشرفی: ایک قسم کا گول پھول، جس کی نقل اکثر ٹوپیوں وغیرہ پر بھی بناتے ہیں۔

گُلِ اورنگ: ایک قسم کا گلابی پھول جو گھنڈی کی وضع کا ہوتا ہے۔

گُل برگ: گلاب کی پتی۔ گلاب کی پنکھڑی۔

گُل بُن: گلاب کا درخت۔

گُل بولنا: فارسی کے "گل خاندن" کا ترجمہ،

ایران کے جواریوں کی اصطلاح میں، اپنی ساری نقدی کو ایک ہی بار میں داؤں پر لگا دینا۔ جب اپنی ساری رقم داؤں پر لگا دیتے ہیں، اس وقت لفظِ "گُل" کہتے ہیں۔

گُل پھول کاٹنا: کسی کے حق میں بُرائی کرنا۔ نئے نئے بہتان باندھنا۔ غیبت کرنا۔

گُلتھی: نرم اُبلے ہوئے چاول۔ ملائم اور پتلے پکے ہوئے چاول جو اکثر پیچش میں کھائے جاتے ہیں۔

گُل زمیں: زمین کا سرسبز و شاداب ٹکڑا۔

گُل کرنا: (۱) ظاہر ہونا (۲) چراغ یا شمع کو بجھانا۔

گُل گوں: گھوڑا۔ شیریں کے گھوڑے کا نام۔ عمدہ اور چالاک گھوڑا۔ گلاب کے رنگ کا۔

گُل گیر: چراغ یا شمع کی بتی کترنے کی قینچی یا اوزار۔

گُلِ نَورستہ: تازہ کِھلا ہوا پھول۔

گُمک: ڈھول کی آواز، طبلے کی گونج، طبلے کی تھاپ۔ پکھاوج کی آواز۔ وہ گونج دار آواز جو گانے والوں کے مُنہ سے بھاری ہو کر نکلتی ہے۔

گنجِ شہیداں: وہ گڑھا جس میں شہیدوں یا مقتولوں کو اوپر تلے بھر کر دفن کر دیتے ہیں۔ شہیدوں کا مدفن۔

گورخر: جنگلی گدھا۔

گوڑے: (گوڑ) پانو۔ پنڈلی۔

گولی: پانی رکھنے کی بڑی ٹھلیا، مٹکا۔

گھُٹنت: گھٹنا۔

گھنٹال: غالباً ہاتھی کے دونوں طرف لٹکتے ہوئے گھنٹوں سے مراد ہے، جو ہاتھی کی رفتار کے دوران میں بجتے چلتے ہیں۔

گھونگھٹ کھانا: فوج کا میدانِ جنگ سے بھاگنے کے ارادے سے مُنہ پھیرنا۔

گھونگھری: (گھونگھڑی) کمبل۔ گڈریوں کی کملی۔

گیاہ: گھاس۔

گیدی خر: بہت بڑا بے وقوف۔ نہایت

بے غیرت - گیدی : بے غیرت،
لالچی - بزدل، بے وقوف۔
خر، گدھا۔
لات : عرب کے تین مشہور بتوں میں سے تیسرے بت کا نام۔
لاجنب : جو جنبش نہ کر سکے۔
لاریب : بے شک۔
لال : گونگا۔
لا و نعم : ہاں، نہیں۔
لایتجزی : دیکھیے جزوِ لایتجزی۔
لائے شراب : شراب کی تلچھٹ۔
لباسِ چرک : میلی پوشاک۔
لبِ ناں : روٹی کا کنارہ۔
لٹ پٹا : آڑا ترچھا، بے ترتیب۔
(لٹے پٹی دستار : وہ پگڑی جو ٹیڑھی بندھی ہو اور جس کے پیچ کے دونوں سرے کھلے ہوئے ہوں۔ بے قرینہ بندھی ہوئی پگڑی)
لٹک : ناز و ادا، آن بان، زیبائش، جھالر۔
لٹورا : ایک ابلق رنگ کا شکاری پرندہ، جو فاختہ سے چھوٹا ہوتا ہے اور گرگیٹا کا شکار کرتا ہے۔
لُجّہ : پانی کی گہری جگہ - منجدھار۔
لخت : کسی چیز کا ٹکڑا۔
لطمہ : تمانچا، تھپیڑا دریا کا۔
لُعبت : گڑیا، کھلونا۔
لعلِ رُمّانی : انار کے رنگ کا لعل۔
(رُمّان : انار)
لفّ و نشرِ مرتّب : لفّ و نشر : علمِ بیان کی اصطلاح میں وہ صنعت جس میں پہلے چند چیزوں کا ذکر کیا جائے اور پھر چند چیزیں اور بیان کریں جو پہلی چیزوں سے مناسبت رکھتی ہوں۔ اگر پہلے ذکر کی ہوئی چیزوں کی نسبت سے اُسی ترتیب کے ساتھ بعد کی چیزوں کو لایا جائے تو یہ لفّ و نشر مرتّب ہوگا، ورنہ غیر مرتّب۔
(لف : لپیٹنا - نشر : پھیلانا)
لکڑا : بڑی لکڑی، شہتیر، لٹھا۔
لَمعہ : چمک، روشنی۔
لوتھ : لاش۔

لوزینہ : بادام کا حلوا۔ ایک قسم کی مٹھائی۔
جس میں مغزِ بادام ڈالتے ہیں۔
لولی: ناچنے گانے والی عورت۔
لولیِ فلک: ستارۂ زہرہ۔
لَون : رنگ۔
مآل: انجام۔
ماٹی : مٹّی۔
ماٹی کے تھُوا: مٹّی کا ڈھیر۔ نکما آدمی۔
ما حَضَر: جو کھانا موجود ہو۔ جو کچھ حاضر ہو۔
مار: سانپ۔
مانا : مشابہ، مثل۔
ماندہ : تھکا ہوا۔
مانیِ ارژنگ : مانی، ایک مشہور رومی
نقاش کا نام جو نبی ہونے کا دعوا
کرتا تھا اور نقاشی کو اپنا معجزہ
قرار دیتا تھا۔ کتابِ ارژنگ اُس
کی تصنیف ہے۔ بعض لوگ کہتے
ہیں کہ ارژنگ مانی کے نگارخانے
کا نام تھا۔ چین کے ایک نقاش کا
نام بھی ارژنگ بتایا جاتا ہے۔ یہ
بھی کہا گیا ہے کہ مانی ہی کا لقب
ارژنگ تھا۔
ماہِ کنعانی: مراد ہے حضرت یوسف علیہ السلام
سے۔
ماءُ القَرع : لوکی کا پانی (ما: پانی،
قرع: لوکی)
مَا یَتَحَلّل: وہ غذا وغیرہ جو ہضم ہو چکی ہو۔
مَباحَت : مباح، جائز۔ وہ کام جو شریعت
کے لحاظ سے جائز ہو۔
مُباف : موباف کا مخفّف۔ وہ دھجّی یا
پٹّی یا فیتا جسے عورتیں چوٹی میں
ڈال کر گوندھتی ہیں۔
مُبتَذَل: عام، روزمرہ کی چیز، ذلیل، حقیر۔
مُبتذل بند: دوسروں کے مضامین اپنے
یہاں باندھ لینے والا۔ فرسودہ
مضامین کو نظم کرنا۔
مَبدَء : شروع ہونے کی جگہ۔ ظاہر ہونے
کی جگہ۔
مُبَرہَن: واضح۔ مضبوط دلیلوں سے ثابت۔
مُتتبّع : پیروی کرنے والا۔
مُتَصدّی : پیشکار، حساب کتاب کا
رکھنے والا یا اس کی جانچ کرنے

والا (محاسب) مُنیم، گماشتہ۔
مُتَّصِل: پاس۔ متواتر، لگاتار۔
مُتَمَوِّل: مال دار۔
مٹھا: سست اور کاہل بیل جو محنت اور چلنے سے جی چرائے۔سست رفتار گھوڑا۔
مِجمَر: وہ ظرف جس میں خوش بوؤں کی چیزیں جلاتے ہیں۔ عود دان۔
مجہلہ (صحیح: مُجھیلا) جھگڑا، قضیہ، جھمیلا۔
مجہولُ النّسب: وہ شخص جس کے حسب نسب اور اصل و نسل میں شبہ ہو۔
مُحاذی: مقابل، برابر، رو بہ رو۔
مُحالات: مُحال کی جمع، ناممکن۔ دشوار۔
مَحالات: مَحال کی جمع: جاگیریں۔ پرگنے۔ ضلع۔
محجوب: شرمندہ۔
محرمِ کُنہ: اصل حقیقت کو جاننے والا۔
محسود: جس پر حسد کیا جائے۔
محشور: قیامت کے میدان میں اٹھایا گیا۔
مختصر: (مختصر المعانی) علمِ معانی کی مشہور کتاب، مصنفہ علامہ تفتازانی۔

مُختَل: بگڑا ہوا، درہم برہم۔
مخملِ فرنگ: فرنگستان کی بنی ہوئی مخمل۔ کاشان اور فرنگستان (یورپ) کی مخمل مشہور تھی۔
مُداوا: علاج۔ تدبیر۔
مُدرِکہ: وہ قوت جس سے انسان چیزوں کی حقیقت دریافت کر سکے۔
مدقوق: وہ شخص جس کو دق ہو گئی ہو۔
مَرجان: چھوٹا موتی۔ مونگا۔ ایک قسم کا سوراخ دار دریائی درخت جسے سمندری کیڑے بناتے ہیں۔ جب پانی سے باہر لاتے ہیں تو پتھر ہو جاتا ہے۔
مُرتَفِع: بلند۔ بلند ہونے والا۔
مَرجَع: ٹھکانا، پناہ کی جگہ، وہ لفظ جس کی جگہ پر ضمیر لائی جائے۔
مَردَک: حقیر آدمی، ٹھنگنا، بونا۔ کلمۂ حقارت جو گالی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔
مَردُمکِ چشم: آنکھ کی پتلی۔
مِردنگ: پکھاوج کی قسم کی مگر اس سے زیادہ

لمبی اور پتلی پرانی وضع کی ڈھولک۔

مِردھا: (مِردہا) مُکھیا۔ چودھری۔ چوب دار۔
(فارسی میں: میردہ)

مُرسَل: بھیجا گیا۔ وہ نبی جو صاحبِ کتاب ہو۔

مُرغِ زرّیں: تیتر اور مور سے ملتا ہوا، مُرغی کے برابر ایک پرندہ، جس کے پَر سونے کی طرح چمکتے ہیں اور اُس کا رنگ سبز ہوتا ہے اور سر پہ کلغی ہوتی ہے۔

مُرغِ زرّینِ فلک: مراد ہے سورج سے۔

مُرغِ قبلہ نما: وہ طائر جو قبلہ نما آلے کے اندر، قبلے کی سمت ظاہر کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ اس کو طائرِ قبلہ نما بھی کہتے ہیں۔

مرغول: پیچ دار، بل کھایا ہوا۔ محراب کی ترشی ہوئی پیشانی یا رو کار۔ مرغول کئی طرح کا ہوتا ہے۔ دہلی کی جامع مسجد اور تاج محل میں ان کے نادر نمونے ملتے ہیں۔

مَرکَب: سواری کی چیز، اکثر گھوڑے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

مُرکّب: کئی چیزوں سے مل کر بنا ہوا۔ مفرد کی ضد۔ دوات کی سیاہی۔

مُزد: اُجرت۔

مَزرَع: کھیتی۔ کھیت۔

مُزوِّر: مکّار۔

مِژگانی: حفاظت۔ دیکھ بھال۔

مِس: تانبا۔

مَسا: شام۔

مُساوی: برابر۔

مُستاصَل: جڑ سے اکھڑا ہوا۔ تباہ، برباد۔

مُستَسقی: جس کو استسقا کی بیماری ہو۔
استسقا: جلندھر کی بیماری، جس میں پیاس بہت ہوتی ہے۔ پیٹ بڑھتا جاتا ہے اور تمام بدن ڈھیلا اور سُست ہو کر پھول جاتا ہے۔

مُستعار: مانگا ہوا۔ اُدھار لیا ہوا۔

مستغنی: بے پروا۔ آسودہ حال بے نیاز۔

مستغنیِ ذاتی: جو اپنے ذاتی کمالات کی وجہ سے بے نیاز ہو جائے

مَستک: ہاتھی کا ماتھا۔

مَستوفی: حسابات کی جانچ پڑتال کرنے والا۔

آڈیٹر۔

مسکن و ماوا: مسکن: رہنے کی جگہ۔ گھر۔
ماوا: جاے پناہ، ٹھکانا۔

مسکین: ایک مشہور مرثیہ گو شاعر کا تخلص۔

مَسِیر: سیر کی جگہ۔ جانا، چلنا۔

مشام: دماغ۔

مُشتِ جَو: ایک مٹھی جَو۔ مراد ہے معمولی اور کم درجہ چیز سے۔

مُشْرِف: نگراں، ناظر، چیف محرّر۔ میر منشی۔ وہ شخص جو اپنے ماتحت محرروں کی دیکھ بھال کرے۔

مُشِیر: مشورہ دینے والا۔ صلاح کار۔

مُضحِک: ہنسانے والا (یعنی اپنے اوپر ہنسانے والا)

مَطبَخ: باورچی خانہ۔

مطبوخ: آگ پر پکائی ہوئی چیز۔

مطلعِ انوار: روشنیوں کے طلوع ہونے کی جگہ۔

مطلعِ نیّر: سورج کے طلوع ہونے کی جگہ۔

مُطَوّل: علمِ معانی کی ایک معروف کتاب، مصنفہ علامہ تفتازانی۔

مُعاتَب: جس پر عتاب کیا جائے، سرزنش کی گئی ہو۔

مَعاد: لوٹ کر جانے کی جگہ۔ مجازاً: آخرت۔

مُعانقہ: گلے سے لگانا۔ بغل گیر ہونا۔

معجونِ زَرنباد: ایک دوا کا نام۔
(زَرَنباد: نرکچور)

معجونِ مُبہی: قوتِ باہ (قوتِ مردانہ) بڑھانے والی معجون۔

مَعدِلَت: انصاف۔

معدلت کیش: جس کا شیوہ انصاف کرنا ہو۔

مَعدِن: کان۔

مُعَقَّد: پیچیدہ۔

معمور: بھرا ہوا۔ آباد۔ بسا ہوا۔

معمور ہوگیا: آباد ہوگیا۔ بھر گیا۔
لب ریز۔ بند۔ مُقفل۔

معنیِ ربانی: خدائی حقیقت۔

مُغ: آتش پرست، مجوسی۔

مُغ بچہ: وہ خوب صورت لڑکا جو شراب خانے میں شراب پلاتا ہے۔

مُفرَدات: مفرد کی جمع۔ مفرد: تنہا اکیلا۔

ایک ۔جمع کی ضِد۔
مفردات : حروفِ تہجّی جو الگ الگ
لکھے جاتے ہیں۔
مَفسَدہ : دنگا، فساد، وہ کام جو مصلحت
کے خلاف ہو۔
مفیدِ تام : کمل فائدہ دینے والا۔
مقتضائے داب : آداب کے موافق، آداب
کی رو سے۔ رعب و دبدبے کے
مناسب۔
مقدور : طاقت۔ مجال۔ حوصلہ۔ گنجایش۔
حیثیت۔
مُقِر : اقرار کرنے والا۔ تسلیم کرنے والا۔
مُقَنّع : وہ باریک کپڑا جو دُلھن کے سہرے
کے نیچے باندھتے ہیں۔ باریک چادر
جو عورتیں مُنہ چھپانے کے لیے چہرے
پر ڈال لیتی ہیں۔
مُکافات : بدلہ۔ تاوان۔ سزا۔
مُکحَل : سُرمہ دانی۔
مگر : شاید۔
مگسی : وہ گھوڑا جس کے تمام جسم کے بال
سفید اور سارے بدن پر سُرخی کا
چھینٹا ہو۔ دُم اور یال ہم رنگ ہوں۔
مَلا : خلا کی ضد، بھرا ہوا۔
مُلّا : (مُلّھو) وہ پرندہ جس کے
پانو باندھ کر جال میں ڈال
دیتے ہیں، تاکہ اور پرند بھی اُسے
دیکھ کر آ پھنسیں۔
ملبوس : لباس
ملبوسِ قیصری : شاہی لباس۔
مِلّت : دین۔ مذہب۔ فرقہ۔ قوم۔
مُلتجی : التجا کرنے والا۔ منّت سماجت
کرنے والا۔
ملجأِ انام : مخلوق کی پناہ گاہ، مخلوق کے
پشت پناہ۔
مُلحد : راہِ حق سے پھرا ہوا۔ بے دین۔
مَلَخ : ٹڈی۔
مِلَل : ملّت کی جمع، مذاہب۔
مُلَوّث : آلودہ۔ لتھڑا ہوا۔
مُمِدّ : مدد کرنے والا۔ ساتھی۔
مَناہی : منہی کی جمع، منع کی ہوئی چیزیں۔
شریعت کے خلاف کام۔
مَن بکی : مَنِ بکی او ابکی او تباکی علی

اَلحُسَینِ فَقَد وَجَبَت لَہُ الجَنَّۃ۔
جو امام حسین پر رویا یا اُس نے رُلایا، یا روتی صورت بنائی، اُس کے لیے جنّت واجب ہو گئی۔

منّت دار: احسان مند۔
مُنجَر: کھینچا گیا۔ کھینچنے والا۔
مَنجَنیق: ایک قسم کا آلہ جس سے بڑے بڑے پتھر مار کر، قلعے وغیرہ کی دیواروں کو گرایا جاتا تھا۔
مِنخَرَین: ناک کے دونوں نتھنے۔
مُندرِس: پُرانا، گِھسا ہوا (خصوصاً کپڑا)
مَندَل: ڈھول۔ پکھاوج۔
مَنڈھی: جھونپڑی۔ چھوٹا سا سایبان جس میں فقیر رہتے ہیں۔ کُٹی۔
مُنَزَّہ: عیبوں سے پاک۔
منشیِ ازل: مراد ہے خدا سے۔
منشیِ فلک: عطارد ستارہ۔
منشیِ نُہ فلک: غالباً خدا سے مراد ہے۔
مُنعدم: نیست نابود۔ ناپید۔
مَنفَذ: جاری ہونے کی جگہ۔ گزرنے کی جگہ۔ راستہ، گذرگاہ۔ مجازاً سوراخ، مسام۔

مُنفَک: جُدا، الگ۔
مَنقَبَت: تعریف۔ شاعروں کی اصطلاح میں اس تعریف سے مراد ہوتی ہے صحابہ، ائمہ اور بزرگوں کی شان میں ہو۔
منقَل: انگیٹھی۔
مَنکا: تسبیح یا مالا کا دانہ۔ کانچ، عقیق یا کسی پتھر کا دانہ۔ وہ مُہرے جن کو فقیر گلے میں ڈالے رہتے ہیں۔
مَنہیات: وہ بُرے کام جن کا کرنا شرع کے حکم سے منع ہے۔
مَوالی: مولیٰ کی جمع، یار دوست۔ نوکر چاکر۔
مَوالید: مولود کی جمع، بچّے، لڑکے۔
مَوالیدِ ثلاثہ: تین قسم کی مخلوق، حیوانات، نباتات، جمادات۔
مَوتیٰ: مُردے۔
موجودات: وہ کل چیزیں جو خدا نے پیدا کی ہیں۔ گنتی۔ حاضری۔ فوج کی حاضری۔
مُودی: اناج کا سوداگر۔ بنیا۔
مورچہ: چھوٹی چیونٹی۔
مَورِد: اُترنے کی جگہ۔

مَورِدِ سنگ: جس پر پتھر گرے۔
مَورِدِ تحسین: جس کی تعریف کی جائے۔
موسمِ دَے: سردی کا موسم۔
مُوَقَّر: عزّت دار۔ معزّز۔
مُوَکّل: وہ فرشتہ جو کسی کام پر مقرر رہے۔
وہ پوشیدہ طاقتیں (خواہ فرشتے)
جن کو عمل پڑھنے والے اپنے قبضے میں
کر لیتے ہیں۔
مَولِد: پیدا ہونے کی جگہ۔ وطن جہاں
پیدا ہوا ہو۔
مولودیے: مولود پڑھنے والے۔
مومِ تَفتہ: پگھلا ہوا موم
مِہرِ اُلوہیّت: خدائی سورج۔ وہ سورج
جس پر خدائی شان کا ظہور ہو۔ مُراد
ہے رسول اللہؐ سے۔
مِہر وَش: سورج کی طرح۔
مُہمل: بے معنی۔ بے ہودہ۔
بہ طورِ صفت: بے کار، نکما، زائد۔
مَہنت: جوگی۔ فقیروں کا سردار، بیراگیوں
کا پردھان۔ بہت موٹا آدمی۔
مُہندِس: وہ شخص جو علمِ ہندسہ (جامیٹری)
جانتا ہو۔ نجومی۔ جوتشی۔
مُہوِس: کیمیاگر۔
مَہ وَشاں: مہ وَش کی جمع، چاند کی طرح۔
میاں اور تیاں: تو تو میں میں۔ زبانی جھگڑا۔
مینچو: میخ ٹھونکنے کی موگری۔ کلمۂ حقارت۔
میر بخشی: وہ شخص جو سب کی تنخواہ تقسیم
کرے۔ فوج کی تنخواہ بانٹنے والا
افسرِ اعلا۔ شاہی زمانے میں یہ
بڑا عہدہ تھا۔
میر علی: مشہور خطّاط کا نام۔
میرِ مُثَلّث: (مثلّث: ایسا لفظ جو کبھی
سعادت اور کبھی نحوست پر دلالت
کرے (بہارِ عجم)) مخاطب کو سیّد
ہونے کے لحاظ سے سعد اور بداخلاق
ہونے کے لحاظ سے نحس ٹھہرایا ہے۔
دوسرے الفاظ میں اس کی سیادت
سعادت کی، اور کردار نحوست کی
علامت ہے۔ اس کے علاوہ سہ حرفی
کلمے کو بھی مثلّث کہتے ہیں۔ ظاہر
ہے کہ میر سہ حرفی ہے۔
میزان: ترازو۔

مِیل (یائے معروف) : سَلائی جس سے سُرمہ لگاتے ہیں۔
ناخن گیر : ناخن کاٹنے کا اوزار۔ نہرنی۔
نادیدنی : وہ چیز جو دیکھنے کے قابل نہ ہو۔
نار : آگ۔ انار کا مخفّف۔
ناشُدَنی : بدنصیب، کم بخت، نالائق۔ ناممکن۔
ناقَباحت فہم : بُرائی کو نہ سمجھنے والا۔
ناقہ : اونٹنی۔
نالش : فریاد۔ گریہ وزاری۔ شکایت۔
نالکی : لمبی آرام کرسی کی طرز کی کہاروں کے کندھے پر اٹھانے کی تام جھام کی قسم کی سواری، جس میں ایک آدمی پھیل کر لیٹ سکے۔
نامیہ : دیکھیے قوّتِ نامیہ۔
نان با : روٹی سالن بیچنے والا۔ روٹی پکانے کا پیشہ کرنے والا۔
ناوداں : چھت کا پرنالا۔
نَبَرد : لڑائی۔
نِپَٹ : محض، بالکل، نرا، تمام، بہت۔ پوری طرح سے۔
نِت : ہمیشہ
نٹ کھٹ : فسادی، شوخ، شریر۔
نُجَبا : نجیب کی جمع، شریف لوگ۔
نجسُ العَین : وہ چیز جس کا ہر جزو ناپاک ہو، جس کا کھانا، پینا، چھونا، لگانا ناجائز ہو۔
نِچھُول (پِچھول) : (ہاتھی کی) وہ چال جس میں سوار کو دھچکا محسوس نہ ہو۔ تیز رفتار ہاتھی
نِچَنت : بے فکر، مطمئن، بے پروا۔
نخچیر : شکار۔
نخلِ شمع داں : رنگین موم کا بنا ہوا درخت جو شمع دان میں ہو، اس کے کئی حصّوں کو روشن کیا جاتا ہے۔
ندّاف : روئی دُھنکنے والا۔
نداں : آخرکار۔ بعد میں۔
ندھڑک : بے دھڑک۔
نَردبان : سیڑھی۔ زینہ۔
نَرسِنگیا : نرسنگا (بگل) بجانے والا۔
نرگسِ شہلا : وہ نرگس جس کا کٹورا سیاہ ہو۔ نرگس کا وہ پھول جس میں زردی کے

بجائے سیاہی ہو اور انسانی آنکھ
سے مشابہ ہو۔
نَزد : نزدیک۔
نَژاد : اصل، نسل، نسب۔
نِسا : عورتیں۔
نَسَق : انتظام ۔ بندوبست۔ قاعدہ۔
نظر انداز : جس پر نظر پڑ چکی ہو (نہ بچے
طائرِ مضموں نظر انداز مرا : وہ
مضمون جو ذہن میں آیا ہو)
نعل بندی دینا : خراج دینا ۔ نذرانہ دینا۔
نَعلَین : دونوں جوتیاں ۔ جوتی کا جوڑا۔
نِعَم : نعمتیں۔
نَعَم : قبولیت کا کلمہ ہاں کے معنی ہیں۔
نَفُخ : اپھار، پیٹ کا پھولنا
نَفَر : نوکر ۔ ادنا ملازم۔
نَفَس : سانس ۔ دم، گھڑی، لمحہ۔
نفسِ ناطِقہ : انسانی روح۔
نِقرِس : ایک شدید درد، جو عموماً پیر کی
انگلیوں اور ٹخنوں میں ہوتا ہے۔
نُقل : شراب پینے کے بعد (یا اس کے
ساتھ) جو نمکین چیزیں یا کباب

وغیرہ کھائے جاتے ہیں۔
نِگوں : اوندھا ۔ اُلٹا۔
نَمَط : طرح ۔ مثل۔
نمودِ خطِ گُل رخاں : محبوبوں کے رخساروں
پر سبزہ نکلنا۔
نواحی : ملک کے کنارے ۔ مضافاتی علاقے
نوچندا اتوار : چاند کا پہلا اتوار۔
نور بائی : عہد محمد شاہ کی ایک نہایت مشہور
مغنیہ۔
نہار : نہار منہ ۔ صبح سے کچھ نہ کھائے ہوئے۔
نُہ آسمان : نو آسمان۔
نہالی : روئی دار بستر ۔ توشک۔
نَہُٹتا : ناخن سے نوچنے کا نشان ۔ جانور کے
پنجے کا نشان جو پنجہ مارنے سے
پڑ جاتا ہے ۔ وہ نشان جو ناخن
سے کھجلانے سے پڑ جاتا ہے۔
نِہُفتہ : چھپا ہوا۔
نَہی : ممانعت، منع کرنا ۔ روک ۔ وہ
حکم جو کسی کو کسی کام کے نہ کرنے
کے لیے دیں۔
نِہیب : خوف، ڈر، دہشت۔

نے : بانسری۔ نرکل۔ حُقّے کی نگالی۔
نَے شکر : گنا۔
نیّرِ اعظم : سورج
نَیساں : رومیوں کے ساتویں مہینے نیز
اُس مہینے کی بارش کا نام۔ ہندی
مہینے بیساکھ اور انگریزی مہینے
اپریل سے ملتا ہوا ہے۔ اگلے لوگوں
کا یہ بھی خیال تھا کہ اس مہینے میں
مینہ کی بوندوں سے سیپ میں موتی
پیدا ہوتے ہیں۔
نَیستان : وہ جنگل جہاں پر بہت سے
نرسل ہوں۔ سرکنڈوں کا کھیت
یا جنگل۔
نیل بگڑنا : کم بختی آنا۔ شامت آنا۔ جھوٹی
باتیں بنانا۔ پاگل ہو جانا۔ غل مچانا۔
نیل جلانا : بارش روکنے کا ٹوٹکا۔ عوام الناس کا
کا دستور تھا کہ جب بارش بہت ہوتی
مینہ کھلنے کے واسطے یوں ہی یا تلوار پر
رکھ کر نیل جلاتے تھے۔
نیل کا ٹیکا : کنایۃً : بدنامی کا داغ۔ روسیاہی۔
واجبُ التعذیر : سزا کے قابل۔

وارہی : آزادی۔ مہلت۔
واشُد : شگفتگی، کشادگی۔
واہی ہے : بے ہودہ، آوارہ، ناکارہ۔
وُحُش : جنگلی چوپایے۔
وَرَثَہ : ترکہ، مُردے کا مال۔ میراث۔
وَزَغ : مینڈک۔
وَش : طرح۔
وَصلت : وصل۔
وَصی : وہ شخص جس کو وصیت کی گئی ہو۔
وصیت پر عمل کرنے والا۔ کنایہ ہے
حضرت علیؓ سے۔
وَغا : لڑائی۔
وُفور : کثرت، زیادتی۔ بہتات۔
وَقر : عظمت، بڑائی۔ عزّت، آبرو۔
وِلا : محبّت، دوستی، اتحاد۔
ہُبَل : عرب کے ایک مشہور بُت کا نام۔
ہتھیائی پر آ جائے : شرارت کرنے پر تل
جائے۔ بگڑ کھڑا ہو۔
ہٹیں : ہٹ کریں، ضد کریں۔ جھگڑیں۔
ہَذیان : بیماری کی بے ہوشی میں بے جوڑ
باتیں کرنا۔ بیماری کے عالم میں

بھکنا ، بڑبڑانا ۔ بے ہودہ باتیں بکنا۔

ہرگاہ : جس وقت ، جب کہ ۔

ہَرنا : (گھوڑے کی) کاٹھی کا اگلا اُبھرا ہوا حصّہ۔

ہزارہ : ایک قسم کا بڑا گیندا۔ لالے کی ایک قسم جس کا پھول بہت بڑا ہوتا ہے۔

ہفتجوش : (ہفت جوش کا مخفف) سات دھاتیں (سونا، چاندی، تانبا، جست، لوہا، سیسا، رانگ) ملاکر جو چیز بنائی جائے۔ یہ بے حد مضبوط ہوتی ہے۔

ہَلاہِل : قاتل زہر جس کا علاج ہی نہ ہوسکے۔

ہلوکنا : قے کرنا۔

ہَمتا : برابر۔ مانند۔ نظیر۔

ہم زمزمہ : ایک سا راگ گانے والے۔

ہم سنگ : ہم وزن۔

ہِمَم : ہمّت کی جمع۔

ہَنُونَت : ہنومان کی طرح مثالی جسمانی قوت رکھنے والا۔

ہَوا خواہی : خیر خواہی۔ وفاداری۔

ہَودَج : ہَودے کا اسم مصغر۔ ہَودا: عربی لفظ حوضہ، بہ معنی حوض کا اُردو تلفظ۔ پلنگ نما چوکھٹا جو سواریوں کے لیے ہاتھی کی کمر پر باندھ دیا جائے۔ عموماً گہوارے کی شکل کا ہوتا ہے۔ اس پر چھتری یا سایے کو کوئی آڑ نہیں ہوتی۔ کھلی ہوئی بغیر چھتری کی عماری

عماری : ہاتھی کی کمر پر باندھنے کا چھتری دار ہَودا، جس کی چھتری بُرجی نما ہوتی ہے۔

ہَودج، اونٹ کے کُجاوے کے لیے بھی آتا ہے۔

کُجاوہ : سواریوں کے بیٹھنے کے لیے اونٹ کی کمر کے دونوں طرف لٹکی ہوئی ہَودے یا ٹوکرے کی وضع کی نشستیں، جن میں ایک ایک، دو دو، یا زیادہ سواریاں بیٹھ سکیں۔ کجاوے کی ایک مختصر اور آرام دہ صورت کا نام محمل ہے۔ اس کو سواری کے بیٹھنے کے لیے کاٹھی کی طرح اونٹ کی کمر پر کس دیا جاتا ہے، جس کے اوپر

دھوپ سے حفاظت کے لیے چھتری
بھی ہوتی ہے۔ گُجاوے کی نسبت
زیادہ شان دار اور آرام دہ ہوتا ہے۔

ہَیجا : لڑائی۔

ہیچ مداں : کچھ نہ جاننے والا۔ بات کرنے
والا عاجزی سے اپنے لیے یہ لفظ
استعمال کرتا ہے۔

ہَیکلِ اَطفال : بچوں کے گلے میں ڈالنے
والا تعویذ۔

ہیہات : افسوس۔

یاسمن : چمیلی۔

یاقوت ایک مشہور ترین خطاط کا نام۔

یال : گھوڑے کی گردن کے بڑے بڑے بال

یتیم : نہایت قیمتی موتی۔ بڑا آب دار موتی
جو سیپی میں اکیلا ہو

یَدُ اللہ : خدا کا ہاتھ۔ مراد ہے حضرت علیؓ سے۔

یرغہ : (یرغا) تُرکی زبان کا لفظ ہے۔ پُرانے
چابک سوار دُلکی چال کے لیے بولتے
ہیں۔
(دُلکی : گھوڑے کی ایک دوڑ کا نام،
جس میں وہ قدم پر قدم ڈالتا ہوا چلتا
ہے، اس طرح کہ سامنے کے سیدھے
پیر کی جگہ پچھلا الٹا پیر ڈالتا ہوا
لمبا اور تیز قدم چلے۔ اس چال میں
سوار کو بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن
گاڑی میں چلنے کے لیے آرام دہ رہتی
ہے۔

یل : پہلوان۔

یَلدا : وہ اندھیری رات جو سب راتوں سے
بڑی ہوتی ہے۔

یَلہ : چھوڑ گیا۔ بے قید
(گھوڑے کے لیے، اگر اس کی لگام
ڈھیلی چھوڑ دی جائے۔)

یَم : دریا۔

یُمن : برکت۔

یُوز : وہ سبزہ گھوڑا جس پر سیاہ گُل ہوں
یعنی چیتے کی رنگت سے مشابہ کہیں
کہیں سیاہ یا بھورے رنگ کے دھبے
ہوں۔ گلدار سبزہ۔

معیاری ادب ۲۳

اِفاداتِ سلیم

مولانا وحید الدین سلیم

تصحیح و ترتیب

(ڈاکٹر) خلیق انجم

سلیم مولوی تھے، شاعر تھے، نقاد تھے، صحافی تھے، مترجم تھے اور ماہر لسانیات تھے لیکن اب اُردو میں وہ صرف "وضعِ اصطلاحات" کے مصنف کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مولانا سلیم اردو کے پہلے ماہر لسانیات ہیں جنھوں نے اُردو زبان کے مسئلے کو صحیح پس منظر میں دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی ——

"افاداتِ سلیم" آپ کے چیدہ چیدہ مقالات کا مجموعہ ہے جسے اُردو ادب میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

عمدہ کتابت، آفسٹ کی اعلا طباعت

معیاری ادب ۲۵

قصّۂ حاتم طائی

موسوم بہ

آرایشِ محفل

حیدر بخش حیدری

تصحیح و ترتیب : اطہر پرویز

اس کتاب میں حاتم طائی کی سات سیروں کا ذکر ہے۔ حیدری نے اِس داستان کی مقصدی حیثیت کو خاصا اجاگر کیا ہے۔ زبان و بیان کا کوئی گوشہ نہیں جس سے وہ اپنے مقصد کو سامنے لانے میں کامیاب نہ ہوئے ہوں۔

عمدہ کتابت۔ آفسٹ کی اعلا طباعت

معیاری ادب نمبر ۲۴

توبۃ النصوح

شمس العلما مولوی ڈپٹی نذیر احمد

تصحیح و ترتیب

مالک رام

ڈپٹی نذیر احمد کا شمار سرسید کے نورتنوں میں ہوتا ہے۔ ان کی شخصیت بڑی پہلودار تھی۔ وہ عربی فارسی کے منتہی تھے، عالمِ دین تھے، فقیہہ و متکلم تھے، مترجم قرآن تھے، بلند پایہ خطیب و مقرر تھے، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اُردو کے پہلے ناول نگار تھے۔

"توبۃ النصوح" آپ کے دوسرے ناولوں کی طرح اصلاحی ناول ہے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ اولاد کے چال چلن اور اخلاق و اطوار کی ذمہ داری اور کسی پر نہیں والدین پر آتی ہے۔ یہی نہیں، اس کتاب میں اس کے علاوہ مذہب، اخلاق، عبادت وغیرہ کے مسائل بھی زیرِ بحث آتے ہیں اور ہر ایک موضوع سے متعلق اطمینان بخش اور مدلل گفتگو کی گئی ہے ـــ عمدہ کتابت، آفسٹ کی اعلا طباعت

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

اُردو بازار جامع مسجد دہلی ۶ ـ پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳ ـ شمشاد مارکیٹ علی گڑھ ۲